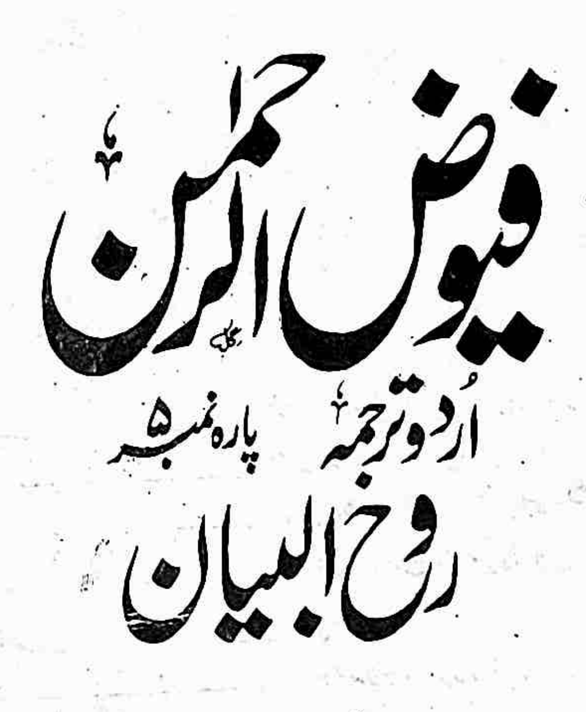


حضرت علامہ سراج العلماء زبدۃ الفضلاء شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

نام کتاب ـــــــــ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان پارہ ۵

مصنف ـــــــــ حضرت علامہ الشیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم ـــــــــ حضرت علامہ شیخ القرآن محمد فیض احمد اُویسی مدظلہ

مصحح ـــــــــ الحاج چوہدری مشتاق محمد خان لاہور

سن طباعت ـــــــــ جولائی ۱۹۹۲ء

ناشر ـــــــــ مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

باہتمام ـــــــــ صاحبزادہ عطاء الرسول اُویسی

فہرست پارہ ۵

پارہ نمبر ۵

وَالْمُحْصَنٰتُ

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ
ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ
مِّنْۢ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ
مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا
عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ
لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ع

ترجمہ: اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں مگر کافروں کی عورتیں جو تمہاری ملک میں آجائیں یہ اللہ کا نوشتہ ہے
تم پر اور ان کے سوا جو رہیں تم پر حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو قید لاتے نہ پانی گراتے
تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بندھے ہوئے مہر انہیں دو اور قرارداد کے بعد اگر تمہارے
آپس میں رضامندی ہو جاوے تو اس میں گناہ نہیں بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے اور تم میں

بے مقدوری کے باعث جن کے نکاح میں آزاد عورتیں ایمان والیاں نہ ہوں تو ان سے نکاح کرے جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں ایمان والی کنیزیں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم میں ایک دوسرے سے ہے تو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور حسب دستور ان کے مہر انہیں دو قید میں آتیاں نہ مستی نکالتی اور نہ یار بناتی جب وہ قید میں آجائیں پھر برا کام کریں تو ان پر اس سزا کی آدھی ہے جو آزاد عورتوں پر ہے یہ اس کے لیے جسے تم میں سے زنا کا اندیشہ ہے اور صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ وَّالْمُحْصَنٰتُ وہ عورتیں جو شوہر دار ہیں اور انہیں اس نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ انھیں نکاح یا شوہر یا متولی محفوظ کر لیتے ہیں۔ یعنی انہیں برائی میں داخل ہونے سے بچا لیتے ہیں۔

فائدہ تفسیریہ: قرآن پاک میں لفظ احصان چار معنوں میں مستعمل ہوا ہے:

۱۔ نکاح، جیسے اس آیت میں۔

۲۔ عفت، جیسے محصنین غیر مسٰفحین میں۔

۳۔ حریت، جیسے ومن لم یستطع منکم طولًا ان ینکح المحصنٰت میں۔

۴۔ اسلام، جیسے فاذا اُحصنّ میں۔

بعض نے اس تفسیر میں اَسْلَمْنَ معنیٰ کیا ہے۔

ترکیب: اس کا عطف محرماتِ سابقہ پر ہے۔ یعنی تمہارے اوپر شوہر دار عورتیں حرام ہیں۔

مِنَ النِّسَآءِ عورتوں میں سے۔

سوال: محصنٰت کے لفظ میں جب نساء کا معنیٰ مطلوب ہے تو پھر اس کے اضافہ کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: اس سے اس کے عموم کی تاکید مطلوب ہے نہ اس دفع توہم کے لیے کہ المحصنٰت، الانفس موصوف محذوف کی صفت ہے۔ یہ وہم سراسر غلط ہے۔

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مگر وہ عورتیں جو تمہارے قبضے میں آگئی ہیں۔ اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو دار الکفر سے مقید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں اور ان کے شوہر دار الکفر میں زندہ موجود ہوں، ایسی عورتیں جنگ کرنے والے غازیوں کے لیے حلال ہیں اگرچہ شوہر دار ہوں۔

نکتہ: حضرت نجم الدین کبریٰ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر دار عورتوں سے نکاح اس لیے حرام

فرمایا ہے تاکہ بچوں کی تربیت میں حفاظت اور نسب کی صحت اور مردوں کی عزت بحال ہو کہ حقوقِ زوجیت میں غیر کا اشتراک نہ ہو؛ ان کی علوِ ہمت کی وجہ سے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بلند ہمتی کو محبوب اور کمینہ پن کو مبغوض رکھتا ہے۔
نیز فرمایا کہ الاّ ما ملکت کا مطلب یہ ہے کہ تم اُن کے مالک ہو جاؤ اور ان کے کافر شوہروں پر غلبہ اور قوت پا جاؤ اور انہیں اشتراک کے پنجے سے چھڑا لو اور نسبِ اولاد کے فساد اور نطفہ کے اختلاط سے انہیں بچا لو۔ اس وجہ سے شرع مطہرہ نے ایسی عورتوں کے حیض کا انتظار کر کے استبرا واجب کیا ہے۔
كِتٰبَ اللّٰهِ یہ مصدر (مفعول مطلق) مؤکد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ان کی تحریم مکمل طور پر لکھ دی ہے اور یہ تمہارے اوپر فرض کر دیا ہے عَلَيْكُمْ تمہارے اوپر فرضیت کا حکم رکھتا ہے وَ اُحِلَّ لَكُمْ اور تمہارے اُوپر حلال ہیں۔ اس کا عطف حرمت علیکم پر ہے اور کتٰب اللّٰہ علیکم ان کے درمیان میں لانے سے مبالغہ مقصود ہے کہ محرماتِ مذکورہ پر محافظت ضروری ہے۔ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ان کے ماسوا یہ اشارہ محرمات مذکورہ معدودہ کی طرف ہے۔ یعنی مذکورہ عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں؛ ایک کے ساتھ نکاح کر دیا دو دو تین تین چار چار سے۔
مسئلہ: رضاع کی محرمات اور جمع بین الاختین (دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کرنا۔ اسی طرح عورت کی پھوپھی اور خالہ سے نکاح) کی حرمت احادیث سے ثابت ہے۔
اَنْ تَبْتَغُوْا یہ دونوں فعلوں (حرمت اور احل) سے متعلق ہے اور ان کا مفعول لہ ہے۔ لیکن اُن کے بیان و اظہار کی وجہ سے۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح حرام اور ان کے ماسوا سے نکاح حلال فرمایا ہے اس ارادہ پر کہ تم عورتوں کو طلب کرو۔
بِاَمْوَالِكُمْ مال دے کر طلب کرو کہ اُن کا حق مہر ادا کرو یا ان کی قیمتیں ادا کرو (اگر وُہ لونڈیاں ہیں)
مُّحْصِنِيْنَ درانحالیکہ تم ان سے نکاح کرنے والے ہو۔ یہ تبتغون سے حال ہے۔ الاحصان بمعنے پاک دامنی اور اپنے نفس کو ایسے امور سے بچانا جو ملامت اور عقاب کا سبب بنتے ہیں۔ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ اور نہ ہی زنا کرنے والے ہو۔ یہ تبتغون سے دُوسرا حال ہے۔ اِسفاح بمعنے زنا اور فجور ہے یہ اسفح سے ہے بمعنی منی خارج کرنا۔ اسے اس لیے سفاح کہا جاتا ہے کہ زنا سے مقصد یہی ہوتا ہے (یعنی منی خارج کرنا)۔

ف: ان دونوں کے مفعول محذوف ہیں۔ دراصل عبارت یُوں تھی: محصنین فروجکم و غیر مسٰفحین الزوانی۔ (یعنی اپنے فروج کو بچانے والے اور زانیہ عورتوں سے زنا سے اجتناب کرنے والے ہو)

ف : درحقیقت دونوں حالوں سے دوسرا پہلے کا حال مؤکد ہے اس لیے کہ محصن ہی غیر مسافح ہے۔

خلاصۃ التفسیر زنا کر کے اپنے مال ضائع نہ کرو تاکہ تمہارا دین و دنیا ضائع نہ ہو جائیں۔ اُن سے شرعی نکاح کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ حق مہر میں صرف مال دیا جا سکتا ہے غیر مال حق مہر میں نہیں دیا جاتا۔

مسئلہ ، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق مہر میں قلیل مال بھی قابلِ قبول نہیں، اس لیے کہ درہم وغیرہ کو عرفاً مال نہیں کہا جاتا۔

مسئلہ : ہم احناف کے نزدیک کم از کم دس درہم ضروری ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : حق مہر کم از کم دس[1] درہم ہونا چاہیے۔

فَمَا[2] اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ پس وہ جو تم ان سے نفع اٹھاؤ یعنی جس چیز سے ان عورتوں سے نفع پاؤ

---

[1] درمختار باب المہر میں ہے "اَقَلُّهٗ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ" یعنی مہر کی مقدار کم از کم دس درہم (۲ تولے ۱۱ ماشے چاندی) ہے جس کی قیمت موجودہ بھاؤ (جنوری ۱۹۸۷ء، پچاس روپے فی تولہ) کے مطابق ۱۴۵ روپے ۸۳ پیسے ہوتی۔ چاندی کے نرخ کی کمی بیشی پر روپیہ سے ابتدائی مہر کی مقدار کی کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ مہر کی زیادتی کی جانب کوئی مقدار معین نہیں تاہم بہت زیادہ مہر باندھنا بہتر نہیں۔ (محمد شریف گل عفرلہٗ)

[2] اس آیت سے رافضیوں نے متعہ کا جواز ثابت کیا ہے فقیر نے اس کے جواب میں ایک کتاب "رفع القناع المعروف" متعہ یا زنا" لکھی ہے۔ حیرانی ہے کہ یہ لوگ صرف جواز کے قائل نہیں بلکہ متعہ جیسے گندے عمل کو بہت بڑا کارِ ثواب کام سمجھتے ہیں۔ نمونے کے طور پر ایک روایت ملاحظہ ہو :

من تمتع مرة درجته کدرجة الحسین و من تمتع مرتین درجته کدرجة الحسن و من تمتع ثلاث مرات درجته کدرجة علی و من تمتع اربع مرات درجته کدرجتی۔
(برھان المتعہ ص ۵)

(ترجمہ : جس نے ایک بار متعہ کیا اسے امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا درجہ ملا، جس نے دو بار کیا اسے امام حسن (رضی اللہ عنہ) کا، جس نے تین بار کیا اسے علی (کرم اللہ وجہہ) کا، جس نے چار بار کیا اسے میرا (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا)

نعوذ باللہ من ذالک۔ (اویسی غفرلہٗ)

نکاحِ صحیحہ کے طور جماع یا خلوتِ صحیحہ یا اسی طرح اور معاملات وغیرہ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ پس انہیں ان کا حق مہر ادا کرو، اس لیے کہ حق مہر نفع پانے کا عوض ہوتا ہے۔ فَرِیْضَةً بمعنے مفروضہ۔ وَلَاجُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرَاضَیْتُمْ اور تمہارے لیے کوئی گناہ نہیں اس میں کہ جو تم آپس میں راضی ہو جاؤ۔

مسئلہ: نکاح کرنے کے بعد اگر بخوشی و رضا اپنی عورت کو حق مہر سے زاید بھی دے تو بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر عورت اپنے حق مہر سے اپنے مرد کو کچھ معاف کر دے یا تمام حق مہر معاف کر دے تو بھی جائز ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ مقرر ہونے کے بعد اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے حَكِیْمًا جو احکام مشروع فرمائے ان کی حکمتوں کا مالک ہے، اسی لیے تمہاری لیاقت کے مطابق احکام مشروع فرمائے ہیں۔

قواعد فقہیہ (۱) ہم احناف کے نزدیک اُن عورتوں سے نکاح حرام ہے جو دائمی طور پر انسان پر حرام ہیں بوجہ نسب یا مصاہرت یا رضاع کے۔ وہ رضاع اگرچہ حرام وطی سے بھی ہُوا ہو۔

(۲) نسب کی قید سے چچاؤں اور پھوپھیوں کی اولاد خارج ہوگئی کیونکہ ان کی اولاد سے نکاح جائز ہے۔

(۳) مصاہرت کی قید سے اپنی زوجہ کی بہن اور اس کی پھوپھی اور خالہ خارج ہوگئیں۔ یعنی بیوی کے مرنے کے بعد ان سے نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ: وُہ عورت کہ جس سے زنا کیا گیا اس کی ماں اور اس کی لڑکی اس حکم میں داخل ہیں (یعنی ان سے نکاح جائز نہیں)

مسئلہ: زانی کے باپ سے (نکاح جائز نہیں)۔ ایسی عورت کا کہ جس سے زنا کیا گیا ہے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے لڑکے سے بھی۔

مسئلہ: یہ مسائل صرف نکاح کی تحریم تک محدود نہیں بلکہ انہیں دیکھنا اور خلوت میں بیٹھنا اور اُن کے ساتھ سفر میں جانا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ: وُہ رشتے جو رضاع سے ثابت ہُوتے ہیں ان کے ساتھ تنہا سفر کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: وُہ عورتیں کہ جن سے مصاہرت کے لحاظ سے رشتہ داری قائم ہُوئی ہے اُن میں نوجوان عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا اور اُن کے ساتھ اکیلا سفر کرنا ناجائز ہے۔

(۴) دائمی حرمت ہر حرام کردہ عورت میں مشارکت نہیں رکھتی۔ مثلاً جس عورت سے لعان کیا گیا ہے پھر وُہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہے اسی طرح وہ مرد جو شہادت کی اہلیت سے خارج ہو جائے تو اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وُہ عورت جو مجوسیہ ہے یا یہودیہ یا نصرانیہ، تو اس کے مسلمان ہونے کے بعد

اُس سے نکاح جائز ہے۔

اسی طرح وہ عورت جسے تین طلاقیں دی گئی ہیں حلالہ کے بعد اس کا شوہر ثانی طلاق دے دے تو بھی اس سے نکاح جائز ہے۔

اسی طرح وُہ عورت جسے شوہر نے طلاق دے دی ہے یا وُہ طلاق یا وفات کی عدّت گزار رہی ہے یہ تمام عورتیں غیر مرد کے لیے دائمی طور پر حرام تھیں لیکن وجوہ مذکور کی بنا پر پھر حلال ہوگئیں۔

مسئلہ : وجوہ مذکورہ سے پہلے غیر محرم کو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ تنہائی میں اس کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے اور نہ اکیلا سفر کر سکتا ہے۔

مسئلہ : ان کے غلام مسائل مذکورہ میں اجنبی (غیر مرد) کی طرح ہیں۔ یہی فقہا کا معتمد علیہ قول ہے۔

مسئلہ : زوج مذکورہ (یعنی دیکھنا اور خلوت میں بیٹھنا اور سفر پر جانا) میں محرم (قریبی رشتہ دار) کی طرح ہے۔

مسئلہ : ثقہ (معتبر، متقیہ، پرہیزگار) عورتیں سفر کے لیے شوہر اور محرم کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔

مسئلہ : آزاد ہونے میں تمام قریبی رشتہ دار برابر ہیں جبکہ ایک قریبی رشتہ دار دوسرے قریبی رشتہ دار کا مالک ہوگا تو وہ رشتہ دار فوراً آزاد ہو جائے گا۔ اس میں اصول و فروع کی کوئی تخصیص نہیں۔

مسئلہ : ایک رشتہ دار اگر عاجز و مسکین اور فقیر و محتاج ہو تو اس کے قریبی رشتہ دار پر اس کا خرچہ دینا واجب ہے۔ لیکن یاد رہے یہ مسائل صرف نسبی رشتہ داری سے متعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رضاعی ابن العم و الاخ (چچا اور بھائی کا لڑکا) نہ آزاد ہوں گے اور نہ ہی ان کا خرچہ دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ : قریبی رشتہ دار میّت کو غسل دے۔

مسئلہ : چھوٹے بچے کو اپنے بڑے رشتہ دار سے بیع و فروخت اور ہبہ کے وقت جُدا نہ کیا جائے۔ صرف دس مسائل میں تفریق جائز ہے اُن کی تفصیل کُتبِ فقہ میں ہے۔

مسئلہ : قریبی رشتہ دار یعنی محرم کو کوئی شے ہبہ کی جائے تو پھر ہبہ میں رجوع ناجائز ہے۔

قاعدہ چند ایک مسائل ہیں جو صرف اصول و فروع سے مخصوص ہیں :

(۱) اصول و فروع میں سے کسی نے کسی دُوسرے کی چوری کر لی ہے تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

(۲) ایک کا دوسرے پر مقدمہ ہو تو اس کا کوئی فیصلہ نہیں بلکہ ان کا باہمی سمجھوتہ کافی ہے۔

(۳) ایک دُوسرے کے گواہ نہیں بن سکتے۔

(۴) ایک دوسرے کی موطوہ ان پر حرام ہے اگرچہ بطور زنا کے بھی ہو۔

(۵) ایک دوسرے کی منکوحہ ان پر حرام ہے اگرچہ ان کا صرف عقد ہو چکا ہے اور دخول تک نوبت بھی نہ پہنچی ہو۔

(۶) ایک دُوسرے کے لیے وصیّت جاری نہیں ہو سکتی۔

قاعدہ چند ایک مسائل ایسے ہیں جو صرف اصول سے متعلق ہیں،

(۱) اپنے اصول کو قتل کرنا حرام ہے اگرچہ وہ حربی ہو۔ ہاں اپنے نفس سے دفعیہ مطلوب ہو یا اسے خطرہ ہو کہ اگر یہ زندہ لوٹ گیا تو اس کا نتیجہ بُرا نکلے گا، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اُسے کوئی دُوسرا قتل کرے۔

مسئلہ: اصول کو اپنے فروع حربی کو قتل کرنا جائز ہے، جیسے دوسرے حربی رشتہ داروں کو قتل کرنا جائز ہے۔

(۲) فروع کے قصاص میں اصل کو قتل نہ کرنا چاہیے، البتہ فروع کو اصول کے قصاص میں قتل کرنا جائز ہے۔

(۳) فروع پر بہتان باندھنے پر اصول کو سزا نہیں دی جاتی۔ البتہ فروع کو اگر اصول پر بہتان باندھے تو سزا دی جاسکتی ہے۔

(۴) فروع کو اصول کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

(۵) اصول (آباؤ اجداد) اپنے فروع (ابناء وغیرہ) کی لونڈی کی اولاد پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے تو اُن کا دعویٰ حق اور وہ اولاد اصول کے لیے ثابت ہوگی۔

مسئلہ: مسائل مذکورہ میں جد (باپ کا باپ یعنی دادا) باپ کی طرح ہے جب باپ زندہ نہ ہو۔

(۶) فروع (بیٹے، پوتے وغیرہ) اگر اپنے اصول (باپ، دادا) کی لونڈی کی اولاد پر ملکیت کا دعویٰ کریں تو اُن کا یہ دعویٰ بیکار ہے۔ اس سے نسب ثابت نہ ہوگا۔ لیکن اگر اصول (باپ، دادا) اپنے فروع کے ایسے دعوے کی تصدیق کریں تو اصول (باپ دادا) کی تصدیق کی وجہ سے فروع کا ان لونڈیوں کی اولاد میں نسب ثابت ہو جائے گا۔

(۷) فروع کو اصول کی اجازت کے بغیر جہاد پہ جانا ناجائز ہے البتہ اصول کو جہاد کے لیے فروع سے اجازت کی ضرورت نہیں۔

(۸) فروع کی اصول کی اجازت کے بغیر سفر پہ جانا ناجائز ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ وُہ سفر جانکاہ ہو۔

مسئلہ: یہ اس وقت ہے جبکہ اولاد باریش ہو۔ اگر بے ریش ہو تو اسے ہر سفر کے لیے باپ دادا سے اجازت لینا ضروری ہے۔

(۹) عین نماز میں اگر والدین میں سے کوئی ایک بلائے تو نماز توڑ کر ان کے حکم کی تعمیل کرے بشرطیکہ اسے یقین ہو کہ واقعی اسے ماں باپ سخت ضرورت کے تحت بُلا رہے ہیں، اگر وُہ نہ گیا تو انہیں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ: فقیر (صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ مسئلہ مذکورہ کے متعلق مَیں نے دادا، دادی، نانا، نانی کی کوئی تصریح نہیں دیکھی۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ حضرات اس مسئلہ میں والدین میں شامل ہیں۔

(۱۰) ماں باپ کی اجازت کے بغیر فروع کو حج پہ جانا ناجائز ہے بشرطیکہ والدین کو اس کی خدمت کی اشد ضرورت ہو کہ اس کی خدمت کے بغیر انہیں سخت تکلیف ہوگی۔

(۱۱) اصول کو اپنے فروع کے آداب سکھانا ضروری ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صرف والد تک محدود نہیں بلکہ ماں اور دادا، دادی، نانا، نانی بھی آداب سکھا سکتے ہیں۔ فروع دین کے لحاظ سے اصول کے تابع سمجھے جاتے ہیں۔

(۱۲) فروع کے قرضہ جات وصول کرنے کے لیے اصول کو قید نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح دادی اور نانی کا یہی حکم ہے۔

قاعدہ یہ چند مسائل صرف باپ اور حقیقی دادا سے مخصوص ہیں:

(۱) مالِ صغیر کی ولایت صرف باپ دادا کو حاصل ہے۔ صغیر کے مال کی ولایت ماں کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں، البتہ حفاظت ضرور کرے۔

(۲) جو اشیاء نہایت ضروری ہیں وہ بھی صرف باپ دادا خرید سکتے ہیں۔

(۳) عقد میں جانبین کا متولی صرف باپ دادا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً والد اپنے بیٹے کا مال خود خریدے یا خود ایجاب و قبول کرے اور اس میں غبن فاحش نہ ہو۔ یعنی اس کی جائز قیمت لگاتا ہے تو بیع منعقد ہو جائے گی۔ یعنی یہ بیع جائز ہے۔

(۴) باپ دادا قبل بلوغ عقد نکاح کر دیں تو بعد بلوغ کسی قسم کا اختیار نہیں۔

مسئلہ: قبل بلوغ عقد نکاح کی ولایت باپ دادا سے مخصوص نہیں۔ مثلاً صغیر اور صغیرہ کے عقد نکاح کا دوسرے اقرباء بھی ولایت کا حق رکھتے ہیں خواہ اقرباء عصبہ ہوں یا ذوی الارحام۔ (اس کا فیصلہ الاقرب فالاقرب پر ہوگا)

مسئلہ: جنازہ کی نماز کی اجازت بھی باپ دادا تک محدود نہیں بلکہ گزشتہ تقریر کے مطابق تمام اقرباء اجازت کا حق رکھتے ہیں۔ اس میں اقرب فالاقرب کا سلسلہ جاری ہوگا۔

مسئلہ: ملتقط (کتاب) میں ہے کہ یہ تصرفات صرف مسائلِ نکاح سے متعلق نہیں۔ بلکہ اگر کوئی استاد کسی لڑکے کو اس کے والد کی اجازت سے مارتا ہے اور استاد کے مارنے سے وہ لڑکا مر جاتا ہے تو استاد سے ضمانت وصول نہیں کی جائے گی۔ ہاں اس وقت اس پر ضمانت ہے جبکہ وہ عرف کے خلاف حد سے متجاوز ہو کر سزا دے۔

مسئلہ: اگر کوئی استاد ماں کی اجازت سے بچے کو مارتا پیٹتا ہے اور بچہ مر جاتا ہے تو اس استاد پر ضمانت ہوگی، اگرچہ استاد تھوڑا مارے یا زیادہ۔ (کیونکہ ماں کی اجازت غیر معتبر ہے)

مسئلہ: باپ کا دادا حقیقی دادا کے حکم میں ہے جبکہ باپ موجود نہ ہو۔ وہ بھی صرف بارہ مسائل ہیں، ان کی تفصیل کتبِ فقہ میں ہے۔

قاعدہ نسب سے متعلق بارہ احکام مرتب ہوتے ہیں:

(۱) توریث المال

(۲) ولاء

(۳) کسی ایک کے لیے وصیت کا اجراء نہیں ہوگا جبکہ دوسرے ورثاء راضی نہ ہوں۔

مسئلہ: اسی طرح کسی ایک وارث کے لیے مرض الموت کے وقت قرضہ جات کے اقرار کا اجرا نہ ہوگا جبکہ دوسرے ورثا اس کی تکذیب کریں۔

(۴) دیت کی تقسیم وراثت کے حقداروں پر ہوگی جبکہ قاتل ادائیگی سے عاجز ہو۔

(۵) شادی و بیاہ کی ولایت

(۶) میت کے غسل کی ولایت

(۷) میت کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت

(۸) ولایتِ مال

(۹) ولایتِ پرورش اور تربیت

(۱۰) حدِ شرعی کا مطالبہ اور قصاص کا سقوط۔

یہ تمام مسائل اشباہ ونظائر سے لیے گئے ہیں اور ان میں بیش بہا فوائد کی وجہ سے میں نے یہاں لکھے ہیں ورنہ یہاں ان کے اندراج کی ضرورت نہیں تھی۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ اور وُہ جو تم میں پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی فرصت نہیں رکھتا۔

حلِ لغات من لم یستطع بمعنے من لم یجد ہے۔ یعنی وہ شخص جو فرصت نہیں پاتا۔ یہ محاورہ لا استطیع ان احج سے ہے۔ یعنی کسی کو حج کے لیے کہا جائے تو وُہ جواباً جملہ مذکور کہتا ہے کہ میرے پاس اتنی فرصت نہیں کہ میں حج پڑھ سکوں۔ منکم ترکیب میں حال ہے اور الطول بمعنے القدرۃ ہے۔ اور طولاً اس لیے منصوب ہے کہ وُہ یستطیع کا مفعول بہ ہے۔ اور ان ینکح بھی محلاً منصوب ہے کہ وہ قدرۃ کا مفعول ہے۔ المحصنٰت سے (آزاد) عورتیں مراد ہیں جیسا کہ اس کے بالمقابل مملوک (لونڈیوں) کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے اور آزاد عورت کو محصنہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی آزادی (حرہ ہونے) نے اسے ملوکیت (لونڈی بننے) کی ذلت وخواری اور دیگر اُن صفاتِ ملوکیت سے بچا لیا ہے کہ جن میں قصور اور نقصان کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم میں سے جو بھی طاقت نہیں رکھتا کہ جس سے وُہ (آزاد) مسلمان عورت سے نکاح کر سکے۔ **فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** پس اس سے کہ جن کے تمہارے سیدھے ہاتھ مالک ہیں۔ یعنی پھر جس عورت (آزاد) یا لونڈی سے نکاح کرلے یعنی تمہیں جائز طریق سے جیسی عورت میسر آئے اُسی سے نکاح کر لو **مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ** تمہاری نوجوان مومن عورتوں سے۔ یہ ملکیت ضمیر مقدر سے حال ہے اور ضمیر مما ملکت کے ما کی طرف راجع ہے۔ یعنی تمہاری وُہ لونڈیاں جو مسلمان ہیں۔

ف : فتاۃ نوجوان عورت، اور فتاء (بالمد) نوجوان مرد ۔ فتاۃ لونڈی، اور فتیٰ عبد (غلام) کو کہتے ہیں اگرچہ سن میں بڑے ہوں ۔ وہ اس لیے کہ ان کی مملوکیت کی وجہ سے عزت و وقار میں کمی ہوتی ہے ان کے ساتھ چھوٹی عمر کے لوگوں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے ۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے ۔ یعنی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مانوس ہونے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے ۔ یعنی تمہارے عبد اور تمہاری لونڈیوں کے متعلق اسلامی شعور کی تفصیل کو وہی جانتا ہے ۔ بسا اوقات اسلامی معاملات لونڈیوں میں بہ نسبت حرّہ (آزاد عورت) کے زیادہ اچھے ہوتے ہیں ۔ اسی طرح بعض اوقات عورتوں میں مردوں سے اسلامی طور و اطوار زیادہ بہتر ہوتے ہیں ۔

سبق : انسان کو چاہیے کہ نکاح کے معاملات میں حسب و نسب کا متلاشی نہ رہے بلکہ اسلام و ایمان والی عورتوں کو ترجیح دے ۔

بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ بعض تمہارے بعض سے ہیں کہ تم نسب میں سب برابر ہو اس لیے کہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور تمہارا ایک دین اسلام ہے ۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے : ؎

الناس من جھۃ التمثال اکفاء
ابوھم آدم و الام حواء

ترجمہ : لوگ جسمانی طور پر سب کے سب برابر ہیں اس لیے کہ ان کا باپ آدم اور ماں حوا علیہما السلام ہیں ۔

تمہارے اور تمہارے مملوکوں (لونڈے اور لونڈیوں) کے مابین ایمانی ، دینی اور اسلامی بھائی چارہ ہے ۔ آزاد کو عبد (لونڈے) پر اگر کچھ فضیلت ہے تو دینی و اسلامی امور کے لحاظ سے ۔ ورنہ دونوں برابر ہیں ۔

فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ پس ان سے نکاح کرو لیکن اُن کے اہل سے اجازت لے کر یعنی جب ان میں اچھا معاملہ دیکھو اور ارادہ کر چکو کہ ان سے نکاح کرنا ہے تو بے شک اُن سے نکاح کرو لیکن اُن کے اہل سے اجازت لے لو اور ان سے نکاح کرنے میں نفرت بھی نہ کرو ۔

مسئلہ : لونڈیوں کے مالک سے صرف اجازت کی شرط لگانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی اجازت کے بعد اگر وہ نکاح خود بخود کرلیں تو جائز ہے ۔

وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور بلا تاخیر انھیں ان کا حق مہر ادا کرو یعنی دُکھ اور تکلیف پہنچائے بغیر ان کا حق مہر دے دو اور اُن کے لیے ایسی تنگی پیدا نہ کرو کہ وہ عاجز ہو کر مہر فدیہ کے طور

دینے پر مجبور ہو جائیں مُحْصَنٰتٍ یہ فانکحوھن کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی ان سے نکاح کرو درآنحالیکہ اُن کا دامن زنا سے پاک ہو غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ یہ مؤکدہ ہے یعنی وہ کھلم کھلا زنا نہ کرنے والی نہ ہوں۔

حلِ لغات المسافح زانی کو کہتے ہیں۔ دراصل اسفاح معنے گرانا ہے۔ چونکہ زنا سے بھی منی گرانا مطلوب ہوتا ہے اسی لیے زانی کو "مسافح" کہتے ہیں۔

وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ

حلِ لغات اَخدان، خدن کی جمع ہے۔ وہ جو پوشیدہ طور پر دوستی کا دم بھرے۔ جمع کا صیغہ مقابلہ کے لیے ہے بطور انقسام کے۔

یعنی ان میں سے ہر ایک کے لیے لائق نہیں کہ اُن میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ دوست بنائے۔ یہ معنی نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے لیے بہت سے دوست نہ ہوں، اگر ایک دو ہوں تو کوئی حرج نہیں (معاذ اللہ)۔ یعنی نہ وہ ان سے کھلم کھلا دوست بنائیں نہ پوشیدہ طور پر۔

ف ؛ جاہلیت کے زمانے میں زنا دو طریقوں سے ہوتا ؛

(۱) بطریقِ سفاح، یعنی جو شخص کسی عورت سے زنا کی رغبت کرتا تو اُسے اجر و مزدوری دے کر زنا کرتا۔

(۲) بطریقِ مخادنت، یعنی کسی مخصوص دوست سے زنا کرنا۔

پہلے طریق میں کھلم کھلا زنا ہوتا، دوسرے طریقے میں پوشیدہ طور پر۔ اسے وہ اپنی اصطلاح میں زنا میں بھی شمار نہ کرتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ بیان فرما کر واضح طور پر فرمایا کہ یہ دونوں ہر طرح سے زنا ہیں اور دونوں حرام ہیں۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ پس وہ شادی کرنے سے باشوہر ہو جائیں فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ پس اگر وہ بُرائی لائیں یعنی اگر وہ برائی کا ارتکاب کریں۔ فاحشہ سے زنا مراد ہے۔ فَعَلَيْهِنَّ پس اُن پر شرعاً ثابت ہے نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ باکرہ آزاد پر جو سزا مقرر ہے اس کی آدھی سزا مِنَ الْعَذَابِ عذاب میں سے۔ یعنی اصل سزا ایک سو دُرہ ہے، عبد (غلام) کی سزا شادی سے پہلے پچاس دُرے ہے۔

مسئلہ ؛ لونڈی کی آدھی سزا ہے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا نہ۔ بخلاف آزاد عورت کے کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو سو دُرے ورنہ پچاس۔

مسئلہ ؛ لونڈیوں کو سنگسار نہیں کیا جاتا اس لیے کہ سنگساری کو نصف نہیں کیا جا سکتا۔

سوال ؛ غلام کی سزا کو لونڈی کی سزا پر کیوں قیاس کیا گیا ہے ؟

جواب ؛ ان دونوں میں علت جامعہ (یعنی مملوکیت) ہے۔

مسئلہ: الاحصان شریعت میں جو عاقل بالغ ہو اور نکاح شرعی اصول کے مطابق کر چکا ہو اور وہ مسلمان بھی ہو۔ لیکن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسلمان ہونا شرط نہیں۔

ذٰلِكَ اور یہ فرصت نہ ہونا وہ لونڈیوں کا نکاح ہے لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں تم میں سے زنا کا خطرہ ہے۔

حلِ لغات العنت بمعنے ہڈیوں کی صحت وسلامتی کے باوجود انہیں توڑنا۔ اب ہر بڑی سے بڑی مشقت اور تکلیف کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے کہ اسے افحش القباح سے موافقت ہے۔ اسی لئے اسے زنا سے موسوم کیا جاتا ہے کہ زنا دنیا میں حدِ شرعی اور آخرت میں بہت سخت اور بڑی سزا کی مشقتوں کا سبب ہے۔

وَاَنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم صبر کرو۔ یعنی ان سے نکاح نہ کرنے میں پاک دامن ہو کر اور نفسوں کو اُن کی خواہشات پُوری کرنے سے روک کر صبر کرنا خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لیے بہتر ہے اُن سے نکاح کرنے سے۔ اگرچہ اس سے پہلے رخصت دی جا چکی ہے۔

لونڈی سے نکاح کی خرابیاں لونڈیوں سے جو بچے پیدا ہوں گے انہیں مملوکیت کی عار دی جائے گی۔ علاوہ ازیں لونڈیوں میں مَولیٰ کے حقوق کی ادائیگی شوہر کے لیے خالص نہیں ہونے دیتے۔ جیسے آزاد عورتیں صرف اور صرف اپنے شوہروں کی ہوتی ہیں۔ پھر مُولیٰ کی مرضی کہ اپنی لونڈی سے ہر طرح خدمت لے۔ سفر وحضر کا اُس کے لیے کوئی فرق نہیں ہوتا اور مولیٰ جہاں چاہے اپنی لونڈی کو بیچ سکتا ہے، خواہ وُہ اسے دیہات میں بیچ ڈالے یا شہر میں۔ یہ وُہ اسباب ہیں کہ جن سے لونڈی کے شوہر اور اس کی اولاد کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں مزید خرابی یہ ہے کہ لونڈیاں ہمیشہ ذلیل وخوار اور دوسروں کی دست نگر اور علی الدوام اپنے مالکوں کے سامنے سر خم رکھتی ہیں۔ یہی وُہ اسباب ہیں جن سے لونڈی کی ذلت وخواری کی انتہائی حیثیت سمجھی جاتی ہے اور یہی ذلّت وخواری اس کے شوہر میں بھی سرایت کرتی ہے حالانکہ مومن کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ باعزت و باوقار رہے۔ پھر ایک خرابی یہ بھی ہے کہ لونڈی کے حق مہر کا مالک اس کا مُولیٰ ہوگا۔ نہ وُہ خود اپنے حق مہر پر تصرف کی مالک ہے اور نہ شوہر کو ہبہ کر سکتی ہے۔ اس طرح سے گھر کا نظم ونسق متزلزل رہے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آزاد عورتیں گھر کو آباد کرتی ہیں اور لونڈیاں گھر کو اُجاڑتی اور برباد کرتی ہیں"۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لیے غفور رہے جو مصائب وتکالیف پر صبر کرتا ہے۔ رَّحِيْمٌ رحیم ہے کہ بندوں کو آسان امور کے لیے رخصت دیتا ہے اور ہر معاملہ میں توسیع فرماتا ہے۔

مثلاً آزاد عورت سے نکاح کرنے پر فرصت کے باوجود لونڈی سے نکاح جائز ہے۔

مسئلہ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اُس وقت لونڈی سے نکاح جائز ہے جب آزاد عورت سے نکاح کرنے کی فرصت ہو۔ احناف کے نزدیک جائز ہے جب تک کہ اُسے حُرّہ (آزاد عورت) میسر نہ آئے۔

خلاصہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے آیت کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور فرمایا ہے: لونڈی سے نکاح کرنے کی تین شرطیں ہیں، دو مرد نکاح کرنے والے کے لیے اور ایک لونڈی منکوحہ کے لیے۔

مرد کے لیے: (۱) آزاد عورت سے نکاح کی فرصت نہ ہو۔

(۲) زنا کا سخت خوف ہو۔

(۳) لونڈی کے لیے: وُہ مومنہ ہو۔ نہ کافرہ ہو نہ کتابیہ۔

ف: حضرت امام ابُوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلا شرط ہر لونڈی سے نکاح جائز ہے۔ حضرت امام اعظم قدس سرہٗ نے عدم طول الحرہ کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ مرد کے نکاح میں آزاد عورت نہ ہو۔ یعنی لونڈی سے نکاح اس وقت کر سکتا ہے جب کہ اس کے نکاح میں پہلے آزاد عورت نہ ہو۔ آیت میں لفظ نکاح کا وطی پر محمول کیا ہے اور من فتیٰتکم المؤمنٰت میں مومن عورتوں سے نکاح کرنے کو افضلیت پر محمول کیا ہے۔ یعنی اے مومنو! تمہیں کتابیہ لونڈیوں کے بجائے مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرنا چاہیے یہی افضل ہے۔ یُوں کتابیہ لونڈیوں سے نکاح مباح فرمایا گیا ہے۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ یہ صفت حرائر (آزاد) میں بھی استعمال ہُوئی ہے۔ فلہٰذا جبکہ حرائر کتابیہ سے نکاح جائز ہے تو کتابیہ لونڈیوں سے بطریق اُولیٰ جائز ہے۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ فتیٰتکم المؤمنٰت میں مُومنات لونڈیوں سے نکاح کی اباحت کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کتابیہ لونڈیوں سے نکاح حرام ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ لونڈی سے نکاح ہر امیر و غریب کر سکتا ہے، وہ لونڈی مومنہ ہو یا کتابیہ۔ یعنی یہودیہ ہو یا نصرانیہ۔

نکاح کے قواعد نکاح انبیاء علیہم السلام کی سُنّت اور مخلصین اولیاء کا اچّھا طریقہ ہے لیکن بوجہ مختلف احوال اور مختلف لوگوں کے کئی قسم ہے:

(۱) واجب یہ اس کے لیے ہے جس پر شہوت سوار ہو۔

(۲) مستحب اس کے لیے ہے کہ جس کی طبیعت علیٰ حد الاعتدال ہو۔

(۳) مکروہ اس کے لیے ہے جو جماع پر قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی اپنی عورت کو خرچ دے سکتا ہے۔

مسئلہ: کتاب شُرعۃ اور اس کی شرح میں ہے کہ مرد کو چاہیے کہ نیک خصال عورت سے نکاح کرنے کی

کوشش کرے۔ اس لیے کہ نیک عورت انسان کے لیے دُنیا کا بہترین سرمایہ ہے کیونکہ اسی کے ذریعے سے گھریلو معاملات میں فراغت قلبی حاصل ہوتی ہے۔ کھانا پکانے، گھر صاف رکھنے، بستر وغیرہ بچھانے اور درست کرنے، برتن وغیرہ صاف ستھرے کرنے اور دیگر گھریلو اسباب تیار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ انسان کو اگرچہ خواہشاتِ نفسانی کا غلبہ نہ بھی ہو تب بھی عورت کے بغیر گھریلو امور انسان کی زندگی کو دُوبھر کردیتے ہیں۔ کیونکہ اگر گھریلو معاملات کی طرف متوجہ ہوگا تو تضییعِ اوقات ہوگی جس سے نہ کوئی علمی کام ہوسکے گا اور نہ ہی علمی امور طے ہوسکیں گے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ نیک بخت اور نیک خُو عورت دینی امور میں مرد کی بہت مددگار ہے۔ یُوں مرد کی علمی وعملی کوتاہیوں سے قلب کو اطمینان حاصل ہوگا، مشاغل بڑھ جائیں گے اور عیش وعشرت میں اضافہ ہوجائے گا۔

ف: حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نیک خُو عورت دُنیا کے اسباب سے نہیں بلکہ وُہ آخرت کے بہترین سرمایہ سے ہے جو انسان کو امورِ آخرت میں مدد دیتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی نوّر اللہ مرقدہٗ نے فرمایا: ؎

زن خوب فرمان بر پارسا
کند مرد درویش را بادشاہ
سفر عید باشد بر آں کتخدائے
کہ یارے زشتش بود در سرائے

ترجمہ: حسین فرمانبردار پرہیزگار بیوی مردِ درویش کو شہنشاہ بنادیتی ہے اس شخص کو سفر عید کا چاند محسوس ہوتا ہے جس کے گھر میں خوش شکل اور باعمل ہو۔

قاعدہ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ باکرہ سے نکاح بہتر ہے اس لیے کہ وہ صرف زوج کی ہے اور ثیّب (شادی شدہ) کی اگر اولاد نہیں تو وُہ آدھی زوج کی ہے۔ اگر اس کی اولاد ہے تو تمام کی تمام اپنے زوج کے غیر کی، یعنی اولاد کی کہ وُہ کھاتی تو زوج سے ہے لیکن اُسے محبّت اولاد سے ہے۔

مسئلہ: لونڈی سے نکاح اگرچہ جائز ہے لیکن عزیمت نہ کرنے میں ہے اور شرعاً عزیمت پر عمل کرنا اولیٰ ہوتا ہے نیز اس میں صبر کرنا ہوگا اور صبر بلندیٔ درجات میں ترقی ہوتی ہے۔

حدیث شریف: قیامت میں سب سے زیادہ شکرگزار بندے کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شکرگزار بندوں جیسی جزا دے کر روانہ فرمادے گا۔ پھر اس کے بعد سب سے زیادہ صبر کرنے والے بندے کو لایا جائے گا اسے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تُو اس پر راضی ہے کہ میں تجھے شکرگزار لوگوں جیسی جزا عطا فرماؤں؟

عرض کرے گا، یا اللہ! میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ایسے نہیں ہوسکتا اس لیے کہ میں نے تجھے نعمتیں عطا کیں تو تُو نے صبر کیا۔ اس بنا پر میں تیرا اجر دُگنا کروں گا۔ پھر وُہ بندہ شکرگزار لوگوں سے کئی گُنا زائد اجر پائے گا۔ کبھی کبھار بندہ دو فضیلتیں پا جاتا ہے:

۱۔ صبر کی وجہ سے
۲۔ شکر کی وجہ سے

مثلاً تکالیف پر نفس کو صبر دلاتا ہے۔ اس کے بعد اسے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شکر کرتا ہے۔ اسی لیے اُسے دو فضیلتیں نصیب ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر و شکر کے حقائق نصیب فرمائے۔ آمین! ؎

نعمتِ حق شمار و شکر گزار
نعمتش را اگرچہ نیست شمار
شکر باشد کلید گنج مزید
گنج خواہی منہ ز دست کلید

ترجمہ: حق تعالیٰ پر غور کر کے ان کا شکر بجا لا اگرچہ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں ہوسکتا۔ شکر بہت بڑے خزانے کی چابی ہے۔ اگر تُو خزانے کا خواہشمند ہے تو چابی ہاتھ سے نہ چھوڑ۔

صبر کے بارے میں کسی نے کیا خُوب فرمایا ہے: ؎

چوں بمانی بستہ در بند حرج
صبر کن کہ الصبر مفتاح الفرج
صبر کن حافظ بسختی روز و شب
عاقبت رُوزے بیابی کام را

ترجمہ: اگر تُو اخراجات میں مبتلا ہے تو صبر کر، اس لیے کہ صبر کشادگی کی چابی ہے۔ اے حافظ! دن رات (ہر وقت) صبر کر، بالآخر ایک دن تُو مراد پالے گا۔

تفسیر صُوفیانہ

اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں کے لیے وسیع تر ہے کہ اس کا شمار نہیں۔ اس لیے فرمایا: غفور رحیم۔ منجملہ اس کی رحمت کے ایک یہ ہے کہ اسلاف کے بہترین راستے بیان فرمائے تاکہ اس کے بندے اُن راستوں پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچیں۔

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ
أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ۝ يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ۝
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً
عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَن يَفْعَلْ
ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ إِن
تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا ۝
وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ
نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝
وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ
فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيدًا ۝ ع

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لیے بیان کرے اور تمہیں اگلوں کی روشیں بتا دے اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائے اور اللہ علم وحکمت والا ہے اور اللہ تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمانا چاہتا ہے اور جو اپنے مزوں کے پیچھے پڑے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے الگ ہو جاؤ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے اور جو ظلم زیادتی سے ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ اور اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ہم نے سب کے لیے مال کے مستحق بنا دیے ہیں جو کچھ چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے اور وہ جن سے تمہارا حلف بندھ چکا انہیں ان کا حصہ دو بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

تفسیر عالمانہ یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمۡ ۔ لکم کی لام زایدہ ہے۔ استقبال کی تاکید کے لیے ہے، جو ارادہ کے معنی کو لازم ہے۔ اور یبیّن کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے وہ امور بیان کرتا ہے جو تم سے مخفی ہیں۔ یعنی تمہاری وُہ مصلحتیں اور تمہارے وہ بہترین اعمال جنہیں تم نہیں جانتے ہو یا وہ عبادتیں حلال و حرام سے کہ جن کا تمہیں علم نہیں وَیَہۡدِیَکُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ اور تمہیں ان لوگوں کے راستوں کی ہدایت فرماتا ہے جو تم سے پہلے ہیں الذین سے انبیاء و اولیاء کرام علیٰ نبیّنا وعلیہم السلام مراد ہیں یعنی ان کے راستے بتاتا ہے تاکہ ان کی اقتدا کرو وَیَتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ اور وہ تمہاری توبہ قبول کرتا ہے۔ یعنی تمہارے گناہ معاف کرکے تمہیں توبہ اور نیکی کی توفیق بخشتا ہے۔ یعنی جن غلطیوں پر تم تھے ان سے ہٹا کر نیکی کی راہ دکھاتا ہے۔ یہ خطاب تمام مکلفین کو نہیں اس لیے کہ ان میں سے بعض توبہ نہیں کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف ہوگا اور یہ محال ہے بلکہ اس سے مراد ایک مخصوص گروہ ہے۔ یعنی وُہ لوگ جنہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ اور اللہ تعالیٰ تمہیں خُوب جانتا ہے حَکِیۡمٌ ○ تمہارے جن امور کا ارادہ کرتا ہے اُن کی حکمتوں کو خُوب جانتا ہے وَاللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ وُہ تمہاری توبہ قبول فرمائے۔

سوال: اس میں گزشتہ مضمون کا تکرار ہے۔

جواب: اس آیت میں بندوں کے لیے جن امور کا ارادہ کرتا ہے اس کے کمال منفعت کو بیان کیا گیا ہے اور وُہ فاجر و فاسق لوگ جو توبہ نہیں کرتے اُن کے نقصان کا اظہار مطلوب ہے اور آیت اوّل میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کی قبولیت کا ارادہ کرتا ہے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ اس میں تکرار نہیں۔

(بقیہ ص ۱۷)

کریم العفو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کریم العفو۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو معلوم ہے کریم العفو کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: کریم العفو وہ ہے جو بندوں کے گناہ اپنے فضل و کرم سے معاف کرکے اپنی رحمتِ واسعہ سے نیکیوں میں بدل دے۔

حضرت جلال الدین رومی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

توبہ آید و خدا توبہ پذیر ۔۔۔ امراو گیرید او نعم الامیر

سیآت ترا مبدل کردحق ۔۔۔ تا ہمہ طاعت شوَد آں ماسبق

ترجمہ: توبہ کرو اس لیے کہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس کا حکم بجا لاؤ اس لیے کہ وُہ بہتر حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ برائیوں کو نیکی میں تبدیل کرتا ہے تم بھی توبہ کرو تاکہ تمہارے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہوں۔

وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اور وہ لوگ جو شہوات کے تابع دار ہیں وہ ارادہ کرتے ہیں۔ ان سے فاسق و فاجر مراد ہیں کہ شہوات کے تابع ہو کر اس کام میں جُتتے رہتے ہیں۔

مسئلہ: ہر وُہ شخص جو مشتبہات پر شرعی جواز کے مطابق عمل کرتا ہے تو وُہ شرع کے حکم پر جواز کا مرتکب ہوگا نہ کہ شہوات کا تابع سمجھا جائے گا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے مجوسی مراد ہیں کہ وُہ پدری بہنوں، بھتیجوں اور بھانجیوں سے نکاح جائز سمجھتے ہیں۔

شانِ نزول جب اللہ تعالیٰ نے ان کو محرمات میں شامل فرمایا تو انہوں نے کہا کہ اگر پھوپھی اور خالہ کی لڑکیوں سے نکاح جائز ہے (حالانکہ تمہارے اوپر پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہیں) تو ہم حکم دیتے ہیں کہ تم بھانجیوں اور بھتیجیوں سے نکاح کرو۔ اُن کے ردّ میں یہ آیت اُتری۔

اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا۝ یہ کہ تم شہوات کے تابع ہو کر اُن کی موافقت کرکے اور محرمات کو حلال سمجھ کر میانہ روی اور حق سے ہٹ کر ان کی طرح زانی نہ ہو جاؤ۔ میلاً عظیماً یعنی پورے طور ہٹ جانا بہ نسبت اس کے کہ وہ حرام سمجھ کر نہیں بلکہ کبھی کبھی کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہلکا کرے وہ جو بہت بڑی مشقتیں اور تکالیف تمہارے ذمے ہیں اسی لیے تمہیں شریعتِ حنیفیہ واضح اور آسان عنایت فرمائی ہے اور بہت سی تنگیوں سے نجات دے کر آسانی کی رخصت عطا فرمائی ہے مثلاً لونڈیوں سے نکاح کرنا وغیرہ وغیرہ۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۝ اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے کہ وُہ اپنی خواہشات کی مخالفت سے عاجز ہے اور نہ ہی شہوات کے اسباب اور ان کے قویٰ سے مقابلہ کی طاقت رکھتا ہے۔ غرضیکہ وُہ خواہشاتِ نفسانیہ کی اتباع میں صبر نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی طاقتوں کو طاعات کی مشقتوں پر صرف کر سکتا ہے۔

ف: حضرت امام کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہوات سے مراد عورتیں ہیں۔

حکایت ۱ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شیطان ابنِ آدم کو عورتوں کی فرج سے گمراہ کرتا ہے۔ (خود فرماتے ہیں) مجھے اسی سال اسی میں گزرے کہ میری ایک آنکھ تو نہیں لیکن دوسری آنکھ کے غلط اشارے سے خوفزدہ ہوں اور مجھے اپنے نفس پر صرف عورتوں کے فتنے سے خطرہ ہے۔

حکایت ۲ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے اللہ تعالیٰ! مجھے زنا اور چوری سے بچانا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ تو اس وقت بوڑھے ہیں اور آپ کو صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بھی حاصل ہے تو آپ کو زنا اور چوری کا کیا خطرہ؟ آپ نے فرمایا: مجھے اپنے نفس پر کیسے اطمینان ہو جبکہ اس کا ساتھی شیطان بھی زندہ ہے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

چہ جاۓ من کہ بلغزد شہپر شعبدہ باز
ازاں حیل کہ در انبانۂ بہانہ تست

ترجمہ: میری کیا مجال جبکہ بڑا شہپر شعبدہ باز بھی تیرے جال کے حیلوں بہانوں سے ڈگمگا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیات میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو چار نعمتوں کے ارادے سے نوازا،
(۱) بیان، کہ انہیں اپنی طرف سیدھے راستے کی دلالت فرمائی۔
(۲) ہدایت، کہ انہیں راستہ کے بیان کرنے کے بعد اپنی طرف کا سیدھا راستہ دکھایا۔
(۳) توبہ، کہ اپنی درگاہ تک معونتہ سے پہنچایا۔
(۴) تخفیف، کہ بہت مشقتوں اور تکلیفوں سے بچایا۔

ف: ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو اس خصوصیت (تخفیف) سے دو طرح سے نوازا،

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی درگاہ تک پہنچایا لیکن ان کو اجتہاد کی ضرورت پڑی، اگرچہ وہ بھی معونتِ الٰہی سے نصیب ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:

انی ذاھبٌ الیٰ ربی سیھدین۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی خود جانے کی خبر دی، اگرچہ ان کا جانا بھی معرفتِ ایزدی سے ہوا۔ کما قال:

ولما جآء لمیقاتنا۔

اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درگاہِ حق تک پہنچنے کے لیے فرمایا:

سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ۔

اگرچہ یہ بھی معونتِ ایزدی سے ہے لیکن ان کی بہ نسبت یہ آسان ہے۔ اور آپ کی اُمت کے لیے فرمایا:

سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتّٰی یتبیّن لھم انہ الحق۔ (اور آفاق ونفوس میں ہم انھیں اپنی آیات دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر حق واضح ہو۔)

اور یہ بھی معرفتِ الٰہی سے ہُوا کہ بندوں کو جذبات عنایت سے یہ دولت نصیب ہوتی۔

(۲) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو وصول ووصال سے مخصوص فرمایا اور پھر ان کو کلفتِ فراق و انقطاع سے بچالیا۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقامِ "قاب قوسین اَو ادنیٰ" سے وصول * اور "ماکذب الفؤاد ما رایٰ" سے وصال کا اظہار فرمایا۔ اور آپ تمام انبیاء علیہم السلام کو ساتوں آسمانوں تک چھوڑ کے آگے چلے گئے۔ چنانچہ شبِ معراج آپ نے آدم علیہ السلام کو پہلے آسمان میں اور حضرت ابراہیم

علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔ ان حضرات کا یہی کمالِ قُرب اور وصالِ الٰہی کا آخری مقام تھا۔ اور آپ کی اُمّت کے لیے فرمایا:

من تقرب الیّ شبراً تقربت الیہ ذراعاً۔

حدیثِ قدسی (جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہُوں)

یہی اُمت کا حقیقی وصول وصال ہے لیکن ولی اور نبی کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ وُہ یہ کہ نبی سیر الی اللہ اور وصول میں مستقل بنفسہٖ ہوتا ہے کہ اسے ہر مقام سے اس کی استعداد کامل کی وجہ سے حظِ کامل نصیب ہوتا ہے اور ولی کو اگر کچھ حاصل ہوتا ہے تو وُہ بھی نبی کی متابعت اور اس کی پیروی سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

(فرمائیے یہی میرا راستہ ہے میں تمہیں اللہ کے راستہ کی طرف بلاتا ہُوں بصیرت پر میں اور میرے تابعدار)

اسے بھی اسی استعداد کے مطابق کمال حاصل ہوتا ہے۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ سنّت کی رعایت کرے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ذریعے یہ مراتب و درجات حاصل کرے۔

حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارا مذہب کتاب وسنّت کا پابند ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے تمام راستے بند ہیں البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی سے وُہ راستے کھل جاتے ہیں ؎

گرت باید کہ بینی روئے ایمان

رُخ از آئینہ امرش مگرداں

ز شرعش سر مپیچ از ہیچ روئی

کہ ہمچوں شانہ میکردی بموئی

ترجمہ: اگر تُو روئے ایمان دیکھنا چاہتا ہے تو اس کے امر کے آئینے سے منہ نہ موڑ۔ کسی وقت بھی اس کی شریعت کے آئینہ سے منہ نہ پھیر۔ جیسے تُو بالوں کو کنگھا کرتا ہے تاکہ بال سیدھے رہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید	کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محالست سعدی کہ راہ صفا	تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

ترجمہ: پیمبر کے خلاف جس نے کوئی راستہ اختیار کیا وہ منزلِ مقصود تک ہرگز نہ پہنچے گا۔ اے سعدی!
یہ محال ہے کہ صاف راستہ پر حضور کی پیروی کے بغیر جایا جائے۔

فطرتِ انسانی کا تقاضا یہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا۔

(اللہ تعالیٰ کی فطرت جس پر انسان کو پیدا کیا)

اس لیے کہ وہ اُن سے محبت کرتا ہے اور انہیں چاہیے کہ وہ اس سے ہی محبت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے اس ضعف کی تعریف کی گئی۔ انسان کے ماسوا باقی تمام اشیا اللہ تعالیٰ کے بغیر صبر کر سکتی ہیں اس لیے کہ نہ اُن میں محبت ہے اور نہ وہ اس پر مجبور ہیں۔ محبت میں صرف انسان کو مخصوص کیا گیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ انسان اس ضعف سے کمال و سعادت میں ترقی کر سکتا ہے اور اسی سے نقصان و بدبختی بھی پاتا ہے اس لیے کہ وہ اس ضعف کی وجہ سے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اور ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ اس ضعف کی صفت سے صفات بہیمیہ (جانور) سے موصوف ہو کر کھاتا پیتا اور جماع کرتا ہے اور اسی صفت ضعف سے ملکی صفات پا کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تہلیل کرتا ہے۔ اور فرمانبرداری کرتا ہے تو اس سے اگر نافرمانی کرتا ہے تو بھی اسی سے۔ یہی تغیرات اس ضعف کی وجہ سے ہیں۔ اور یہ استعداد صرف انسان میں رکھی گئی ہے یہاں تک کہ فرشتوں کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی کہ وہ صفات بہیمیہ سے موصوف ہو کر کھا پی سکیں۔ اور نہ ہی جانوروں کی یہ صفت ہے کہ وہ ملکی اوصاف سے موصوف ہو سکیں کیونکہ انہیں صفت ضعفِ انسانی نصیب نہیں۔

سوال: یہ صفت (ضعف) انسان سے مخصوص کیوں ہے؟

جواب: تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف اور اس کے اوصاف سے موصوف ہوں۔ جیسا کہ

حدیث قدسی میں ہے:

"میں بادشاہ ہوں، حیّ (زندہ) ہوں۔ مجھ پر موت نہیں آتی۔ اے میرے بندو! تم میری اطاعت کرو میں تمہیں بادشاہ بنا دوں اور ہمیشہ کی زندگی عطا کروں کہ اس کے بعد پھر موت نہ ہو۔"

ف: اس مرتبہ کو حاصل کر کے بندہ خیر البریہ (اشرف المخلوقات) بنتا ہے۔ ہاں جب وہ اوصافِ بہیمیہ سے موصوف ہوتا ہے تو پھر اسے شر البریہ کہا جاتا ہے ؎

کے شوی انسان کامل

اے دل ناقص عقل

ترجمہ: اے دل ناقص عقل تو انسان کامل کب ہوگا!

تفسیر عالمانہ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اے ایمان والو! نہ کھاؤ (یعنی نہ لو)
سوال: لا تاکلوا کو لا تاخذوا سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: اس لیے کہ اموال سے انسان کا مقصود اعظم کھانا ہے پھر جب کھانا حرام ہے تو گویا اس کے جمیع تصرفات حرام ہیں۔

اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اپنے اموال آپس میں باطل کر کے یعنی نامشروع طور سے نہ کھاؤ۔ مثلاً غصب، چوری، خیانت، قمار، سود، رشوت، جھوٹی قسم، جھوٹی بات اور عقد فاسد کے طور اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ مگر یہ کہ بطور تجارت کے تم آپس میں ایک دوسرے سے راضی ہو کر۔ یہ استثناء منقطع ہے اس کا مستثنیٰ محذوف ہے اور وہ تجارت کی صفت ہے۔ یعنی مگر یہ کہ تم تجارت کرو۔ ایسی تجارت کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے راضی ہو۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اموال تجارت کے ہوں۔

مسئلہ: وہ اموال اس تجارت سے ملحق ہوں گے وہ اسباب جو شرعی طریق سے ملکیت میں آئیں۔ جیسے ہبہ اور صدقہ اور وراثت اور عقود جائزہ وغیرہ۔ یعنی وہ امور جو شرعی طریق سے حاصل ہیں۔

سوال: اگر وہ باقی جملہ اس میں شامل ہے تو پھر صرف تجارت کے نام لینے کا فائدہ کیا؟

جواب: معاملات اور کاروبار میں یہی کثیر الوقوع ہیں اور ذی مروت لوگوں کو کاروبار میں زیادہ یہی موافق ہیں۔

مسئلہ: تراضی سے متعاقدین کا آپس میں راضی خوشی ہونا مراد ہے کہ جب وہ آپس میں بیع و شراء کریں تو بوقت ایجاب و قبول وہ آپس میں راضی خوشی ہوں۔ یہی مذہب ہمارے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ حضرت امام شافعی قدس سرہٗ کے نزدیک بیع و شراء کرنے والوں کا مجلس عقد سے بوقت افتراق بیع و شراء کے معاملہ میں ایک دوسرے سے راضی ہونا ضروری ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ مثلاً گلے میں پھندا ڈال کر۔ جیسے ہندی جہال کرتے ہیں۔ یا اپنے نفسوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس کی تائید اس واقعۂ ذیل سے ہوتی ہے:

جب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سخت سردی سے بچنے کے لیے تیمم جائز ہونے کی تاویل کی تو اسے حضور علیہ السلام نے جائز رکھا۔

یا قتل سے مراد ارتکاب معاصی ہے جو دنیا و آخرت کی ہلاکت تک پہنچائے یا ایسے امور حقیقی قتل ہیں جو نفس کو روحانی ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ اور نفس سے مراد اس کے ہم جنس تمام مومنین مراد ہیں کہ گویا وہ ایک ہی نفس ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے رحیم ہے۔ یعنی جن امور کا حکم دیتا ہے یا جن امور سے تمہیں روکتا ہے تو اس میں تمہارے لیے ہزار رحمتیں ہوتی ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے اُمتِ محمدیہ

(علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اللہ تعالیٰ تمہارے لیے رحیم ہے کہ بنی اسرائیل کو توبہ قبول کرنے پر قتل نفس کا حکم دیتا۔ لیکن تمہیں قتل نفس سے روکا ہے۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور جو تم سے اس کا مرتکب ہوتا ہے یعنی نفس کو قتل کرتا ہے (اسی طرح) تمام محرمات مذکورہ کا ارتکاب کرتا ہے عُدْوَانًا وَّظُلْمًا حد سے تجاوز اور ظلم کر کے۔ اور ایسا فعل کرتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا: عدوان سے تعدی علی الغیر اور ظلم سے ظلم علی النفس مراد ہے کہ نفس پر ظلم کر کے عذاب کا نشان بنتا ہے۔ یہ دونوں منصوب علی الحالیۃ ہیں۔ یعنی عدوانا بمعنے متعدیا اور ظلماً بمعنے ظالماً ہے۔

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ پس عنقریب ہم اسے داخل کریں گے نَارًا ط جہنم میں۔ یہاں نار سے مخصوص آگ مراد ہے جو سخت عذاب سے پُر ہے۔ وَكَانَ ذٰلِكَ اور جہنم میں داخل کرنا عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کہ اس کے اسباب متحقق ہیں اور اس سے روکنے والی شے بھی کوئی نہیں۔

مسئلہ: امام (رازی) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ممکنات سب کے سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے برابر ہیں۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے تمام امور ممکنہ برابر ہیں تو پھر یہاں کیوں فرمایا کہ جہنم میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے لیے آسان نہیں۔

جواب: (۱) یہ بطور محاورہ عرب کے مستعمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر معاملہ آسان سے آسان تر ہے۔

(۲) بطور مبالغہ کے کہا گیا ہے کہ جہنم میں داخل کرنا اسے آسان ہے پھر تم کو اس سے بھاگنے کا کوئی چارہ نہیں، اور نہ ہی کوئی اس کے عذاب سے بچ سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ ہلاکت گاہوں کے وقوع سے پورے طور پر اجتناب کرے اور ادائیگی حقوق میں پوری جدوجہد کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفظ نفس و حفظ مال دونوں پر حفاظت کی تاکید شدید فرمائی ہے اس لیے کہ یہ دونوں قوام نفس کے اعلیٰ سبب اور حصول کمالات کے بہترین وسیلہ اور فضائل کے استحصال کے لیے بہترین ذریعہ ہیں، اس لیے کہا گیا ہے: ؎

توانگراں را وقفست و بذل و مہمانی

زکوٰۃ و فطرہ و اعتاق و ہدی و قربانی

تو کے بدولت ایشاں رسی کہ نتوانی

جز ایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

ترجمہ: دولتمندوں کو وقف، خرچ، مہمانی، زکوٰۃ، فطرانہ، آزاد کرنا، حج کی قربانی اور قربانی (عید کی)

حاصل ہے تجھے یہ دولت کہاں نصیب، تو صرف دوگانہ پڑھ سکتا ہے وہ بھی سو پریشانیوں سے ۔

سبق : اگر تمہیں کچھ مال واسباب میسر آجائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ ورنہ نہ اپنے نفس کو مشقت میں ڈالو اور نہ ہی اسے ہلاکت کا نشانہ بناؤ۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو یہ مصیبت درپیش ہوتی ہے جبکہ انہیں فقر و فاقہ کے بعد مال ملتا ہے تو وہ سخت درد والم میں مبتلا ہوتے اور فقر و فاقہ کے فکر سے مضطرب رہتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"جو شخص اپنے نفس کو کسی شَے سے قتل کرتا ہے کل قیامت میں اسے اس سے ہی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔"

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"زمانہ سابق میں ایک شخص کو زخم نے سخت تکلیف پہنچائی۔ وہ اس کے درد والم کی تاب نہ لاکر سخت پریشان ہوا تو اس نے اپنے آپ کو چھری سے کاٹ ڈالا۔ ابھی خون نکلا ہی تھا کہ وہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شخص نے میرے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس لیے میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔"[1]

مسئلہ : یہی حکم اس شخص کا ہے جس نے اپنے نفس کو فقر و فاقہ یا دوسرے اسباب سے ہلاک کیا۔

سبق : باطل طریق سے مال کمانے سے انسان کا دین و دنیا برباد ہوجاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیتا ہے اس لیے کہ بعض اعمال کے اثرات دنیا میں ہی ظاہر ہو جاتے ہیں ۔

حکایت مروی ہے کہ ایک ظالم نے ایک غریب کی مچھلی چھین لی اور اسے بھون کر جب کھانے کا ارادہ کیا تو اپنے ہاتھ کو کاٹ لیا۔ اس کے علاج کے لیے طبیب نے کہا کہ اس ہاتھ کو کٹوا ڈالو۔ اسی طرح اس کے ہاتھ کا جوڑ جوڑ کٹتا رہا اور نوبت بغلوں تک آپہنچی۔ اس سختی سے تنگ آکر وہ ایک درخت کے نیچے پہنچا تو درد کی شدت سے آنکھیں باہر نکل پڑیں۔ کسی نے اُسے کہا کہ تجھے اس درد سے اس وقت نجات ملے گی جب تم مظلوم کو راضی کرو گے۔ چنانچہ اس نے اس مچھلی والے فقیر سے معافی حاصل کی تو اسے درد سے نجات ملی۔ اس کے بعد دل سے تائب ہوا اور آئندہ ایسی غلطی کے ارتکاب سے پورے طور پر باز آگیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کے ہاتھ کو بھی شفا عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اگر یہ شخص مظلوم کو راضی نہ کرتا تو میں اسے مدت العمر اسی تکلیف میں مبتلا رکھتا۔

مسئلہ : علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ غیر کا مال ایسے حرام ہے جیسے اس کا ناحق خون بہانا حرام ہے۔

---

[1] تفسیر بغوی

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
حدیث شریف "کسی دوسرے کا مال چھیننا حرام ہے البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ دے تو حلال ہے"۔
مسئلہ : ظلم شرعاً و عقلاً ہر طرح حرام ہے۔
حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا : ؎

۱ ہزار گونہ خصومت کنی بخلق جہاں
زبس کہ در ہوس سیم و آرزوئے زری

۲ ترا است دوست زر و سیم خصم صاحب آں
کہ گیری از کفش آنرا بظلم و حیلہ گری

۳ نہ مقتضائے خرد باشد و نتیجۂ عقل
کہ دوست را گذاری و خصم را راہبری

ترجمہ : ہزار حیلوں سے تُو خلقِ خدا کے ساتھ دشمنی کرتا ہے بس اسی لیے کہ تجھے سیم و زر کی ہوس نے گھیر رکھا ہے۔
(۲) تجھے زر و سیم کی محبت نے خلقِ خدا کا دشمن بنایا کہ ان کے ہاتھ سے زر و سیم چھین رہا ہے۔
(۳) نتیجۂ عقل و خرد سے یہ بات دُور ہے کہ دوست کو چھوڑ کر دشمن کو رہبر بنایا جائے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ حرام سے بچے اور حلال خوری کی عادت بنائے۔ بعض بزرگوں کے اس باب میں عجیب و غریب احوال ہیں۔

حکایت : منقول ہے کہ کسی بادشاہ نے حضرت رکن الدین علاؤ الدولہ کی طرف ایک ہرن بطور تحفہ بھیجا اور عرض کی کہ یہ حلال طیب ہے۔ خود شیخ نے فرمایا کہ میں مشہد طوس میں تھا تو میرے پاس ایک امیر آدمی خرگوش لایا اور عرض کی کہ اسے تناول فرمائیے کہ میں نے اسے خود شکار کیا ہے۔ میں نے اسے جواب دیا کہ میں خرگوش نہیں کھاتا کہ یہ بفتوائے حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہ) حرام ہے[1]۔

مسئلہ : حیٰوۃ الحیوان میں ہے کہ جملہ علمائے کرام کے نزدیک خرگوش حلال ہے صرف حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ وہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

حکایت : انہی رکن الدین علاء الدولہ کی خدمت میں ایک امیر آدمی ہرن لایا اور عرض کیا اسے تناول فرمائیے کہ میں نے

---

[1] یہ فتویٰ محلِ نظر ہے اس لیے کہ صحیح احادیث سے خرگوش کی حلت کی تصریح موجود ہے۔

اسے خود شکار کیا ہے اور جس گھوڑے پر سوار ہو کر اور جس کمان سے میں نے اسے شکار کیا ہے وہ مجھے اپنے والد مرحوم سے وراثت میں ملے ہیں۔ مجھے اس کی خبر سے مولانا جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ یاد آیا کہ اُن کے ہاں ایک امیر آدمی دو مرغابیاں لے آیا اور عرض کی، اس سے آپ کچھ تناول فرمائیے کہ میں نے انہیں اپنے شکاری باز سے پکڑا ہے۔ مولانا نے فرمایا: مرغابیوں کی حلت میں تو کوئی سوال نہیں۔ سوال یہ ہے کہ باز نے اپنی زندگی میں کسی غریب بڑھیا کی مرغی مار کھائی ہو پھر وہ اس قوت سے اہل ہوا ہو کہ وہ اب شکار کرنے لگا۔ اسی طرح مانا کہ تم نے ہرن خود مارا ہے لیکن جس گھوڑے نے کسی غریب کے جَو کھا لیے ہوں جس سے اسے یہ قوت ملی کہ جس پر تُو سوار ہو کر شکار کرنے کے لیے آیا۔ فَلِہٰذا یہ ہرن لے جاؤ، میں نہیں کھاتا۔ (یہ ان کی پرہیزگاری ہے ورنہ شرعی طور پر تو حلال تھا)

حکایت ایک درزی نے کسی بزرگ سے پوچھا: کیا میں ظلم پر مدد کرنے والوں میں تو شمار نہ ہوں گا جبکہ میں ظالموں کے کپڑے سی کر انہیں پہناتا ہوں۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ اس میں نہ صرف تجھ سے اس کے متعلق پرسش ہوگی بلکہ اس لوہار سے بھی کہ جس نے یہ سوئی بنائی کہ جس سے تُو ظالموں کے کپڑے سیتا ہے۔

سبق: خلاصۂ کلام یہ کہ حرام سے بچنا ضروری ہے اور حلال روزی کے حصول میں بہت جدّوجہد کرنی چاہیئے اگرچہ ہمارے دور میں یہ معاملہ بہت نازک اور سنگین ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا: ؎

خواہی کہ شوی حلال روزی

ہمخوانہ مکن عیال بسیار

دانی کہ دریں سراچۂ تنگ

حاصل نشود حلال بسیار

ترجمہ: اگر تُو حلال خوری چاہتا ہے تو گھر عیال سے خالی رکھ۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس دنیا کی تنگ حویلی میں حلال خوری مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے حلال روزی نصیب فرمائے، وہ بہت بڑا سخی اور کریم ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا اگر تم اجتناب کرو گے۔ الاجتناب بمعنے التباعد ہے۔ اسی معنٰی سے ہے الاجنبی بمعنے بعید۔ **كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ** ان بڑے گناہوں سے کہ جن سے تم روکے جاتے ہو۔ یعنی جن گناہوں سے تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے **نُكَفِّرْ عَنْكُمْ** ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ التکفیر بمعنے مستحقِ عذاب سے عذاب کو دُور کر کے اسے زیادہ سے زیادہ ثواب سے نوازنا۔ یا اس کے عذاب کو اس سے دُور کرنا اس کی توبہ قبول کر کے۔ الاحباط اس کی نقیض ہے بمعنے کسی مستحقِ ثواب کا ثواب چھین کر اسے عذاب میں

مبتلا کرنا یا اُسے نادم کرنا۔ یہاں پر بمعنیٰ نَغْفِرْ لَکُمْ ہے۔ سَیِّاٰتِکُمْ تمہارے صغیرہ گناہ تم سے معاف کر دیں گے۔ وَنُدْخِلْکُمْ مُدْخَلًا اور تمہیں اچھے مقام میں داخل کریں گے۔ مُدخل (بضم المیم) اسم مکان (ظرف) ہے بمعنیٰ بہشت کَرِیْمًا۔ اچھی جگہ یعنی پسندیدہ جگہ یا یہ مدخلاً مصدر (میمی) ہے۔ یعنی داخل کرنا ساتھ عزت و احترام کے۔

مسئلہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک صغیرہ گناہوں کو مٹانے والے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب ہو۔

مسئلہ: کبیرہ گناہوں کے متعلق اختلاف ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر شرع کی حد مقرر ہے یا اُس پر وعید وارد ہے۔

حدیث شریف حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آج تم بہت سے ایسے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہو جنہیں تم نہایت ہی معمولی (صغیرہ) سمجھتے ہو حالانکہ ہم انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ اقدس میں کبیرہ گناہ شمار کرتے تھے۔

مسئلہ: حضرت امام قشیری رحمہُ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کے نزدیک گناہ کبیرہ خفی شرک ہے۔ مخلوق کی طرف متوجہ ہونا اور اُن سے محبت کرنا۔ اور حقوق الٰہی سے اُن کی وجہ سے چشم پوشی کرنا بھی اُن کے نزدیک شرک خفی ہے۔

مسئلہ: کبائر سے بچنے سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں۔ اور جو شخص کبیرہ و صغیرہ ہر دونوں سے بچتا ہے اُسے مدخل کریم میں داخل ہونا نصیب ہوگا اور مُدخل کریم بارگاہِ حق کا ایک بہترین مقام ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: کہ بیشک اللہ تعالےٰ پاک ہے۔ اور صرف پاکیزہ چیزوں کو قبول کرتا ہے۔

قاعدہ: تمام کبائر تین چیزوں میں مندرج ہیں:۔

۱۔ اتباع الھویٰ اور الھویٰ شریعت میں ہر اُس عمل کو کہتے ہیں کہ جن شہوات کی لذّت کے لئے نفس کا میلان ہو۔ اِس کی وجہ سے انسان مندرجہ ذیل گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ (۱) بدعت سیّئہ (۲) ضلالت (۳) ارتداد (۴) مشتبہات (۵) طلب شہوات (۶) طلب لذّت (۷) طلب تنعّمات (۸) حظوظ نفس کے تابع ہو کر ترکِ صلوٰۃ و ترک جملہ طاعات (۹) حقوق الوالدین (۱۰) قطع رحم (۱۱) پاکدامن عورتوں پر بہتان تراشی وغیرہ وغیرہ اِسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ

اور خواہشات کی تابعداری نہ کیجئے وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بہکا دیں گی ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔
اللہ تعالےٰ کے ہاں مبغوض ترین وہ انسان ہے جو شہوات کے تابع ہو ۔

غبارِ ہوا چشمِ عقلت بدوخت
سمومِ ہوس کشتِ عمرت بسوخت
بکن سُرمۂ غفلت از چشمِ پاک
کہ فردا شوی سُرمہ در چشمِ خاک

ترجمہ :۔ خواہشات کی غبار نے تیری آنکھیں سی دی ہیں ۔ ہوس کی لُو نے تیری زندگی کی کھیتی جَلا دی ہے ۔ اپنی آنکھوں سے غفلت کا سُرمہ دُور کر دے کہ تُو کل چشمِ خاک کا سُرمہ بننے والا ہے ۔

۲۔ حُبِّ دنیا اس لئے کہ وہ اکثر گناہوں کی سواری ہے ۔ مثلاً (۱) قتل (۲) ظلم (۳) غصب (۴) جھپٹ مار کر کوئی چیز چھیننا (۵) چوری (۶) ربا (۷) یتیم کا مال کھانا (۸) منع زکوٰۃ (۹) جھوٹی گواہی (۱۰) گواہی چھُپانا (۱۱) یمین غموس (۱۲) وصیت وغیرہ کے مُعاملات میں زیادتی کرنا (۱۳) حرام کو حلال سمجھنا ۔ (۱۴) وعدہ وغیرہ توڑنا وغیرہ وغیرہ ۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا : من كان يريد حرث الدنيا نؤته منها وماله في الآخرة من نصيب جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اُسے دیں گے لیکن آخرت میں اُس کا کوئی حصّہ نہیں ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔
دُنیا کی محبّت تمام گناہوں کی سر ہے ۔

حدیث قدسی شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔
کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ مجھے اپنی عزّت وجلال کی قسم کہ میرے ہاں سب سے بڑا گناہ دُنیا کی محبّت ہے ۔

عاقلاں میل بسویت نکنند اے دُنیا
ہم اُمیدِ کرم ولطف تو جاہل داد
ہر کہ خواہد بکند از تو مرادے حاصل
حاصل آنست کہ اندیشۂ باطل داد

ترجمہ :۔ اے دینا دانا تجھے جھانکتے نہیں تیرے فضل وکرم کے اُمیدوار جاہل ہیں ۔ جو تجھ سے مُراد

حاصل کرنا چاہتا ہے اسے باطل کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

۳ - غیر حق پر نگہ رکھنا۔ اس لئے کہ اس سے شرک و نفاق اور ریاء وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (بیشک اللہ تعالےٰ مشرک کو نہیں بخشتا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے۔")

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
معمولی سے معمولی ریاء بھی شرک ہے۔

فائدہ بعض مشائخ فرماتے ہیں۔ کہ خود تیرا اپنا وجود گناہ ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں۔ جو شخص اپنے وجود کے گناہ سے بچ گیا ہے تو اُسے غیر اللہ نظر نہیں آتا۔ اور نہ ہی اس سے شرک سرزد ہوتا ہے اور نہ ہی اسے حُبِّ دُنیا کی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ خواہشاتِ نفسانیہ سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد اُسے وصول الی اللہ اور بقائے الٰہی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۔ (وہ جو اللہ کے دیدار کا اُمیدوار ہے اُسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اللہ کی عبادت کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔) بخدا جسے یہ نصیب ہوجائے یہی مدخل کریم اور فوزِ عظیم اور جنتِ نعیم ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اغیار سے نجات پائے۔ پھر انوارِ ربّانی اور تجلّیاتِ حقّانی کے میدان میں جہاں چاہے جلئے۔

؎ گرچہ زنداںست بر صاحب دلاں
ہر کجا بُوئے زوصل یار نیست
ہیچ زنداں عاشق محتاج را
تنگ تر از صحبت اغیار نیست

ترجمہ:۔ جہاں وصالِ یار نہ ہو وہ صاحب دلوں کے نزدیک قید خانہ ہے۔ عاشق محتاج کو اس سے بڑھ کر قید اور کیا ہوگی کہ جہاں اُسے اغیار کے ساتھ گذارہ ہو۔"

سبق سالک پر لازم ہے کہ راہِ سلوک پر گامزن رہے اور غیر کی دوستی سے نجات پائے تاکہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔

سبق دیگر عاشق صادق صرف اپنے معشوق حقیقی کی عبادت کرتا ہے اور دُنیا و آخرت کے

گورکھ دھندوں سے دُور رہ کر صرف اپنے محبوب کے وصال کا طالب رہتا ہے۔ اُسے سوائے اس محبوب کے کسی غیر سے کام نہیں۔

ے عاشق کہ زہجر دوست دادی خواہد
یابردر وصلش ایستادے خواہد
ناکس تراز دکس بنود در عالم
کز دوست بجز دوست مرادے خواہد

ترجمہ:- وہ عاشق محبوب کے ہجر سے نجات اور اُس کے حضور وصال کا طالب ہے اِس سے بڑھ کر نالائق کوئی نہ ہوگا جو کہ دوست کے سوا دوسروں سے مُراد مانگتا پھرے۔"

یہ بہت بڑا مقام اور بُلند مرتبہ ہے اللہ تعالےٰ ہم سب کو یہ مقام نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَا تَتَمَنَّوْا۔ اور آرزو مت کرو۔ التمنی بمعنٰی شئ معلوم یا مظنون کے لئے ارادہ کرنا کہ کسی طریق سے وہ حاصل ہو جائے۔ مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اُس کی جو کہ اللہ تعالےٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ یعنی تمہارے اُوپر لازم ہے کہ تم آرزو نہ کرو اُس کی جو اللہ تعالےٰ نے تمہارے بعض کو اُمورِ دینویہ میں سے عطا فرمائے ہیں۔ مثلاً تمہارے بعض کو جاہ و مال و منال وغیرہ وہ چیزیں عنایت فرمائیں کہ تمہیں اُن کی خصوصیت سے رغبت ہے۔ اس لئے کہ یہ تقسیم ربانی ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کے احوال کے مطابق لائق تدبیر سے تقسیم فرمائی ہے۔ اُنکے مختلف احوال اچھے یا بُرے کے لحاظ سے اُن کی تقسیم کی ترتیب دی ہے جنہیں اپنی قسمت میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ اُنہیں چاہیئے کہ راضی برضائے الٰہی ہوں جو اُن کی قسمت میں لکھا تھا مل گیا۔ اِس سے زائد کی آرزو نہ کریں اور نہ ہی اس تصوّر میں رہیں کہ اللہ تعالےٰ نے فلاں کو ہم پر کیوں فضیلت دی ہے اور نہ ہی اس پر حسد کریں اسلئے کہ اس طرح سے تو قادر قدیر کی قدرت کے ساتھ مقابلہ کا پہلو نکلتا ہے۔ قسمت کی تقسیم مختلف صُورتوں کی طرح ہیں۔ جیسے مختلف صُورتوں کے بنانے میں اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ اور نہ ہی اُس کے بھید و اسرار کو کوئی جانتا ہے اِسی طرح اس کی تقسیم پر بھی اعتراض نہیں اور نہ ہی اس کی کنہ کو کوئی پہنچ سکتا ہے۔

شانِ نزول جب اللہ تعالےٰ نے مسئلہ میراث میں مَردوں کا حصّہ عورتوں کے حصّہ سے دوہرا مقرّر فرمایا تو عورتوں نے کہا کہ یہ تقسیم کیسی جبکہ ہم مَردوں کی بہ نسبت محتاج تر ہیں۔ فلہذا ہمارا مَردوں سے دوہرا حصّہ ہونا چاہیئے۔ اِس لئے کہ ہم نہایت کمزور ہیں اور مَرد زیادہ قوی اور طلبِ مُعاش پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ اِس پر آیتِ مذکور نازل ہوئی۔ نہی مذکور کی علّت آیتِ ذیل میں بتلانے سے بہی زیادہ

مناسب معلوم ہوتی ہے ۔ لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ط مَردوں کے لئے حصّہ ہے اس سے جو اُنہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے وہ حصّہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے ۔" اس میں تصریح ہے کہ دونوں فریقوں یعنی مَردوں اور عورتوں کے درمیان آرزو کا سلسلہ یوں جاری ہوا یعنی ہر ایک فریق یعنی مَردوں اور عورتوں کے لئے میراث کا حصّہ مُعیّن اور مُقدّر مِن اللہ ہے ۔ ہر ایک کو اتنا قدر ملے گا جتنا اس کی استعداد ہے ۔ اور ایسے اکتساب سے تعبیر کرنے میں استعارہ تبعیہ ہے کہ حال (جو کہ اپنے حصّے کا مقتضی ہے) کو اکتساب سے تشبیہ دی گئی ہے اس میں اُن کے حصص کے حصُول کی تاکید ہے کہ وہ اپنے حصص کے واقعی مستحق ہیں ۔ اس میں ان کے لئے تائید مطلوب ہے کہ وہ اپنے حصص میں ایسے مستحق ہیں کہ اُن کے ساتھ کسی دوسرے کو اشتراک کا وہم تک بھی نہیں ۔ یہی وہ باتیں ہیں کہ نہی مذکور کی ممانعت کا سبب ہیں ۔ وَاسْئَلُوا اللہَ مِنْ فَضْلِہٖ ط اور اللہ تعالےٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو ۔" یعنی دوسروں کا حصّہ جو اُن کے لئے مخصوص ہوا ہے اُس کی آرزو نہ کرو ۔ ہاں اللہ تعالےٰ کی ان نعمتوں کا سوال کرو کہ جن کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی اس کے خزانے میں کوئی کمی ہے اور وہ تمہیں اس سے عطا بھی کرے گا کیونکہ اس میں کسی دوسرے کا اشتراک نہیں ہے ۔ اِنَّ اللہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ط بے شک اللہ تعالےٰ ہر شئی کو خوب جانتا ہے ۔" یعنی ہر انسان کہ وہ جس کا مستحق ہے اُسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ۔ اِس بنا پر اُس کا فضل علم و حکمت پر مبنی ہے اور اُس کے سامنے ہر بات واضح تر ہے ۔

حدیث شریف لوگ جب تک مختلف الحال ہیں بھلائی پر رہیں گے ۔ جب حال میں برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہوں گے وہ اس لئے کہ حال کی برابری سے دُنیا کے نظم و نسق میں خلل پڑ جائے گا ۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف مراتب پر مغموم نہ ہونا چاہیئے کہ بعض کو امیر بنایا گیا ہے اور بعض کو بادشاہ ، بعض کو امیر اور بعض کو رئیس اور بعض کو مصنوعات کا ہنرمند وغیرہ وغیرہ کہ اس طرح سے دُنیا کا نظام بہتر رہتا ہے ۔

فائدہ سَعادت کے مراتب یا نفسانی ہیں جیسے ذکاء تام اور حسّ کامل اور وہ معارف جو دوسروں سے کمیت و کیفیت میں زائد ہیں ۔ اسی طرح عفّت و شجاعت وغیرہ وغیرہ یا وہ مراتب سعادتِ بدنیہ ہیں جیسے تندرستی و جمال اور عمر طویل میں لذّت و رونق وغیرہ کا حصُول وغیرہ وغیرہ ۔ پھر وہ یا خارجیہ ہیں جیسے کثرتِ اولاد اور وہ بھی نیکبخت اور کثرت عشائر اور کثیر التعداد دوست و معین و مددگار کی کثرت اور حصُول ریاست تامہ اور با اثر گفتگو اور لوگوں کے دلوں پر حکومت ان میں ذکر خیر کا اثر اور مجموعہ سَعادات یہی اُمور ہیں ۔ پھر جب کوئی انسان کسی دوسرے میں یہ فضائل پاتا ہے اور اپنے

اندر ان سب سے یا بعض سے محرومی یا خامی دیکھتا ہے تو اس کا دِل چونک پڑتا ہے اور پریشانی کا شکار ہو کر دو بیماریوں میں مُبتلا ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ سعادات اس انسان سے چھن جائیں یا اُس سے زائل ہونے کی آرزو تو نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور چاہتا ہے کہ وہی سعادات اسے بھی نصیب ہو جائیں۔

پہلی بیماری کا نام حسد ہے اور یہ مذموم ہے اِس لئے کہ خالقِ کائنات اور مُدبّرِ عالم جلّ جلالہٗ کا مقصدِ اوّل یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے احسانات اور فضل و کرم سے مالا مال کرے اور قسم قسم کے الطاف اور نعمتوں سے نوازے۔ لیکن جب کوئی یہ سعادات کسی سے زائل ہونے کی آرزو کرتا ہے تو وہ گویا خالقِ کائنات اور مدبّرِ عالم جلّ جلالہٗ پر اعتراض کرتا ہے کہ اس مالک نے جو کچھ کیا (معاذ اللہ) غلط کیا۔

حسد کی بیماری کا سبب ایک یہ بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات اِن سعادات کا اہل صرف انسان اپنے آپ کو ہی سمجھتا ہے اور دوسرے کو ان سعادات کے لائق نہیں مانتا تو یہ بھی منجملہ غلطیوں کے اس کی ایک غلطی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی حکمت سے (معاذ اللہ) غلطی ہوئی ہے یہ ہر دونوں اوہام کفر کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ اور بدعات کے ظلمات دِل پر چھا جاتے ہیں اور نورِ ایمانی سلب ہو جاتا ہے اور جیسا کہ حسد دینی اُمور میں فساد ڈالتا ہے ایسے ہی دنیوی کاروبار میں بھی نقصان پہنچاتا ہے کہ جس پر حسد کیا جاتا ہے اس کی محبّت و دوستی ختم ہو جاتی ہے بلکہ ایک دوسرے سے بُغض عداوت پیدا ہو جاتی ہے اسلئے اِن تمام اُمور سے اللہ تعالیٰ نے روکتے ہوئے فرمایا وَلَا تَتَمَنَّوْا الخ

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ تقدیرِ الٰہی کے سامنے ہر وقت سَر جھکائے رکھے۔

حدیث قدسی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم اپنے مالکِ حقیقی سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا جو شخص میری تقدیر کے سامنے سَر جُھکاتا ہے اور میری آزمائش پر صَبر کرتا ہے اور میری نعمتوں کا شکر بجالاتا ہے تو مَیں اُسے صدّیقوں میں لکھوں گا اور قیامت میں اُسے صدّیقین کے ساتھ اُٹھاؤں گا۔ اور جو شخص میری تقدیر پر راضی نہیں اور میری آزمائش پر صبر نہیں کرتا اور میری نعمتوں کا شکر یہ نہیں کرتا تو پھر اُسے چاہیئے کہ میرے سوا کوئی دُوسرا رَبّ تلاش کرے۔

؎ حاشا کہ مَن از جور و جفائے تو بنالم

بیداد لطیفاں ہمہ لطفست و کرامت

ترجمہ:۔ "پناہ بخدا کہ مَیں تیرے ظلم و جفا سے گریہ کروں۔ مہربانوں کا بیداد بھی لطف و کرم ہوتا ہے۔"

مسئلہ:۔ یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی شخص کسی کی زوال نعمت کی آرزو کرے تو عنداللہ جُرم ہے۔

اُس کی تائید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث شریف سے ہوتی ہے ۔

حدیث شریف حضرت ابن سیرین نے فرمایا کہ حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کے نکاح پر نکاح کی دعوت نہ دو اور نہ ہی کسی کی تجارت پر رقم کا اضافہ کر کے سودا بگاڑو ۔ اور نہ ہی کسی عورت کو چاہیئے کہ اپنی بہن کی طلاق طلب کر کے خود اُسی کے شوہر سے نکاح کرے اس لئے کہ سب کا رازق اللہ تعالےٰ ہے ۔

فائدہ اُن تمام اُمور میں نہی سے حسد کی ممانعت میں مُبالغہ مطلوب ہے ۔

مسئلہ :۔ اگر کسی کی زوال کی تمنّا تو نہ ہو لیکن یہ تمنّا ضرور ہو کہ اس جیسی نعمت مجھے بھی نصیب ہو تو اُسے بعض عُلمائے کرام نے جائز رکھا ہے لیکن محققین کا کہنا ہے کہ یہ بھی نہ چاہیئے اس لئے کہ بعض اوقات وہی نعمت اُس کے لئے فساد فی الدّین کا سبب بن جاتی ہے ۔ بلکہ دُنیا میں بھی اُسے سخت نقصان پہنچاتی ہے اِسی بنار پر بعض محققین نے فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ یوں دُعا نہ کرے کہ یا اللہ تعالےٰ مجھے فلاں شخص جیسی بلڈنگ یا عورت عطا فرمادے ۔ بلکہ یوں عرض کرے کہ یا اللہ تعالےٰ مجھے وہ عطا فرما جو میرے لئے دین و دُنیا اور آخرت اور معاش مُفید ہو ۔

فائدہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ مال و دولت کی دعا نہ مانگے اِس لئے کہ بسا اوقات وہی مال و دولت اُس کے لئے ہلاکت و تباہی و بربادی کا سبب بن جاتا ہے جیسے ثعلبہ کے لئے مال ہلاکت اور تباہی و بربادی کا سبب بنا ۔ یہی مُراد ہے اللہ تعالےٰ کے اس ارشادِ گرامی سے کہ فرمایا وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا سوال کرو ۔

اگر انسان غور و فکر سے کام لے تو جس طرح اللہ تعالےٰ نے انسان کی بھلائی کے لئے یہ حکم دُعا کے لئے فرمایا ہے یعنی رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً " اے ہمارے پروردگار ہمیں دُنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرما " اِس کی کہیں نظیر نہیں ملتی ۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت شیخ کمال الدّین قاشانی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ فَلَا تَتَمَنَّوْا الخ یعنی مت آرزو کرو اُن مراتب کی جو اللہ تعالےٰ تمہارے بعض کی استعداد اولیٰ کے مُطابق اُسے کمالات سے مُزیّن فرمایا ہے اسلئے کہ ہر ایک کی استعداد نے ازل میں ہویت کے ساتھ تقاضا کیا اور اس سعادت کی طلب کی جو اُس کے مناسب تھی اور صرف اس سے ہی مخصوص تھی ۔ اِس بنا پر اس استعداد کا حصُول دوسرے کے لئے محال ہوتا ہے ۔ اِسلئے اسے تمنّی سے تعبیر فرمایا ہے کہ جس کا استعمال

عموماً ممتنعات پیدا ہوتا ہے جبکہ اس کا سبب طالب کے لئے ممتنع ہے لِلرِّجَالِ سے وہ حضرات مُراد ہیں جو واصل باللہ ہوتے ہیں۔ مِمَّا اكْتَسَبُوا الخ سے مُراد وہ ہیں جنہیں استعداد اصلی کے نورُ سے سعادات نصیب ہوئیں۔ اور لِلنِّسَاءِ سے مُراد وہ لوگ ہیں جو وصول الی اللہ سے ناقص و قاصر رہے۔ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ یعنی جنہوں نے اپنی ناقص استعداد کے ذریعے حاصل کیا۔ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ؕ۔ اور اللہ تعالیٰ سے وہ اضافۂ کمال طلب کرو جو تزکیہ کے ذریعے تمہاری استعداد کا مقتضی ہے جو تمہارے دلوں میں صفائی پیدا کرے یہاں تک کہ اُس کے اور تمہارے درمیان کے پردے اُٹھ جائیں ورنہ تم ہمیشہ کے لئے محجوب ہو کر محرومی کا پٹہ گلے میں پہن لوگے۔ اور مہجوری کی آگ میں جلتے رہوگے۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ ۔ یعنی ہر وہ اشیاء جو تم سے مخفی ہیں اور تمہاری استعداد بالقوّۃ تم سے پوشیدہ ہے عَلِيمًا۔ انہیں وہ کریم جانتا ہے۔ پھر جب تم اُس کے طلبگار ہوگے تو وہ تمہاری استعداد کے مطابق تمہارے لئے ظاہر فرمائے گا۔ چنانچہ فرمایا کہ :۔ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ (وہ تمہیں وہی عطاء فرمائے گا جو تم اپنی استعداد کی زبان سے طلب کروگے)۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی اس سے اپنی استعداد کے مطابق مانگتا ہے وہ اُسے عطاء فرماتا ہے چنانچہ فرمایا اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔ "میرے سے مانگو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا"۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ وَلَا تَتَمَنَّوْا الخ ممتنع اور محال کے سوال سے روکا گیا ہے کہ وہ استعدادِ ازلی کے لحاظ سے بندہ کے حال سے بُلند و بالا اور اُس کے لئے محال و ممتنع ہے۔ اور وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ؕ میں اِس فضل و کمال کے سوال کی ترغیب ہے جو انسان کے لئے ممکن ہے۔ اِس کا ضرور اور ہر حال سوال کرے تاکہ وہ فضیلت انسانی کے اعلیٰ مرتبہ سے محروم نہ جائے۔ اس لئے کہ بعض مراتب حاصل ہوں جو خزانہ استعدادِ ازلی میں مخفی ہیں اور اللہ تعالےٰ سے ہر وقت اس کے فضل کا طلبگار رہے کہ وہ ہر بندے کی سُنتا ہے اور ہر ایک دُعا قبول فرماتا ہے۔ وہی ہدایت و ارشاد کا مالک ہے۔ جو بھی اس سے کچھ مانگتا ہے تو وہ بے دریغ عنایت فرماتا ہے۔ اور قاعدہ ہے جو شخص جس شے کو چاہتا ہے وہ اُسے ضرور ملتی ہے اور کسی کا دروازہ کھٹکایا جائے تو ضرور ایک روز جواب ملتا ہے بلکہ اس میں داخل ہونے کی بازیابی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا :۔

چوں دَر معنیٰ زنی بازت کنند ۔ پر فکرت زن کہ شہبازت کنند

چوں زچاہے میکنی ہر روز خاک ۔ عاقبت اندر رسی با آب پاک

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے — عاقبت زاں در بروں آید سرے
در طلب زن دائماً تو ہر درست — کہ طلب زراہِ نکو رہبر است

ترجمہ :۔ " جب تُو کسی عقیدت کا دروازہ کھٹکائے گا تو تیرے لئے وہ کبھی کھُلے گا۔ فکر میں رَہ کبھی تجھے شہباز بنایا جائیگا۔ جب کسی کنوئیں سے مٹی ہٹاتا رہے گا ایک دن تو پانی تک پہنچ جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تُو دروازہ کھٹکھٹائے گا تو اس سے ایک دن جواب پائے گا۔ ہمیشہ طلب کے دروازہ پر رہو اس لئے نیک طلب والے کو رہبر مل جاتا ہے۔"

تفسیر عالمانہ وَلِكُلٍّ اور ہر ترکہ اور مال کے لئے جَعَلْنَا مَوَالِيَ ہم نے وارث مقرر کئے ہیں۔ مَوَالِي مَولیٰ کی جمع ہے یعنی مختلف درجہ کے وارث کہ اس ترکہ کے مالک ہوتے ہیں اور اپنے حصص کو اپنے حقوق کے مطابق (جو اُن کے اور مورث کے مابین متعیّن ہیں) حاصل کرتے ہیں مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اس سے جو والدین اور اقربین چھوڑ گئے ہیں یہ لِكُلٍّ کیلئے بیان ہے اگرچہ عامل کے مابین فصل واقع ہوا ہے اس کا عامل جَعَلْنَا ہے۔ اسلئے کہ وہ لِكُلٍّ جَعَلْنَا کا مفعول ثانی ہے اور اپنے عامل سے مقدّم ہے شمول کی تاکید کے لئے اور اس وہم کے دفعیہ کے لئے ہے کہ شاید کوئی نہ سمجھے کہ جعلنا کا تعلق لبعض سے ہے اور موالی سے اصحاب الفرائض والعصبات اور دیگر وہ رشتہ دار مرد ہیں جو میّت کے ترکہ کے وارث ہونگے۔ یعنی ہم نے ہر قوم سے وارث مقرر فرمائے ہیں۔ اُن کے لئے شرعی حصّے مقرر ہیں کہ ان ہر ایک کے ایک دوسرے کے حصّوں سے مختلف ہیں اِس میں سے جو اُن کے والدین واقربین نے ترکہ چھوڑا ہے۔ اِس تقریر پر جعلنا موالی لکل کی صفت واقع ہوگی اور وہ ضمیر جو اُس کی طرف راجع ہوتی ہیں وہ محذوف ہے تمام کلام مبتدا و خبر ہوگی جیسے تم کہتے ہیں لكل من خلقه الله انسانا الخ یعنی ہر ایک انسان کو جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کیلئے حصّہ ہے اس سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقسوم میں لکھا ہے۔

وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ اور وہ لوگ کہ جن سے تم عقد کر چکے ہو۔ اِس سے مَولیٰ الموالاۃ مُراد ہیں۔ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ ایک حلیف دوسرے حلیف کو اپنے مال کے چھٹے حصّے کا مالک بناتا تھا۔ پھر وہ داوالارحام بعضهم اولیٰ ببعض سے منسوخ ہوگیا۔

مسئلہ :۔ حضرت امام اُبوحنیفہ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرکے یہ شرط لگائے کہ میرے مرنے کے بعد وہی میرے مال کا مالک ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی خطا سرزد ہو تو میرا تاوان بھی اس کے ذمہ ہوگا تو یہ شرعاً جائز ہے۔ اِسی پر اس کا تاوان لازم ہوگا۔ اِس کے

مَرنے کے بعد وہی اس کے مال کا مالک ہوگا بشرطیکہ اُس کا اور کوئی وارث نہ ہو۔

مسئلہ :- مولی الموالاۃ ذوی الارحام کے بعد ہوگا۔

سوال : عقد کا اسناد ایمان یعنی سیدھے ہاتھ کی طرف کیوں ؟

جواب : چونکہ عموماً عقد کے بعد قبضہ اس کے ذریعہ سے ہوتا ہے اسلئے اس کی طرف اسناد کیا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جو عقد کر چکے ہیں تمہارے سیدھے ہاتھ ان کے عہود سے یہاں عہودھم محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے پھر وہ محذوف کیا گیا اور اَلَّذِیْنَ مبتدا معنیٰ شرط کو متضمن ہے اسلئے اُس کی خبر میں فاء لایا گیا ہے۔ **فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ** پس انہیں ان کا حصّہ دو یعنی اِن کا وہ حصّہ جو میراث کے طور اُن کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ **اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ** بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے یعنی تمام اشیاء پر منجملہ ان کے دینا اور نہ دینا **شَھِیْدًا** مُطّلع ہے۔

مسئلہ :- آیت میں اُن کے حصص دینے کی ترغیب اور نہ دینے پر تہدید ہے۔

فائدہ :- بعض نے کہا ہے کہ الذین عقدت ایمانکم سے خلفاء مُراد ہیں اور فَاٰتُوْھُمْ نصرت و نصیحت اور عیش و عشرت میں صفائی اور معاشرہ میں خلوص مُراد ہے۔

سبق ہر مؤمن پر ضروری ہے کہ وہ اپنے بھائی مُسلمان کا تعاون کرے اور اس کے ساتھ نیک مُعاشرہ اور صلح و صفائی سے گذارے اور اس سے خلوص پیدا کرے نہ یہ کہ اُس سے مُنافقت اور عداوت سے پیش آئے۔

حدیث شریف حضور سَرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا " مؤمن کی آپس میں محبت و شفقت اور لطف و کرم کی مثال ایک جسم جیسی ہے کہ ایک عضو کو دُکھ تکلیف پہنچے تو تمام جسم کو بے آرامی و بے قراری ہو اور تمام دِن اور رات نیند آنکھ سے نکل جائے "۔

بنی آدم اعضائے یکدگر اند	کہ دَر آفرینش ز یک جوہر اند
چوں عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضو ہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی	نشاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ :- " بنی آدم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں اسلئے کہ تخلیق میں ایک جوہر سے ہیں۔ جب زمانہ بدن کے ایک عضو کو درد پہنچاتا ہے تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں ہوتا۔ اگر تُو دوسروں کے درد سے بے غم ہے تو چاہیئے کہ تیرا آدمی نام نہ ہو "۔

اسباق

(۱) سالک پر واجب ہے کہ جو کچھ اپنے لئے بھلائی چاہے دوسروں کے لئے بھی وہی چاہے۔ ہر معاملہ میں اُن کے لئے خیر خواہی کرے اسلئے کہ اہلِ اسلام کیلئے خیر خواہی دین کا ستون ہے۔

(۲) سالک کو چاہیئے کہ اپنے سے ان عادات کو دُور کرے جو اہلِ اسلام کو ایذا پہنچائیں۔ ہاں انہیں نیکی کے لئے زجر و توبیخ کر سکتا ہے یعنی جو چیزیں ان کیلئے نامناسب ہیں اُن سے انہیں وعظ و نصیحت کر کے روک سکتا ہے لیکن رحمت و شفقت سے اُن کے ساتھ معاملہ رکھے۔

(۳) کسی کی کوئی ایسی بات نہ کرے کہ جس سے اُسے ناگواری ہو اسلئے کہ اللہ تعالےٰ کا ایک فرشتہ مقرر ہے جو کہ کسی کی کوئی ناگوار بات کہی جائے تو وہ فرشتہ اسے اسی طرح کہتا ہے۔

(۴) نہ ہی کسی کی تکلیف اور مصیبت سے خوشی کا اظہار کرے۔

؎ مکن شادی بمرگ کسے　　　　که دهرت نماند پس از وے بسے

ترجمہ:۔ "کسی کی موت سے خوشی نہ ہو اسلئے کہ اس کے بعد تُو نے بھی نہیں رہنا۔"

(۵) لوگوں سے احسان و کرم سے پیش آئے۔ نیک ہے یا بُرا وہ احسان و کرم کا اہل ہے یا نہیں۔

(۶) لوگوں کی غلطیوں اور اُن کی درد و تکلیف رسانی پر صبر کرے اس سے ہی جوہرِ انسانی کا اظہار ہوتا ہے۔ ؎ تحمل چو زہرت نماید نخست　　　　ولے شہد گردد چو در طبع رست

ترجمہ:۔ "حوصلہ پہلے تو تجھے زہر محسوس ہو گا لیکن جب طبع میں رچ جائیگا تو تجھے میٹھا لگے گا۔"

(۷) کوئی اُسے گالیاں دے یا اس پر ظلم کرے یا ایذا پہنچائے تو معاف کر دے۔

(۸) کسی سے ایذا کے بچنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ یہ محال ہے اسلئے کہ خلقِ خدا اللہ تعالےٰ کو نہیں چھوڑتی پھر اُس کے بندے کیلئے ہیں۔

حکایت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے عرض کی کہ یا اللہ تعالےٰ جو عیوب میرے اندر نہیں میں تیرے سے سوال کرتا ہوں کہ تیری مخلوق میری بد گوئی نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جو بات میں نے اپنے لئے نہیں بنائی تجھے کیسے بری الذمہ کر سکتا ہوں۔ جب مخلوق مجھے نہیں چھوڑتی تو تمہیں کیسے چھوڑے گی۔

(۹) لوگوں کی حاجت براری میں کمی نہ کرے۔

حدیث شریف

میں ہے کہ جو شخص اپنے مُسلم بھائی کی حاجت براری کرتا ہے اور وہ اُس کا اہل بھی ہے تو گویا اس نے اللہ تعالےٰ کی ہزار سال عبادت کی۔

(۱۰) دردمند کی تکلیف دُور کرنے کی کوشش کرے اور اس کے غم والم دُور کرے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ہر اُس بندے کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ یہ بھی موجباتِ مغفرت سے ہے کہ جو شخص اپنے بھائی مُسلم کے دل میں راحت وسُرور کا سامان بہم پہنچائے۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی وہ لوگ جنہوں نے خود کو تمہارے ایمان کے مطابق بنایا اور اُنہوں نے تمہارے ہاتھوں پر سچّے دِل سے توبہ کی ہے تو تمہارے اوپر حق ہے کہ انہیں اچھی نصیحت کرو۔ اور انکی تربیت میں کسی قسم کی کمی نہ کرو۔ اُن کے اُمور میں اہمیت دو اور اُن کے مصالح میں خامی نہ کرو جیساکہ مشائخ کا طریقہ اور اُن کے سلوک کا لازمہ ہے انہیں ان کا وہ حصّہ دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاں اُن کے لئے امانت رکھی ہے۔ علم ہو یا حکمت بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری تمام نعمتوں کو جانتا ہے اور اُسے جانتا ہے کہ وہ کس کی امانت ہے وہ سب پر مطلع ہے قیامت میں سب کی گواہی دیگا۔ جبکہ وہ دینے میں خیانت کرے اور اُن کی خیانت کی بیماری کو جانتا ہے۔ اور قیامت میں اس خیانت کے متعلق اُن سے سوال کرے گا۔ اور تمہاری امانت کی گواہی دیگا اور اس پر تمہیں بہتر جزا دیگا۔ پس کامل وہ لوگ ہیں جو امانتوں کی ادائگی میں خیانت نہیں کرتے۔ بلکہ جنہیں وہ امانتیں سپرد کرنی ہیں انہیں پورے طور پر اور صحیح سالم لوٹا دیتے ہیں۔ جیسے کہ اُن کی استعداد ہوتی ہے اور نااہل کے سامنے راز افشانی بھی نہیں کرتے اور ایسے اسرار پر ایسے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں جو اُن کی صلاحیت ولیاقت اور اہلیت رکھتے ہیں ورنہ یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہے کہ نااہلوں کو ایسے اسرار سمجھائے جائیں۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرّہٗ نے فرمایا:-

۱۔ عارفانکہ جام حق نوشیدہ اند	رازہا دانستہ و پوشیدہ اند
۲۔ ہر کرا اسرار کار آموختند	مہر کردند و دہانش دوختند
۳۔ بر لبش قفلست و دردل رازہا	لب خموش و دل پراز آوازہا
۴۔ گوش آنکس نوشد اسرار جلال	کو چو سوسن صد زبان افتاد ولال
۵۔ تا نگوید سر سُلطان را بکس	تا نریزد قند را پیش مگس
۶۔ درخور دریا نشد جز مرغ آب	فہم کن وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ:- (۱) جن عارفین نے جام حق نوش فرمایا ہے وہ راز کو جاننے کے بعد پوشیدہ رکھتے ہیں۔

باقی صے ۴۲ پر

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ
بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا
حَفِظَ اللّٰہُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی
الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ
اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ
اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا ؕ
اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝ وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا
وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ
ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَمَا
مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ ۨالَّذِیْنَ
یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ
مِنْ فَضْلِہٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۝ۚ وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَھُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ
مَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَہٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَیْھِمْ لَوْ اٰمَنُوْا
بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَھُمُ اللّٰہُ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِھِمْ
عَلِیْمًا ۝ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا
وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ
وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا ۝ؕ یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا
الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِھِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰہَ حَدِیْثًا ۝ع

ترجمہ: مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لئے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لئے
کہ مردوں نے اُن پر اپنے مال خرچ کئے تو نیک بخت عورتیں ادب والیاں ہیں۔ خاوند کے پیچھے حفاظت

رکھتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا ہے۔ اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور اُن سے الگ سوؤ اور انہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہارے حکم پر آگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو بے شک اللہ بڑا بلند ہے۔ اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل پیدا کر دے گا۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دُور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنے باندی غلام سے۔ بیشک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا جو آپ بُخل کریں اور اوروں سے بُخل کے لئے کہیں اور اللہ نے جو انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپائیں اور کافروں کیلئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اللہ اور نہ قیامت پر، اور جس کا مصاحب شیطان ہوا اور تو کتنا بُرا مصاحب ہے۔ اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لاتے اللہ اور قیامت پر، اور اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے اور اللہ ان کو جانتا ہے، اللہ ایک ذرّہ بھر ظلم نہیں فرماتا اگر کوئی نیکی ہو تو اُسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔ تو کیسی ہو گی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں۔ اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں اُس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کر دی جائے اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔

تفسیر عالمانہ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ مرد عورتوں کے اُمورِ ضروریات کے منتظم ہیں۔ اور انہیں خرابیوں سے روکنے والے ہیں۔ جیسے حکام رعیّت

بقیہ صفحہ ۴۰

(۲) جنہوں نے اسرارِ الٰہیہ سیکھ لئے انہوں نے لبوں کو مُہر مار کر راز بتانے سے مُنہ کو سی لیا۔

(۳) دل میں ان کے راز پوشیدہ لیکن لبوں پر مُہر ہے۔

(۴) وہ کان اسرار سے سرفراز ہوتا ہے جو سوسن کی طرح سو زبان رکھنے کے باوجود گونگے ہو جاتے ہیں۔

(۵) تاکہ وہ کسی کو بادشاہ کے راز نہ بتا سکے تاکہ وہ کھانڈ پکھی کے آگے نہ ڈال سکے۔

(۶) دریا کے لائق صرف مرغابی دریائی جانور ہے اور بس اِسے اچھی طرح سمجھ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

کے اُمور کا انتظام کرتے ہیں اور اُنہیں حدِ اعتدال پہ رہنے کے لئے اِن پر مُسلط رہتے ہیں اِس کے متعلق دو علتیں بتائی ہیں۔ وہبی اور کسبی۔ وہبی تو یہ ہے کہ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بسبب اِس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے)۔ یہ ضمیر بارز تغلیباً ہر دونوں (مردوں اور عورتوں) کے لئے ہے یعنی اللہ تعالےٰ نے مَردوں کو عورتوں پر حزم و عزم اور قوت اور مُروّت اور حصُولِ رزق کے اسباب اور تیر اندازی اور شجاعت و سخاوت اور نکاح کی طلبگاری کا سلیقہ اور لکھائی کا طریقہ اور دیگر وہ ضروری اسباب جو مَردوں کے عورتوں پہ فوقیت پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرے وہ عادات جو جوامع السّادات کو شامل ہیں۔ اور وہ صرف مَردوں سے مخصوص ہیں اور کسی پر نہیں۔

وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ اور ساتھ اس کے کہ مَرد اپنے اموال سے عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یعنی بسبب مَردوں کے عورتوں کے نکاح میں اپنے اَموال خرچ کرنے کے مثلاً حق مہر دینا اور اُن کا خرچ ادا کرنا۔

مسئلہ :- اِس سے ثابت ہُوا کہ مَردوں پر عورتوں کا خرچ دینا واجب ہے۔

شانِ نزول مَروی ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (جو انصار کے نقباء میں تھے) نے اپنی زوجہ کو طمانچہ مارا۔ اس کا والد شکایت لیکر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس سے قصاص لیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل ہوئی حضور علیہ السّلام نے فرمایا۔ ہمارا ارادہ کچھ اور تھا لیکن اللہ تعالےٰ نے جو فرمایا ہے اس میں ہماری بہبودی اور بہتری ہے اِسی لئے طمانچہ وغیرہ کا کوئی قصاص نہیں۔ نفس اور باقی قصاص کے احکام کُتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

فَالصّٰلِحٰتُ اِن میں جو نیک عورتیں ہیں قٰنِتٰتٌ اللہ تعالےٰ کے احکام کی پابند ہیں اور اپنے شوہروں کی بھی فرمانبردار ہیں۔ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ حفاظت کرنے والی ہیں غیب کی۔ یعنی اُن اُمور کی حفاظت کرتی ہیں جو شوہروں کے غائب ہونے پہ اُن کی حفاظت اُن پہ واجب ہے۔ مثلاً اپنی فروج اور اموال اور گھروں کو غیروں سے بچاتی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ بہترین عورت وہ ہے جو جب شوہر دیکھے تو اُسے خوش کرے اور جب کوئی حکم کرے تو فوراً بجالائے اور جب شوہر گھر نہ ہو تو اس کے مال و نفس کی نگرانی کرے اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

فائدہ مال کی عورت کی طرف اضافت کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مال میں تصرف کی حیثیت سے مرد کا تصرف گویا عورت کا تصرف ہے۔ **بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ** ساتھ اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی ہے۔ یہ **مَا** مصدر یہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا اُن کی حفاظت کرنا۔ مثلاً انہیں غائبانہ محفوظ رہنے کا حکم کرنا پھر اُس کی حفاظت پر وعدہ دے کر ترغیب دینا اور اس کی وعید سُنا کر ڈرانا پھر اُس پر عمل کرنے کی توفیق بخشنا۔ یا **مَا** موصولہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس کے عوض کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت فرمائی کہ حق مہر اور خرچہ دینے کا حکم فرمایا ہے اور مردوں پر واجب فرمایا کہ عورتوں کے اُمور کا انتظام کریں اور اُن سے تکالیف وغیرہ دفع کریں۔ **وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ**، اور وہ عورتیں کہ جن کی بے فرمانی کا تمہیں خطرہ ہے۔ یہ خطاب مردوں کو ہے اور انہیں عورتوں کے انتظام کا طریقہ سمجھایا جا رہا ہے۔

فائدہ خوف ایک حالت کا نام ہے جو انسان کو کسی امر مکروہ کی وجہ سے عارض ہوتی ہے یا وہ اِس کے گمان سے ایسا ہو گا یا اس کے علم میں ہو گا کہ یہ شے مکروہ مجھے عارض ہو گی یا اُسے اِن دونوں طریقوں سے کسی ایک طریق سے معلوم ہو۔ یعنی تمہیں گمان ہو کہ عورتیں تمہاری بے فرمانی کریں گی یا تمہاری فرمانبرداری سے تکبّر اور سرکشی کریں گی **فَعِظُوْهُنَّ** تو اُنہیں ترغیب و ترہیب کر کے نصیحت کرو۔ حضرت امام ابُو منصور رحمہُ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَعظ سخت قلوب کو نرم کرتا ہے اور متنفر طبائع کو ترغیب دیتا ہے۔ انجام و نتائج کی تذکیر کا نام وَعظ ہے۔

وَاهْجُرُوْهُنَّ اور اُنہیں اس کے بعد چھوڑ دو۔ یعنی اگر انہیں وعظ و نصیحت نفع نہ دے اَلْهَجْر بمعنٰے کسی کو غصہ و رنج ظاہر کر کے چھوڑ دینا **فِي الْمَضَاجِعِ** بستروں میں یعنی انہیں اپنے لحافوں میں داخل نہ کرو۔ اور مضاجع مضجع کی جمع ہے۔ نیند کے لئے کروٹ رکھنے کی جگہ کو مضجع کہتے ہیں۔ **وَاضْرِبُوْهُنَّ** اور انہیں مارو لیکن دائمی طور پر نہیں بلکہ گاہے گاہے اور وہ بھی نہ اِتنا کہ انہیں بیہوش کر دے یا اُن کی کوئی ہڈّی ٹوٹ جائے اور نہ ہی انہیں زخمی کیا جائے۔ اُمور ثلاثہ کی تربیّت کا خیال ملحوظِ خاطر رہے **فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ** پس وہ اگر تمہارا کہا مان جائیں جو اصلی مقصود ہے **فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا** تو اُن پر کوئی راہ طلب نہ کرو۔ توبیخ اور اذیٰ وغیرہ نہ پہنچاؤ۔ یعنی اس کے بعد اُن کے پیچھے نہ لگ جاؤ اور اُنہیں ایسے سمجھو کہ گویا اُن سے کوئی فعل سَرزد نہیں ہوا۔ اسلئے کہ توبہ کرنے کے بعد گویا گناہ ہوا ہی نہیں۔ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا** بیشک اللہ تعالیٰ بُلند ہے یعنی قدرت کے لحاظ سے ان عورتوں پر تمہارے سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔

كَبِيْرًا بڑا ہے تمہارے اوپر حکم کے لحاظ سے اعظم ہے یعنی بہ نسبت تمہارے تمہاری عورتوں کے لئے بڑی قدرت رکھتا ہے۔ فلہٰذا اُس سے ڈرو اور جب وہ اپنی غلطیوں سے باز آجاتی ہیں تو تم اُنہیں معاف کردو۔ اسلئے کہ تم بھی بلند شان اور بڑی سلطنت والے رَبّ کی بے فرمانی کرتے ہو لیکن جب تم گناہوں سے توبہ کرتے ہو تو وہ تمہیں معاف کر دیتا ہے تمہیں بھی چاہیئے کہ تم بھی اپنے نافرمان کو معاف کردو جبکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے۔

مسئلہ :- کتابِ شرعہ اور اس کی شرح میں ہے کہ جب کوئی اپنی عورت سے معلوم کرلے کہ وہ گناہ کرتی ہے یا جھوٹ بولتی ہے یا کسی فاش غلطی کا ارتکاب کرتی ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اُسے طلاق دے دے۔ اور اگر صبر کرکے اس کے ساتھ گذارے اور اُسے اپنے حِق زوجیّت میں رکھے تو بھی جائز ہے۔

حکایت مَروی ہے کہ ایک شخص حضور سَرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میری عورت ہر غیر محرم سے میل جول رکھتی ہے باوجودیکہ مَیں روکتا ہوں تو وہ نہیں رُکتی۔ آپ نے فرمایا اُسے طلاق دیدے۔ عرض کی یہ میرے سے نہ ہوسکے گا۔ اسلئے کہ مجھے اُس سے بے پناہ محبّت بھی ہے آپ نے فرمایا اُسے اپنے پاس رکھ۔

فائدہ یہ آپ نے اسلئے فرمایا کہ اس مَرد کے لئے خطرہ تھا کہ اگر وہ اُسے طلاق دے دیگا تب بھی محبّت کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ اس فساد کو دفع کرنے کیلئے آپ نے فرمایا کہ اسے حقِ زوجیّت میں رہنے دے تاکہ اُس سے دُوری کی وجہ سے جو اُسے تنگی پیدا ہو گی طلاق سے یہی بہتر ہوا کہ وہ اُسے اپنے پاس رکھے۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ مَردوں کو ضروری ہے کہ وہ عورتوں کی ہر تکلیف کو برداشت کریں۔ لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ فاحشات پر صبر کرے اور وہ دیوث بے غیرت بنا رہے جیساکہ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ :-

ے گر بیاز کفش درد ہاں نہنگ　　　مردن بہ از زندگانی بہ ننگ

ترجمہ :- "اس کی غلیظ بکواسات سے روتا ہے تو ایسے جینے سے مَرنا بھلا۔"

حکمت کی باتیں بعض عُلمائے کرام نے فرمایا کہ عورت کی ایک دُکھ دَرد کی بات کو برداشت کرنا دَراصل بیس[۲] دُکھ دَرد برداشت کرنے ہیں۔ مثلاً (۱) بچّہ کی مار کٹائی سے نجات ملے گی۔ ۲- ہانڈی ٹوٹنے سے بچ جائے گی۔ ۳- گھر میں دوسرے جانور مار سے بچ جائیں

گے۔ ۴۔ بلی فضول اشیاء کھا جائے گی تو اس کی رکاوٹ کا سبب بحال رہے گا۔ ۵۔ مہمان کو کوچ نہ کرنا پڑے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اگر عورت کو مارا جائیگا تو گھریلو کاروبار درہم برہم ہو جائیگا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم سب کے سب حاکم ہو اور ہر حاکم سے اپنی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو عورت فوت ہو جائے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ بہشت میں داخل ہوگی۔

حدیث شریف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو عورت بھی دنیا میں اپنے شوہر کو ایذا پہنچاتی ہے تو اُس کی زوجہ حورعین اُسے کوستے ہوئے کہتی ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ ہلاک کرے تو اُسے مت ایذا دے وہ تو تیرے پاس چند گھڑیوں کا مہمان ہے عنقریب وہ تجھ سے جُدا ہو کر میرے ہاں آئے گا۔

بَین کرنے اور دیگر بُرے اعمال کی سزا اور نیک اعمال کی جزا

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کو زبان سے گالی دیتی یا کوئی رنجش کی بات کرتی ہے تو قیامت میں اس کی زبان ستّر (۷۰) گز کی بنادی جائے گی اور پھر اُسے گردن کے پیچھے باندھ دیا جائیگا اور فرمایا اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جو عورت اپنے رَبّ کی نماز بھی پڑھتی ہو لیکن اپنے شوہر کے لئے دُعا مانگنے سے پہلے اپنے لئے دُعا مانگتی ہے تو اُس کی نماز اُس کے مُنہ پر ماری جاتی ہے جب تک کہ وہ پہلے اپنے شوہر کے لئے دُعا نہ مانگے پھر اپنے لئے۔ پھر فرمایا اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جو عورت کسی میّت کے مَر جانے کے بعد اُس پر تین دن سے زائد روتی ہے تو اس کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اے عائشہ جو عورت کسی میّت پر نوحہ (بَین) کرتی ہے تو قیامت میں اس کی زبان ستّر گز بنادی جائے گی اور اُسے جہنّم کی طرف کھینچا جائے گا اُس کے ساتھ اُس عورت کو بھی کھینچا جائے گا جو اُس کے ساتھ بَین (نوحہ) کرتی تھی۔ اے عائشہ جو عورت کسی صدمہ سے اپنے مُنہ پر طمانچہ مارتی ہے اور اس صدمہ سے کپڑے پھاڑتی ہے تو اُسے قیامت میں نوح و لُوط علیہما السلام کی کافر عورتوں کے ساتھ اُٹھایا جائیگا پھر وہ اُس وقت ہر بھلائی سے مایوس ہو جائے گی جب اُس کی کوئی بھی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا۔ اے عائشہ! ہر وہ عورت جو قبور کی زیارت کو جاتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے۔ اِسی طرح دُنیا کی ہر خشک و تر شے لعنت کرتی ہے۔

جب تک کہ وہ اپنے گھر واپس نہیں لوٹتی اور وہ اِس اثنار میں اللہ تعالیٰ کے غضب وغصّہ میں گذارتی ہے اور اس وقت سے لیکر دوسرے روز تک اُس کی یہی حالت رہتی ہے۔ اگر وہ اس اثنار میں مر جائے تو وہ اہلِ نار سے ہوگی۔ اے عائشہ! نیکی میں بہت بڑی کوشش کر اور بہت بڑی جدّ وجہد کرتی رَہ۔ اسلئے کہ تم عورتیں یوسف علیہ السّلام کو دھوکہ دینے والی اور داؤد علیہ السّلام کو فتنہ میں ڈالنے والی اور آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکلانے والی اور نوح و لوط علیہما السلام کی بے فرمانی کرنے والی ہو۔ اے عائشہ! حضرت جبرائیل علیہ السّلام مجھے عورتوں کے متعلق بڑی تاکید سے وصیت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ مَیں نے گمان کیا وہ عنقریب اُن کی طلاق حرام کر دیں گے۔ اے عائشہ! مَیں ہر اُس عورت کا حامی ہوں جو طلاق نہ دی جائے۔ اے عائشہ! جو عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہوتی ہے تو اس کا ہر روز کا ثواب اِتنا ہے کہ گویا کسی نے شب بھر نماز پڑھی اور دن کو روزہ رکھا۔ اور کسی غازی نے اللہ تعالےٰ کے راستہ میں جہاد کیا۔ اے عائشہ! ہر وہ عورت جب بچّہ جنتی ہے تو اُسے ہر وضعِ حمل پر ایک بندہ آزاد کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اے عائشہ! ہر وہ عورت جو اپنے شوہر سے حقِ مہر جتنا قدر معاف کرتی ہے اُسے اس عمل سے حجِ مبرور اور عُمرہ مقبول کا ثواب نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کے نئے و پرانے ظاہری و باطنی عمداً یا خطاءً اوّل و آخر تمام کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہر وہ عورت جو اپنے شوہر کے ہر دُکھ درد کو برداشت کرتی ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اللہ تعالےٰ کی راہ میں خون سے لت پت ہو جائے۔ اور فرمانبردار ذکر کرنے والی مُسلمان مؤمن توبہ کرنے والی عورتوں میں ہوگی۔ (روضۃ العلماء) یہ حدیث بہت لمبی ہے مَیں نے اختصاراً لکھا ہے اور بہت سا مضمون حذف کر دیا گیا ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مَردوں کو عورتوں کا منتظم بنایا ہے۔ کہ عورتوں کا وجود مَردوں کے وجود کا تابع ہے۔ مَرد اصُول اور عورتیں اُن کی فروع ہیں۔ جیسے درخت ثمرہ کا فرع ہے کہ درخت ثمرہ سے پَیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح عورتیں مَردوں کی پسلیوں سے پَیدا ہوئی ہیں۔ پس جیسے بی بی حوّا ر اپنی پیدائش سے پہلے دوسروں کے قیام کی محتاج تھیں کہ وہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئیں اِسی لئے آدم علیہ السلام اس کے منتظم ٹھہرے اِسی طرح مَرد تمام عورتوں کے تمام دینی و دنیوی اُمور کے منتظم مقرر ہوئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ)۔ یہی وجہ ہے کہ مَرد استعدادِ کمالیّت، خلافت و نبوّت سے مخصوص ہیں۔ اِسی بنا پر مَرد توالد و تناسل

کے لحاظ سے مَردوں کا وجود اصل اور عورتوں کا وجود فرع ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مَردوں میں بہت زیادہ باکمال پیدا ہوئے ہیں۔ عورتوں میں صرف آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون، اور بی بی مریم بنت عمران کامل ہوئی ہیں۔ اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے طعامِ ثرید (ایک لذیذ عربی کھانے کا نام ہے) کی فضیلت تمام طعاموں پر ہے۔

فائدہ اس کے باوجود کہ وہ بہت بڑے کمال کو پہنچی تھیں لیکن خلافت و نبوّت کی صلاحیت و اہلیّت حاصل نہ کر سکیں۔ اُن کا یہ کمال بہ نسبت عورتوں کے ہے نہ کہ بہ نسبت مَردوں کے اس لئے کہ وہ بہ نسبت مَردوں کے ناقصات عقل و دین ہیں۔ یہاں تک کہ حضورُ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی تمام عورتوں پر اتنا بہت بڑی فضیلت کے متعلق فرمایا کہ حُمیرا بی بی یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے دین کی دو تہائی حصّہ دین کو حاصل کرو۔ عورتوں میں بہ نسبت مَردوں کے کمی بھی ہے اِسی لئے دین کے کمال کے حصُول کا حکم نہیں فرمایا۔ البتہ اُن کا کمال بہ نسبت عورتوں کے ہے کیونکہ یہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کا قانون ہے۔ فقیر جامع مجالس مذکورہ نفیسہ (یعنی صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ) نے کہا:۔

مرد باید تا کہ اقدامی کند	در طریقت غیرت نامی کند
چون نہٗ زمردی دم مزن	چون نہٗ دلبر مگو از حُسن تن
زن کہ کامل شد ز مرداں دست برد	مرد ناقص چوں زن ناقص بمرد

ترجمہ:۔ مَرد کو چاہیئے کہ وہ ہمّت کرے غیرت کے طریقہ میں نام پیدا کرے۔ اگر تجھ میں ہمّت نہیں تو دم نہ مار۔ جب تُو دلبر نہیں تو حُسن کا دَم نہ مار۔ عورت ہو کر کامل ہو جائے اور مَردوں سے بازی لے جائے تو مَردِ ناقص کو عورت کی طرح ناقص ہو کر مرنا چاہیئے۔

تفسیر عالمانہ وَإِنْ خِفْتُمْ اور اگر خوف کرو یعنی اگر تم جانو یا گمان کرو اے حاکمو۔ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا ان کے مابین اختلاف ہے یعنی زن و شوہر کے اختلاف سے تمہیں خطرہ ہے۔ اور یہ تمہیں معلوم نہیں کہ اختلاف اور نافرمانی کس سے واقع ہوئی۔ شِقاق بمعنیٰ مخالفت ہے اسلئے کہ اِن دونوں میں ہر ایک دوسرے کو چیرنا چاہتا ہے یا اس لئے کہ اِن میں ہر ایک کا شق دوسرے کے شق کے منافی ہے۔

فائدہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ جب اِن دونوں کے اختلاف

کا یقین ہو تو پھر بھی حَکَم (بفتحتین) (فیصلہ کرنے والا) مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس وقت بھی اُن کے اختلاف کے ازالہ کی اُمید ہے نہ یہ کہ اس کے وجود بالفعل کے جاننے کیلئے حکم مقرر ہو۔ فَابْعَثُوْا پس تو کھڑے کرو۔ زوجین کی طرف تاکہ ان کا اختلاف دُور ہو جائے۔ (حَکَمًا) کوئی مَرد عادل جو اصلاح اور فیصلے کے معاملات سے واقفیت رکھتا ہو۔ مِنْ اَهْلِهٖ شوہر کے گھر والوں سے وَحَکَمًا اور دوسرا اوصافِ مذکورہ کے حامل کو مِنْ اَهْلِهَا زوجہ کے گھر والوں سے اسلئے کہ قریبی رشتہ دار اُن کے اندرونی حالات کو زیادہ جانتے ہیں اور وہ اُن کی آپس کی اصلاح کے خواہشمند بھی ہیں اور وہ اُن کی خیر خواہی بھی کریں گے۔ اُن سے انہیں تسلّی ہو گی اور صرف اُنہیں کے سامنے اُن کی آپس کی دِلی محبّت یا بُغض کا اظہار ہو سکے گا۔ اِنْ یُّرِیْدَآ اگر زن و شوہر چاہتے ہیں۔ اِصْلَاحًا اصلاح یعنی وہ جو اُن کا آپس میں اختلاف پیدا ہوا اُسے دُور کرنا چاہتے ہیں یُوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا تو اللہ تعالےٰ انہیں توفیق بخشے گا۔ یعنی زن و شوہر کے درمیان فیصلہ کنندگان کی حُسنِ تدبیر سے موافقت و الُفت پیدا کر دے گا۔ اور اُن کی دِلوں میں مودّت و محبّت ڈال دے گا۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص کسی شے کی تلاش میں اخلاص کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس کے خلوص کی برکت سے اُس کے حصُول کے لئے برکت عطاء فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا بے شک اللہ تعالےٰ علیم خبیر ہے۔ یعنی وہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ اُن کا اختلاف کس طرح دُور ہو گا اور ان میں موافقت کس طرح پیدا ہو گی۔ **مسئلہ** :۔ آیت میں آپس میں اصلاح کی ترغیب ہے۔

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دُوں جو نماز روزہ اور صدقہ سے افضل ہو۔ عرض کی ہاں فرمایا وہ ہے آپس میں صُلح و صفائی۔

حدیث شریف ۲ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، خبردار! دین خیر خواہی کو کہتے ہیں۔ یہ تین دفعہ فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ کس کیلئے خیر خواہی ہو۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اُس کی کتاب اور مؤمنین کے آئمہ اور عوام کے لیے۔ اللہ تعالےٰ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لاتے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ

ٹھہرائے اور اس کے اوامر پر عمل کرے اور اُس کے نواہی سے رُکے۔ لوگوں کو اس کی دعوت اور دلالت الی الخیر کرے۔ اور اُس رسُول علیہ السّلام کی خیر خواہی یہ ہے کہ اُن کی سُنّت پر عمل کرے۔ اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلائے۔ اور اس کتاب کی خیر خواہی یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے اور اُس کی تلاوت کی جاوے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے اور لوگوں کو اس کی دعوت دی جائے اور آئمہ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اُن سے بغاوت کر کے تلوار نہ اُٹھائے اور اُن کو عدل وانصاف کی دعوت دے اور لوگوں کو اُس کی رہبری کرے۔ اور عوام کی خیر خواہی یہ ہے کہ اُن کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہے اور اُن کی آپس میں صُلح وصفائی کرائے اُن کا آپس میں جھگڑا اور لڑائی نہ ہونے دے اور اُن کے لئے ہمیشہ خیر و بھلائی کا خواہاں رہے۔

مسئلہ:۔ مُصلحین خیر النّاس اور مُفسدین شرار الخلق ہیں اسلئے کہ یہی لوگ زمین میں دنگا فساد ڈالتے اور فتنوں کو اُبھارتے ہیں۔ فتنہ و فساد کے ازالہ کی جدّوجہد نہیں کرتے۔ جیسا کہ وارد ہے کہ فتنہ نیند میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُس پر لعنت بھیجے گا جو اُسے جگاتا ہے۔

ع ازاں ہمنشیں تا توانی گریز کہ مر فتنۂ خفتہ راگفت خیز

ترجمہ:۔ جہاں تک ممکن ہو اُس ساتھی سے دُور ہو جو خفتہ فتنہ کو بیدار کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ یہ بھی منجملہ فتنہ و فساد ہے کہ ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے کہ جس سے اُن کا آپس میں جھگڑا و فساد برپا ہو۔ دانا ایسے آدمی سے دُور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ ے

(۱) بدی در قفا عیب من کرد و خفت تبر زد قرینے کہ آورد و گفت

(۲) یکے تیر افگندہ و در رہ فتاد وجُودم نیازرد و رنجم نداد

(۳) تو برداشتی و آمدی سُوئے مَن ہمی در سپوزی بہ پہلوئے مَن

ترجمہ:۔ (۱) جس نے پس پشت عیب کیا اُس کا کوئی حرج نہیں لیکن جو میرے پاس وہ عیب سناتے آیا اُس نے مجھے کلہاڑا مارا

(۲) جس نے مجھے تیر مارا تو وہ راستہ میں رہ گیا اُس نے کوئی رنج نہیں پہنچایا۔

(۳) لیکن تو لیکر آیا اور رپورٹ دی تو تُو نے ہی میرے جسم پر تیر گھونپ دیا۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب شیخ کامل اور مُرید ناقص کے مابین اختلاف پیدا ہو تو اُن کی اصلاح کے لئے دو طرح کے لوگ مقرر کئے جائیں، ایک

طرف سے مشائخ کاملین اور دوسری طرف سے معتبر سالکین تاکہ وہ اِن دونوں کی باتیں غور سے سُنیں اور پھر تحقیق کی خاطر اُن کے حالات کا جائزہ لیں۔ اگر دونوں کو آپس میں صلح و صفائی کا ارادہ ہو تو اللہ تعالےٰ انہیں حُسنِ ارادہ اور اچھی تربیت کی توفیق عطاء فرمائے گا۔ وہ ازل سے ہی اُن کے احوال کو جانتا ہے اور ازل سے ہی اُن کے انجام سے باخبر ہے اِسی اعتبار سے اُن کے منافع و نقصانات مقدر فرمائے ہیں۔ (کذا فی التاویلات للشیخ العارف نجم الدین الکبریٰ قدس سرہٗ)

مسئلہ: اِس سے معلوم ہُوا کہ اختلاف و نزاع جیسے عوام میں پیدا ہو جاتا ہے ایسے ہی عارفین و کاملین کے درمیان بھی ہوتا ہے۔ اُن کے اِس ظاہری اختلاف سے اُن کا باطنی اِتفاق ٹوٹ نہیں جاتا اور حکمتِ الٰہی کا تقاضا بھی یُونہی ہے لیکن ایسے بھید اور اسرار سے عوام بے خبر ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدین قدس سرہٗ اَولیاء کاملین کے اتحاد پر فرماتے ہیں۔

سے (۱) گر از ایشاں مجتمع بینی دو یار — ہم یکے باشند و ہم شش صد ہزار

(۲) بر مثالِ موجہا اعداد شان — در عدد آوردہ باشد بادشان

(۳) مؤمناں معدود لیک ایمان یکے — جسم شان معدود ولیکن جاں یکے

(۴) تفرقہ دَر روح حیوانی بوُد — نفس واحد روح انسانی بوُد

ترجمہ: (۱) اِن میں اگر یکجائی دیکھیں تو سمجھ لیں کہ واقعی وہ ایک ہیں اگرچہ بظاہر ہزاروں ہوں۔

(۲) یہ ایسے ہے جیسے دَریا کی موجیں کہ بظاہر وہ بہت ہیں لیکن دَرحقیقت وہ ایک شے ہیں۔

(۳) مؤمن بھی گِنتی میں بہت ہیں لیکن ان کا ایمان ایک ہی ہے اِن کے اجسام گِنتی میں آتے ہیں لیکن وہ ایک ایک جان ہیں۔

(۴) تفرقہ حیوانی روح میں ہے اِنسانی روح تو ایک شے ہے اور بس۔

خلاصہ: یہ کہ اہل اللہ سب کے سب ایک جان ہوتے ہیں اگر وہ مختلف ہوتے ہیں تو صرف جسماً۔ اور ایسا ظاہری تخالف اُن کے معنوی و حقیقی توافق کے منافی نہیں، ہر شے کا حُکم حیثیات کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔

تفسیرِ عالمانہ وَاعْبُدُوا اللّٰہَ اور اللہ تعالی کی عبادت کرو۔ عبادت فعل یا ترک (اسلئے کہ وہ حکمِ الٰہی کا نام ہے) اِس اعتبار سے قلوب و اعضاء کے تمام اعمال و افعال عبادت کی تعریف میں داخل ہو گئے۔ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ

شَیْئًا اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ خواہ وہ اشیاء از قسم اصنام ہوں یا کوئی شے اور وہ شرکِ جلی یعنی کفر ہو یا خفی یعنی ریاء۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ یہاں پر باء بمعنیٰ الیٰ ہے جیسے وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ میں باء بمعنیٰ الیٰ ہے۔

سوال:۔ ماں باپ کے احسان کو کیوں شروع کیا گیا ہے ؟

جواب:۔ اسلئے کہ تمام حقوق میں سے (بعد از عبادتِ الٰہی) والدین کے حقوق کو فوقیت حاصل ہے۔

فائدہ اِن سے احسان کا یہ معنیٰ ہے کہ اِن کی ہر طرح کی خدمت بجالانا اور اُن کے سامنے اُونچا نہ بولنا اور اُن کے ساتھ سخت کلامی نہ کرنا۔ اُن کے مُطالبات پورے کرنے میں پوری جدوجہد کرنا اور بقدر امکان اُن کی ضروریات پر خرچ کرنا۔ وَّبِذِی الْقُرْبٰی اور قریبی رشتہ داروں پر یعنی وہ لوگ جو کہ قرابت کے لحاظ سے قریب ہوں۔ جیسے بھائی یا چچا یا ماموں وغیرہ صلۂ رحمی کی بناء پر اور اُن پر رحم کرتے ہوئے اگر انہیں ضرورت ہو تو اُن کے لئے وصیت کی جائے اور اُن کا خرچہ دیا جائے۔ وَالْیَتٰمٰی اور یتیموں پر یعنی اُن پر خرچ کرنا اگر اُنہیں ضرورت ہو۔ اگر اُن کے ہاں مال ہے اور اسے اُس کے مال کا وصی مقرر کیا گیا ہے تو اُس کی حفاظت کا حق ادا کرے۔ وَالْمَسٰکِیْنَ اور مسکینوں پر بھی یعنی اُن سے احسانات کرنا اور صدقات دینا اور طعام کھلانا اور اُن کے سوالات کے جوابات نرمی سے دینا۔ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی اور وہ ہمسایہ جو سکونت کے لحاظ سے قرب رکھتا ہے یا ہمسائیگی کے علاوہ اُسے نسب اور دین کے لحاظ سے تمہارے ساتھ قرابت ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ہمسائیگاں کے حقوق صرف وہی ادا کرسکتا ہے جس پہ اللہ تعالےٰ کا رحم وکرم ہو اور تم میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ہمسائیگاں کے حقوق جانتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جس چیز کی انہیں ضرورت ہو اُسے پورا کرو۔ اگر قرض چاہتے ہیں تو قرض دو۔ اگر انہیں کوئی خوشی حاصل ہو تو مبارک باد پیش کرو۔ اگر کوئی تکلیف لاحق ہو تو اُس کا اظہارِ افسوس کرو۔ اگر بیمار ہوں تو طبع پُرسی کرو۔ اگر مرجائیں تو

نمازِ جنازہ بھی پڑھو اور دفنانے تک ساتھ رہو۔

وَالْجَارِ الْجُنُبِ اور وہ ہمسایہ جو اجنبی ہے یا وہ ہمسایہ جس سے قرابتی تعلق نہیں۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا ہمسائیگان تین قسم ہیں اور ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔ ایک وہ ہمسایہ ہے کہ جس کے دو حقوق ہیں۔

۱۔ حق ہمسائیگی۔

۲۔ حق اسلامی۔

دوسرا وہ ہے جس کے دو حقوق ہیں

۱۔ حق ہمسائیگی۔

۲۔ حق اسلام

تیسرا وہ ہمسایہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے وہ ہے صرف ہمسائیگی کا حق ہے۔ وہ اہلِ کتاب ہے **وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ** اور وہ دوست جو کسی اچھے معاملہ کی وجہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً تعلیم حاصل کرنا یا کوئی معاملۂ تصرف اکٹھے کرنا یا ہم صنعت یا ہمسفر ہونا۔ یہ بھی صحبت کی حیثیت سے احسان و کرم کے حقدار ہیں۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو مسجد میں نماز کے لئے تیرے قریب ہو یا کسی مجلس میں ساتھ بیٹھے وغیرہ وغیرہ انہیں بھی حق ہمسائیگی حاصل ہوتا ہے **خلاصہ:-** یہ کہ معمولی سی مناسبت سے بھی حقِ ہمسائیگی بن جاتا ہے۔ اسی حق کی بنا پر اس کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اِس مناسبت سے اُس کے ساتھ لطف و کرم اور احسان ضروری ہے۔ **وَابْنُ السَّبِيْلُ** اور وہ مُسافر جو اپنے شہر اور مُلک و مال سے دُور ہو اُس کے ساتھ یہ احسان ہے کہ اُسے ہر طرح سے آسودگی اور اس کے ضروریات پورے کئے جائیں یا اس سے وہ مہمان مُراد ہے جو مہمان ہونے کی حیثیت سے تمہارے ہاں ٹھہرے۔ اُس کے حقوق میں سے یہ ہے کہ اسے تین دن تک مہمانی دی جائے۔ اس کے بعد اُس کے ساتھ جو کچھ احسان و مُروّت کی جائیگی وہ صدقہ میں شمار ہوگا۔ مہمان کو بھی چاہیئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ میزبان کے ہاں تین دِن ٹھہرے۔ ایسا نہ ہو کہ اُسے کہنا پڑے کہ اب معاف کرو۔ **وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** اور وہ جو تمہاری ملکیّت میں ہیں یعنی غلام اور کنیز وغیرہ ان کے ساتھ۔ احسان کا یہ معنیٰ ہے کہ انہیں آداب سکھائے اور اُن کی طاقت سے زائد کوئی کام نہ بتلائے اور نہ ہی سارا دن انہیں

کام میں لگائے رکھے اور نہ ہی انہیں گالی گلوچ یا سخت کلامی سے پیش آئے بلکہ اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور انہیں اُن کی ضرورت کا طعام اور لباس دے۔

مسئلہ:۔ بعض مُفسّرین نے کہا ہے کہ اس میں وہ حیوانات بھی شامل ہیں جو تمہاری ملکیت ہیں۔ اور اِن سے احسان کا مطلب یہ ہے کہ اُن سے وہی کام لے جو اُن کے لائق ہے وغیرہ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا بیشک اللہ تعالےٰ اس سے محبّت نہیں کرتا جو متکبّر ہے یعنی وہ اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں اور دوستوں سے نفرت کرتا اور اُن سے غیر ملتفت رہتا ہے۔ فَخُوْرًا بمعنی متفخر یعنی ایسا فخر کرنے والا جو اس کی شان کے لائق نہیں اور اہل حقوق کے حقوق نہیں اَدا کرتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فخور وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا یٰمُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام میں ہی معبود برحق ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں، صرف میری ہی عبادت کیجئے۔ میں واحد لاشریک ہوں جو میری قضار و قدر پر راضی نہیں اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا وہ میری دی ہوئی مُصیبت پر صبر نہیں کرتا اور میری عطا پر قناعت پذیر نہیں ہوتا۔ اسے چاہیئے میرے سوا جسے چاہے رَبّ بنا کر اس کی عبادت کرے۔ اے موسیٰ علیہ السّلام میرے سجدہ گذار بندے نہ ہوتے تو مَیں بارش کے قطرات کو آسمان پر ہی روک لیتا۔ اے موسیٰ علیہ السّلام اگر میرے توبہ کرنے والے بندے زمین پہ نہ ہوں تو مَیں مجرموں کو زمین میں دھنسا دوں۔ اگر نیک بخت بندے نہ ہوں تو خطا کاروں کو مٹا کر رکھ دُوں۔

فائدہ عبادت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے جمیع اَوامر و نواہی کی پابندی کرتے ہوئے دُنیا و آخرت کے کسی معاملہ کو درمیان میں نہ لایا جائے اس لیے کہ اگر اللہ تعالےٰ کی عبادت کسی خوف سے کی جائے یا کسی طمع کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ عبادت نہ ہوئی بلکہ سوداگری ہوئی پھر وہ اللہ تعالےٰ کی عبادت نہ ہوئی بلکہ اس شے کی عبادت کی گئی۔ حقیقی عبادت یہ ہے کہ مولیٰ کو مولیٰ سے ہی طلب کرے درمیان سے دُنیا و آخرت کے تصوّرات بالکل ہٹا دے۔ اور اس کی قضا و قدر کے سامنے سرِ تسلیم خم ہو اور اُس کی ہر نعمت پر شکر ہی شکر کا تصوّر ہو۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ توحید خالص کی جدّ و جہد کرے اور ہر طرح کے شرک سے اجتناب کرے تاکہ اسے منزلِ مقصُود تک پہنچنا نصیب ہو۔ بعض عارفین نے کیا خوب

فرمایا :- ؎ (۱) نقد ہستی محو کن در لاالٰہ ! تا بہ بینی دار ملک پادشہ !
(۲) غیر حق ہر ذرہ کان مقصود تست تیغ لا برکش کہ آن معبود تست
(۳) لا کہ غیر ش وفرش را برمی درد از فنا سوئے بقارہ میبرد !
(۴) لا ترا از تو رہائی مے دہد با خدایت آشنائی میدہد
(۵) چوں تو خود را ازمیاں برداشتی قصر ایمان را درے افراشتی

ترجمہ : (۱) لاالٰہ میں نقد ہستی مٹادے تاکہ تجھے بادشاہ کا دارالخلافہ نصیب ہو۔
(۲) اگر ذرہ کائنات میں تیرا غیر حق مقصود ہے اُسے لا کی تلوار سے کاٹ دے کیونکہ یہ تیرے غلط معبُود ہیں
(۳) لا تمام غیر اور اس کے متعلّقات کو کاٹ دیگا فنا سے بقا تک پہنچا دے ۔
(۴) لا تجھے خودی سے نجات دیگا اللہ کے ساتھ تیرا تعلق جوڑ دے گا۔
(۵) جب تو اپنے سے فارغ ہوجائے گا تو قصرِ ایمان کا دروازہ تجھ پر کھُل جائے گا۔

فائدہ جب بندہ اپنے مقصود کو پالیتا ہے یعنی اسے معبودِ حق کا وصال ہوجاتا ہے تو پھر اس سے والدین واقربین اور یتامیٰ و مساکین وغیرہ وغیرہ کے صحیح طور احسان کرنے کی دولت نصیب ہوتی ہے اسلئے کہ احسان اللہ تعالےٰ کی صفت ہے کما قال الذی احسن کل شیء خلقہ یعنی" وہ جس نے اپنی مخلوق کو اچھا بنایا" اور کسی سے بُرائی کرنا انسان کی صفت ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ یعنی" بیشک نفس بُرائی کا حکم دیتا ہے" انسان سے احسان کا صدُور ناممکن ہے جب تک کہ وہ متخلّق باخلاق اللہ نہ ہو چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ یعنی " وہ جو تجھے بھلائی پہنچے وہ اللہ سے ہے اور وہ جو تجھے بُرائی پہنچے وہ تیرے نفس سے ہے"

تفسیرِ صُوفیانہ آیت میں دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ بندہ کی عبُودیّت میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ پورے طور متوجہ الی اللہ ہو اور ماسویٰ اللہ سے بالکل اعراض کرلے اور احسان و مُروّت کا صدُور بالکل ناممکن ہے جب تک وہ متخلّق باخلاق اللہ نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ عہدہ عبُودیّت سے نکل کر حضرتِ ربُوبیت میں پہنچ جائے ۔ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو

کر والدین و اقربین وغیرہ سے احسان کرے۔ لیکن نہ اس میں شرک کا شائبہ ہو اور نہ ہی ریاء کی بُو ہو۔ اِس لئے کہ شرک و ریاء ہر دونوں بقائے نفس پر دلالت کرتے ہیں اِسی لئے اللہ تعالےٰ نے آیت کے آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالاً فَخُوْراً۔ اس لئے کہ تفخّر و تکبّر ہر دونوں نفس کے اوصاف ہیں اور اللہ تعالےٰ نہ نفس سے محبّت کرتا ہے اور نہ ہی اُس کے اوصاف سے کیونکہ یہ نفس بھی اللہ تعالےٰ سے محبّت نہیں رکھتا بلکہ محبت اس کے اوصاف سے ہیں ہی نہیں اِس لئے کہ وہ تو دُنیا اور اُس کے نقش و نگار (اور جو بھی اُس کے متعلق ہیں) کا عاشق ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ شرک ابنِ آدم میں اس چیونٹی سے زیادہ چھُپا رہتا ہے جو اندھیری رات میں سخت پتھر پر چلتی رہتی ہے۔

فائدہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی مخلوق اُس کے ڈر سے یا اُس سے کسی نفع رسانی کے ارادہ پر خدمت کرتا ہے تو وہ عملی شرک میں مبتلا ہے۔

ے
اگر بے وضو در نماز ایستی ! | کہ داند چو در بند حق نیستی
گرش باخدا در توانی فروخت | بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت
در آتش فشانند سجادہ ات | اگر جُز بحق میرود جادہ ات

ترجمہ :۔ "جب تُو حق کی رضا میں نہیں کسی کو کیا خبر اگرچہ تُو نماز بے وضو پڑھ رہا ہے۔
ریا کا خرقہ پہننا آسان ہے اگر تُو اسے اللہ تعالےٰ کے ہاں بیچنا چاہتا ہے۔
اگر اللہ کے سوا دوسرے ارادہ پر تیرا مُصلا بچھا ہے تو تیرا وہ مُصلا آگ میں ڈالیں گے۔"

اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَقَدِمْنَا اِلیٰ مَاعَمِلُوا مِنْ اِلیٰ مَاعَمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ هَبَاءً مَنْثُوراً۔ یعنی وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی پر نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کا ثواب ضائع کر دیتا ہے وہ ایسے ہو جاتے ہیں جیسے اُڑتی ہوئی غُبار بیکار ہوتی ہے۔

فائدہ هَبَاءً اُس غبار کو کہتے ہیں جو دُھوپ میں اُڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔

شانِ نزول ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں صرف اللہ کی رضا کی خاطر کچھ صدقہ دینا چاہتا ہوں لیکن یہ بھی چاہتا ہوں کہ اس میں میری تعریف ہو۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّہٖ جو شخص اللہ تعالےٰ کی حاضری کا خوف رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ نیک عمل کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وہ لوگ جو اس سے بُخل کرتے ہیں جو انہیں عطا ہوا۔ اَلَّذِیْنَ الخ مُبتدا ہے اُس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی اَحِقَّاءُ الخ یعنی وہ ہر ملامت کے حقدار ہیں۔ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ اور لوگوں کو ان چیزوں کے بُخل کا حکم دیتے ہیں جو انہیں عطا ہوئیں۔ اِس کا ماقبل پر عطف ہے۔ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ اور چھُپاتے ہیں اُسے جو انہیں اللہ تعالٰی نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے یعنی مال و دولت۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا اور ہم نے کُفّار کے لئے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے "۔ یہاں اسمِ ضمیر کے بجائے اسمِ ظاہر لایا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جس کی یہی کیفیت ہو وہ اللہ تعالٰی کی نعمتوں سے کفر کرنے والا ہے اور جو اللہ تعالٰی کی نعمتوں سے کُفر کرتا ہے وہ اِس لائق ہے کہ اُسے اہانت کرنے والے عذاب میں مبتلا کیا جائے جیسے وہ اللہ تعالٰی کی نعمتوں چھُپا کر اور بُخل کر کے اللہ تعالٰی کی نعمتوں کی اہانت کرتا ہے۔

شانِ نزول یہ آیت اُن یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو اہلِ اسلام کو خرچ کرنے سے روکتے اور کہتے کہ تمہارے اس خرچ کرنے سے ہمیں تمہارے فقیر اور محتاج ہونے کا خطرہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَآءَ النَّاسِ اور وہ لوگ جو دوسرے لوگوں کے دکھاوے پر خرچ کرتے یعنی بطور فخر خرچ کرتے ہیں ان کا اس خرچ سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں کہیں کہ کیسے سخی اور کیسے کریم ہیں انہیں اللہ تعالٰی کی رضا ہرگز مطلوب نہیں ہوتی۔ اس کا عطف اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ پر ہے اور رِئَآءَ النَّاس اس کا مفعول ہے۔

سوال:- بُخل اور رِیاء کو مذمت ملامت میں کیوں شریک کیا گیا ہے ؟۔

جواب:- بُخل اور وہ فضول خرچی جو کہ بیجا خرچ کیا گیا ہے۔ ہر دونوں افراط و تفریط کے طریقے ہیں۔ ہر دونوں قبح میں برابر ہیں۔ ہر دونوں اس لائق ہیں کہ اُن کی مذمّت اور ملامت کی جائے۔

وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ دِن آخرت پر۔ تاکہ خرچ کر کے اللہ تعالٰی کی رضا اور آخرت کا ثواب حاصل کریں۔

فائدہ اِس سے مُشرکینِ مکّہ مُراد ہیں کہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی عداوت و دُشمنی میں اپنا مال خرچ کرتے تھے۔

وَمَنۡ يَّكُنِ الشَّيۡطٰنُ لَهٗ قَرِيۡنًا فَسَآءَ قَرِيۡنًا ؕ اور جس کا شیطان ساتھی ہو پس وہ اُس کا بہت بُرا ساتھی ہے ۔ یعنی شیطان بُرا دوست اور خراب رفیق ہے۔ اسی طرح شیطان کے حامی کہ وہ قبائح کی رغبت دیتے اور بہترین طریق سے پیش کرتے ہیں ۔ وَمَاذَا عَلَيۡهِمۡ اور کیا ہے اُن پر یعنی وہ لوگ جو مذکور ہوئے لَوۡ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ اگر وہ ایمان اللہ تعالےٰ اور یوم آخرت پر اور خرچ کریں اُس سے جو انہیں اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا ہے صرف اللہ تعالےٰ کی رضا جُوئی پر خرچ کریں اِس لئے کہ ایمان باللہ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِر اس کا مقتضی ہے کہ یہ خرچ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور اس میں ثواب مطلوب ہو۔ یعنی انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی رضا کے لئے خرچ نہیں کرتے ۔

فائدہ اس میں انہیں زجر و توبیخ ہے کہ وہ اچھے مصرف سے بے خبر اور نیک اعتقاد سے جاہل ہیں بخلاف اس کے کہ اسے یہ باتیں نصیب ہیں ۔ اس جواب طلبی میں تفکر کی دعوت مقصود ہے تاکہ وہ اس سے اپنے انجام بخیر کو معلوم کر کے بہت بڑے فوائد و فضائل کو حاصل کر سکیں اور ساتھ ہی یہ تنبیہہ کر دی گئی کہ جس کی تمہیں دعوت دی گئی ہے اس میں تمہارا نقصان نہیں بھلائی ہی بھلائی ہے ۔ فلہذا اُس کے حصول میں جدّ و جہد کی جائے تاکہ لاتعداد وَلَا تُحۡصٰی منافع نصیب ہوں ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمۡ اور اللہ تعالےٰ اُن کے حالات مخفیہ سے عَلِيۡمًا باخبر ہے ۔ اس میں بھی اُن کو وعید و عتاب سُنایا گیا ہے کہ اس میں انہیں اللہ تعالےٰ نے خبر دی ہے کہ اے بدبختو ! تم قاصر الہمۃ ہو اور تمہاری نظر اتنی کوتاہ ہے کہ تم دُنیا کمینی کے حصول میں لگے ہوئے ہو یہ تو بالکل قلیل شئے ہے اور وہ جو آخرت کے بُلند مراتب اور اعلیٰ مقامات ہیں اُن کے حصول سے محروم پھر رہے ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی رضا اور طلبِ حق میں خرچ نہیں کرتے بلکہ ایسے بیجا خرچ کرتے ہو تمہیں خاک برابر بھی فائدہ نہیں دیں گے ۔

ؔ
ہر کہ مقصودش از کرم آنست کہ بر آرد بعالم آوازہ
باشد از مصر فضل و جود و کرم خانۂ او بیروں ز دروازہ

ترجمہ :۔ جس کا سخاوت سے مقصود یہ ہو کہ اس کی شہرت ہو شہر سے باہر تو اس کے فضل اور جود و کرم کی شہرت ہو گی لیکن اس کا گھر کریم حقیقی کے دروازہ سے باہر ہوگا۔

ریا کار کی بہترین مثال :۔ بعض حکماء فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو ریا و سمعۃ کی نیت پر نیک عمل کرتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ وہ بازار میں کنکریوں کا تھیلہ بھر کر پھر رہا ہے اور لوگ اُسے دیکھ کر کہتے ہیں کہ اِس کے پاس کتنا بے شمار مال و دولت ہے اُسے اُس سے کوئی فائدہ نہیں صرف اتنا کہ لوگ اُسے مالدار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خریدنا چاہے تو اُسے کوئی شے نہیں ملے گی۔ اسی طرح ہر وہ نیک عمل کرتا ہے تو ریاء کر کے یا شہرت کی غرض پر ۔

روحانی نسخے حضرت حامد اللفاف رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو اللہ تعالےٰ برباد کرنا چاہتا ہے تو اس سے تین عمل سرزد ہوتے ہیں ۔

۱ :۔ علم حاصل کرتا ہے لیکن اس سے عُلماء کے کردار سے محرومی ہوتی ہے ۔

۲ :۔ بزرگوں کی صحبت تو حاصل ہے لیکن اُن سے معرفت نہیں حاصل کر سکا ۔

۳ :۔ عبادت تو بہت کرتا ہے لیکن اخلاص کی دولت سے دُور ہے ۔

یہ سب کچھ بُری نیّت اور غلط ارادہ کا نتیجہ ہے اِسلئے کہ اگر اس کی سچّی نیت ہوتی تو اُسے اللہ تعالےٰ ضرور علم سے نفع بخشتا اور صحبتِ بزرگوں سے مالا مال فرماتا اور عمل میں خلوص کی دولت عطا فرماتا ۔

؎ عبادت باخلاصِ نیّت نکوست — وگرنہ چہ آید زبے مغز و پوست
چہ زنار مُغ درمیانت چہ دَلق — کہ دَر پوشی از بہر پندار خلق

ترجمہ :۔ عبادت میں اخلاص اور نیک نیتی ضروری ہے ورنہ بے مغز و پوست سے کیا حاصل ہوگا تیری کمر میں بت کا زنار ہو یا دُرویش کی گدڑی کوئی فائدہ نہیں جب ارادہ لوگوں کے دکھاوے کا ہو ۔

سبق سالک کو لازمی ہے کہ وہ خرچ کرتے وقت بلکہ ہر نیک عمل کرتے وقت ریاء سے بچے اور اُسے چاہیئے کہ سخاوت کی عادت بنائے بُخل سے دُور بھاگے اس لئے کہ مال میں شُکر کی ادائیگی اللہ تعالےٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے ہوتی ہے ۔ حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ۔ ؎ توانگر کہ نہ دارد پاس دُرویش — زدست غیر تش بر جان رسد نیش

ترجمہ :۔ اور وہ دولتمند جو دُرویش کا خیال نہ رکھے تو اُسے غیر سے نقصان پہنچے گا ۔

اِسی کے مُطابق حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا ہے ۔

؎ گنج قاروں کہ فرو می رود از فکر ہنوز — خوانده باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

ترجمہ :۔ قارون کا خزانہ تاحال زمین میں دھنسا جا رہا ہے تمہیں معلوم نہیں وہ بھی دُرویشوں کی

غیرت کا نتیجہ ہے۔

مسئلہ: جو بخیل ہو کر دوسروں کو بخل کا حکم کرے تو یہ دوہرا گناہ ہے۔

بخیل کے علامات: صاحبِ کشاف نے فرمایا کہ ہم نے اُن لوگوں کو آزمایا ہے کہ جنہیں بخل کی بیماری ہوتی ہے۔ جب وہ سنتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں پر احسان و مروّت میں اتنا دیا تو وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے اور اس کا دِل دھڑکنے لگ جاتا ہے اور بیقرار اور مضطرب نظر آتا ہے اور اس کی آنکھیں نیلی اور پیلی ہو جاتی ہیں۔ گویا اس کا اپنا مال و اسباب مارا گیا ہے اور اُس کے ہی خزانے لُوٹے گئے ہیں۔ یہ صرف دوسرے کی سخاوت سے اُسے حسرت اور پریشانی ہوتی ہے۔ صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ یہ ہر زمانے میں ہوتا ہے کہ ایک تو خود نہیں دیتے پھر دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔ بلکہ اگر انہیں قدرت حاصل ہو تو دینے والے کا ہاتھ روک لیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ بخیل ایسے بدبخت ہیں کہ جو کارِ خیر کا ارادہ کرتا ہے مثلاً چھوٹی اور بڑی پُل بنانے کا اور کنوئیں کے کھودنے کا، اسی طرح اور دوسرے اُمورِ خیر تو بجائے خوش ہونے کے بُرا مناتے ہیں۔ یہ محض ان کی بدبختی اور کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گذاری کے بجائے ناشکری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بہرحال بدبخت سے بدبختی کا اظہار ہوتا ہے۔

ے چو منعم کند سفلہ را روزگار — نہد بر دلِ تنگ دُرویش بار

چو بام بلندش بود خود پرست — کند بول و خاشاک بر بام پست

ترجمہ:۔ جب روزگار کسی کمینے کو دولتمند بناتا ہے تو وہ دُرویش کا دِل پریشان کرتا ہے جب کسی خود پرست کی چھت کی دیوار بُلند ہو تو وہ نیچے والی چھتوں پر کوڑا کرکٹ ڈالتا ہے۔"

رُوحانی نسخے حضرت بشیر بن حارث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بخیل کو دیکھنے سے دِل زنگ آلود ہوتا ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ بخیل سے دُور رہے اُس کی صحبت اور اس کے ساتھ بیٹھنے کو زہرِ قاتل سمجھے۔

ے (۱) چونکہ باشد مجاورت لازم — ہمجوارِ کریم باید بود

(۲) گر کنی با کسے مشاورۂ — آں مشاورِ حکیم باید بود

ترجمہ: (۱) اگر تیری کسی کے ساتھ ہمسائیگی ہو تو سخی سے ہونی چاہیئے۔

(۲) اگر کسی سے مشورہ کرنا ہے تو دانشمند سے مشورہ لینا چاہیئے۔"

سخاوت میں دین و دُنیا اور آخرت کے بہت بڑے برکات نصیب ہوتے ہیں ۔

حکایت ایک مجوسی نے ایک سو دینار صدقہ کیا ۔ حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اِس سے پوچھا کہ تجھے اس صدقہ سے کیا فائدہ ۔ مجوسی نے رو کر آسمان کی طرف دیکھا تو آسمان سے ایک رقعہ سبز خط سے لکھا ہُوا نیچے اُترا اور مجوسی پر آپڑا ۔ اِس رقعہ کا مضمون یہ تھا

سے مکافاۃ السّماحۃ دار خلد وامن منْ مخافۃ یوم بُوس

ومانار بمحرقۃ جوادا ؟ ولو کانَ الجواد من المجوس

ترجمہ ؛۔ سخاوت کا بدلہ بہشت ہے ۔ اور بہت بڑے خطرے والے دن سے اُمن بھی اور سخی کو آگ نہیں جلائے گی اگرچہ وہ مجوسی ہو ۔

اِزالۂ توہم ؛۔ یعنی اللہ تعالےٰ سخی کو ایمان کی دولت سے نوازے گا ۔ اگر وہ کافر ہو تو اُسے ایمان لانے کی توفیق ہو گی پھر زیادہ سے زیادہ نیکی کرے گا اور اُس میں خلوص بھی پیدا کرے گا ۔ اور اگر وہ مومن ہو تو اُس کے درجات بُلند کرے گا اور اُسے اس لائق بنا دے گا کہ وہ مشاہدۂ حق سے نوازا جائے ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ بیشک اللہ تعالیٰ ذرّہ برابر بھی کمی نہیں کرتا یعنی کسی کے اَجر میں کمی نہیں ہو گی اور نہ ہی مستحق عذاب کے عذاب میں اضافہ ہو گا ۔ ذَرَّۃٌ دراصل اُس سُرخ چیونٹی کو کہتے ہیں جو چلے تو نظر نہ آئے یا مٹی کے وہ اجزاء جو معمولی سے معمولی سمجھے جاتے ہیں یا اُڑتے ہوئے غبار کے وہ ذرّات جو گھروں میں سُورج کی روشنی میں نظر آتے ہیں ۔ مقام مبالغہ میں یہی معنٰی زیادہ مناسب ہے ۔

مسئلہ ؛۔ اسے ظلم کی بالکلیہ نفی مُراد ہے اس لئے کہ قلیل کی نفی سے کثیر کی خود بخود ہو جاتی ہے کیونکہ قلیل کثیر میں داخل ہوتا ہے ۔

وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً اور اگر وہ نیکی ہو یعنی وہ جو کہ ذرّہ برابر ہے اگر نیکی ہے ۔

سوال ؛۔ یہاں مؤنث کا صیغہ کیوں لایا گیا ؟ ۔

جواب ؛۔ خبر کی مناسبت پر کہ اُس کی خبر (حَسَنَۃ) مؤنث ہے یا اس لئے کہ مثقال کا مضاف الیہ مؤنث ہے ۔ (اس کی رعایت کر کے صیغہ مؤنث کا لایا گیا ہے) ۔

سوال:۔ تَکُ دراصل تَکُنُ تھا۔ اِنْ کَانَ یَکُوْنُ۔ پھر وہ نون کہاں گیا؟۔
جواب:۔ علیٰ خلاف القیاس نون کو حذف کیا گیا ہے یا حرفِ علت سے مشابہت کی وجہ سے یا کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔

یُضٰعِفْھَا اس کے ثواب کو دو گنا کرے گا۔ یہاں حسنۃ سے اس کا اَجر مُراد ہے اِس لئے کہ نفسِ حسنہ تو دوہرا نہیں ہوتا اور اس کا تضاعف کا طریقہ یہ ہے کہ اُسے مثلاً ایک نماز کے بجائے دو نماز کا ثواب ملے اور اتنا مقدار کہ اللہ تعالےٰ ہی جانے۔ **وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ** اور اپنی طرف سے اس کے عامِل کو محض اپنے فضل وکرم سے اس سے زائد عطا فرمائے کہ جس کا اِس نیکی کے عوض وعدہ فرمایا ہے۔ **اَجْرًا عَظِیْمًا** بہت بڑا اَجر یعنی بہت بڑی عطاء۔

سوال:۔ اِس عطاء کو اَجر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ عطاء کو اَجر سے کوئی مناسبت نہیں ہے؟۔
جواب:۔ چونکہ عطا بالتبع اَجر پر زائد عنایت ہوئی ہے اِسی لئے اسے اَجر سے تعبیر کیا گیا ہے۔
نکتہ:۔ تفسیر تیسیر میں لکھتے ہیں کہ جسے اللہ تعالےٰ عظمت سے مَوصوف فرماتا ہے اس کی مقدار کا کیا کہنا۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے تمام دُنیا اور مافیہا کو قلیل بتایا ہے۔ یہاں فضل وکرم کو بھی عَظِیْم سے موصوف فرمایا ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ قیامت کے عام مجمع میں جہاں تمام اگلے پچھلے لوگ جمع ہونگے عام اعلان ہوگا یہ فلاں بن فلاں ہے جس کا اِس نے حق دینا ہو وہ آئے اور لے جائے۔ چنانچہ اُس سے حقوق مانگنے والے ٹوٹ پڑیں گے اور اللہ تعالےٰ فرمائے گا اِن سب کو اُن کے حقوق ادا کر دے۔ عرض کرے گا یا اِلٰہ العٰلمین مَیں اُن کے حقوق کہاں سے اَدا کروں جبکہ اب نہ دینار ہیں نہ درہم۔ اللہ تعالےٰ ملائکہ کرام سے فرمائے گا اِس کی جتنی نیکیاں ہیں حقوق مانگنے والوں کو دے دی جائیں۔ چنانچہ اُس کی تمام نیکیاں حقوق مانگنے والوں کو دے دی جائیں گی۔ پھر اگر ذرّہ برابر اس کی نیکی بچ رہے گی تو اللہ تعالےٰ اُسے اپنے فضل وکرم سے دُوہرا فرما کر اپنی مہربانی وشفقت سے اسے بہشت میں داخل فرمائے گا۔

شرح الحدیث ظاہر یہ ہے کہ اس تضعیف سے وہ لذّت مراد ہے جو بہشت میں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور اَجرِ عظیم سے وہ لذّت مراد ہے جو بندوں کو رؤیتِ باری تعالےٰ کے وقت نصیب ہوگی۔ یا وہ لذّت جو محبّت اور معرفت میں مستغرق ہونے

کے وقت اللہ والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

سوال :۔ اس قسم کے عطیہ کو (مِنۡ لَّدُنۡهُ) یعنی اپنی طرف منسوب کرنے کا کیا معنیٰ ؟۔

جواب :۔ یہ دولت کسبی نہیں کہ انسان اعمال کے ذریعے حاصل کر سکے بلکہ یہ ایک خاص عنایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے جو ہر نفس میں بطور امانت سپرد فرمائی ہے۔ مثلاً نفس کا اشراق و نور و صفا وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ تضعیف میں سعادات جسمانیہ کی طرف اور اجرِ عظیم میں سعاداتِ رُوحانیہ کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ جب بہشتی بہشت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالےٰ ملائکہ کرام سے فرمائے گا کہ لاؤ میرے بندوں کے لئے عجیب وغریب کھانے۔ جب کھانے لائے جائیں گے تو بندے اُن میں عجیب وغریب قسم کی لذّات محسوس کریں گے۔ ہر ایک کی لذّت ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوگی۔ جب کھانے سے فارغ ہونگے تو حکم ہوگا کہ بندوں کو مشروبات پیش کرو۔ جب مشروبات لائے جائیں گے اور وہ پیئں گے تو انہیں ایک لذّت ہوگی کہ وہ اپنی نظیر آپ ہونگے۔ جب فارغ ہو جائیں گے تو اللہ تعالےٰ بندوں کو فرمائے گا میں تمہارا رَبّ ہوں اور جو میں نے وعدہ کیا وہ تمہارے ساتھ پورا کیا۔ اس کے باوجود اور بھی اگر کوئی خواہش ہو تو پیش کرو۔ عرض کریں گے یا اللہ تعالےٰ ہم صرف تیری رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا میں تم سے بہت راضی ہوں۔ یہی تو وجہ ہے کہ آج میں نے تمہاری عزّت افزائی فرمائی ہے اور خصوصیّت سے خصوصی مہمانی سے نوازا ہے اِس کے بعد درمیان سے پردہ اُٹھ جائے گا۔ بندے انوار و تجلّیات کو بے حجاب دیکھتے ہی سجدہ میں گر جائیں۔ بہت بڑی دیر تک جُھکے رہیں گے۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا یہ عبادت کا وقت نہیں تم اپنے سر اُٹھا لو۔ اِس سے پچھلی تمام نعمتیں بھول جائیں گے اور اس طلب میں ڈوب جائیں گے کہ ہمیں زیارت سے بار بار نوازا جائے کہ یہ نعمت تمام نعمتوں کی سرتاج ہے۔

؎ جانِ بے جمال جاناں میلِ جہاں ندارد — وانکس کہ ایں ندارد حقا کہ آں ندارد

ترجمہ :۔ محبوبوں کے جمال کے بغیر دُنیا کی طرف میلان نہیں۔ وہ جو یہ نہیں رکھتا تو بخدا وہ کچھ نہیں رکھتا۔

اِس کے بعد عرشِ معلّیٰ سے ایک خوشبودار ہوا چلے گی جو اُن کے سروں، پیشانیوں اور دامنوں

کومَس کرتی جائے گی۔ جب اپنے محلات میں لَوٹیں گے تو اپنی عورتوں کے حُسن وجمال میں اضافہ پائیں گے۔ اور یہ بھی انہیں عرض کریں گی کہ آج تو تم حُسن وجمال میں پُوری پیکر بن کے آرہے ہو۔

تفسیرِ صُوفیانہ عارف کا مطمعِ نظر صرف معنوی جنّت ہے نہ کہ یہی ظاہری بہشت۔ حضرت بایزید بُسطامی قدّس سرّہٗ نے فرمایا: واللہ معرفتِ الٰہی جنّتُ الفردوس ہزاروں درجہ بہتر ہے بلکہ اس کا اعلیٰ علیین بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور فرمایا کہ مجھے آٹھوں بہشتیں اور تمام دُنیا کی نعمتیں دی جائیں تو یہ اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو سحر کے وقت گریہ وزاری اور آہ و فغاں نصیب ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃُ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ لوگ دُنیا کو چھوڑ کر چلے گئے لیکن بہتر سے بہتر لذّت سے محروم ہو کر گئے۔ عرض کیا گیا وہ کیا؟ آپ نے فرمایا معرفتِ الٰہی سے محروم گئے۔ حضرت مولانا جلال الدّین رُومی قدّس سرّہٗ نے فرمایا:۔

۱۔ اے خنک آنرا کہ ذاتِ خود شناخت	اندر امن سرمدی قصری بساخت
۲۔ پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی؟؟	صیقلی کن صیقلی کن صیقلی!
۳۔ دفعہ کن از مغز از بینی زکام	تاکہ ریح اللہ در آید از مشام
۴۔ ہیچ مگذار از تپ وصفرا اثر	تا بیابی در جہاں طعم شکر

ترجمہ:" ۱۔ اُسے مبارک ہو جس نے خود کو پہچانا۔ دائمی امن والے مقام پہ محل (گھر) بنایا۔
۲۔ لوہار کی طرح زنگ والے لوہے (کالے) صاف کر بہت صاف کر۔
۳۔ مغز و ناک سے زکام دُور کر تاکہ تجھے اللہ تعالےٰ کی خوشبُو نصیب ہو۔
۴۔ تپ وصفرا سے کچھ نہ چھوڑ تاکہ جہان میں شکر (میٹھا) سے لذت پاؤ۔"

اللہ تعالےٰ ہم سب کو معرفت نصیب فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے جنّت عطا فرمائے۔

تفسیرِ عالمانہ فَكَيْفَ یہ محلّاً منصُوب ہے۔ اس کا ناصب فعل محذوف ہے اِسے حل یا ظرف سے مشابہت ہے۔ یعنی پس یہ یہودی اور نصارٰی اور دیگر کافر کیسے کریں گے۔ اِذَا جِئْنَا جب ہم قیامت میں لائیں گے مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ تمام اُمّتوں کو بِشَهِيدٍ گواہ جو اُن کے غلط عقائد اور اُن کے بُرے اعمال پہ گواہی دیں گے۔ یعنی ہر اُمّت کا اپنا نبی علیہ السلام تشریف لا کر گواہی دے گا۔ وَجِئْنَا بِكَ اور ہم آپ کو اے محبوب محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وسلّم اُس وقت حاضر کریں گے۔ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ اُن پہ۔ یہ اشارہ ان گواہوں مذکورہ

(انبیاء علیہم السلام) کی طرف ہے۔ جیسا کہ لفظ بشہید سے معلوم ہوتا ہے۔ شَهِيْدًا الخ آپ ان کی گواہی دیں گے۔ کہ آپ کو اُن کے عقائد کا علم ہے اس لئے کہ آپ کی شریعت اُن کے جمیع قواعد کی جامع ہے۔ یا هٰٓؤُلَآءِ کا اشارہ انہی کُفّار کی طرف ہے جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السّلام کی تکذیب کی۔ آپ اُن کے کفر اور غلط کاریوں کی گواہی دیں گے۔ جیسے اُن کے انبیاء علیہم السّلام نے اُن کے کفر اور غلط کاریوں کی گواہی دی۔ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ اُس دن وہ کافر آرزو کریں گے جنہوں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کی تھی اُن کے اس حال کا بیان ہے۔ جس کی شدّت اور سختی "وَجِئْنَا بِكَ الخ" میں بیان کی گئی ہے۔

سوال:- جنہوں نے رسُول علیہم السّلام کی نافرمانی کی وہی کافر تو تھے۔ پھر درمیان میں حرف عطف لانے کا کیا فائدہ، اِس سے عطف الشئ علی نفسہٖ لازم آتا ہے۔

جواب:- کُفر کے علاوہ اُن سے اور گناہ بھی سرزد ہوئے اِس لحاظ سے عطف الشئ علی نفسہٖ لازم نہیں آتا۔ اَب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ لوگ جنہوں نے کُفر کیا اور دیگر معاصی کے بھی مُرتکب ہوئے۔ عبارت یوں ہوگی اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَالَّذِيْنَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ۔

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ط زمین کے برابر ہونے کی آرزو کریں گے۔ یہاں لَوْ بمعنیٰ اَنْ مصدریہ ہے اور یہ جملہ "يَوَدُّ" کا مفعول ہے یعنی وہ آرزو کریں گے کہ زمین میں مدفون ہوں پھر اُن پر زمین برابر کردی جائے جیسے اہلِ اموات پر ہوتا ہے اِس سے اُن کا مدفون ہونا مُراد ہے اور آرزو کریں گے کہ نہ وہ قیامت میں اُٹھائے جاتے اور نہ ہی پیدا ہوتے اور اُن کا حال زمین (مٹی) جیسا ہوتا۔

فائدہ بعض افاضل فرماتے ہیں کہ یہ بآء ملابست کی ہے۔ یعنی زمین برابر کی جائے درانحالیکہ وہ زمین انہیں ملنے والی ہُواسے حمل علی القلب کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جبکہ زمین کا بندوں میں مِل جانا اور بندوں کا زمین میں مل جانے کا کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا اور وہ کسی بات کو اللہ تعالیٰ سے چھُپا نہیں سکیں گے اس کا عطف يُوَدُّ پر ہے۔ یعنی وہ اپنی باتوں کو اس لئے نہیں چھپا سکیں گے کہ اُن پر اُن کے اعضاء گواہی دیں گے۔ یا یہ واؤ حالیہ ہے یعنی آرزو کریں گے کہ وہ زمین میں مدفون ہوں۔ درانحالیکہ وہ کوئی بات نہ چھپا سکیں گے اور نہ ہی " وَاللّٰهِ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ " کہہ کر تکذیب کرسکیں گے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نوح علیہ السلام قیامت میں بلائے جائیں گے تو وہ عرض کریں گے لَبَّیْكَ وَ سَعْدَیْكَ (بندہ حاضر ہے یا اللہ)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے میرے احکامات اُمت کو پہنچا دیئے تھے؟ وہ عرض کریں گے ہاں! پھر اُمت سے سوال ہو گا کہ نوح علیہ السلام نے تمہیں میرے احکام پہنچائے تھے۔ وہ عرض کریں گے ہمارے ہاں تو کوئی آیا ہی نہیں تھا۔ نہ کوئی خوشخبری سنانے والا اور نہ ہی ڈرانے والا۔ پھر نوح علیہ السلام سے سوال ہو گا۔ کیا تمہارے اس دعویٰ کی کوئی گواہی بھی دے گا؟۔ نوح علیہ السلام عرض کریں گے ہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی اُمت میرے لئے گواہی دیں گے۔ چنانچہ اُن کے لئے حضور علیہ السلام اور آپ کی اُمت گواہی دے گی۔ اِس لئے فرمایا وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا۔ اِس کے بعد تمام حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو نام لے لے کر بُلایا جائیگا اور اُن کے سامنے اُن کے اعمال تھوڑے ہوں گے یا زیادہ، نیک ہوں گے یا بُرے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔

فائدہ حضرت امام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب "کشف علوم الآخرۃ" میں لکھتے ہیں کہ یہ اس کے بعد ہو گا جب اللہ تعالیٰ جانوروں کے مابین فیصلہ فرمائیگا۔ جبکہ سینگ والوں سے بے سینگ جانوروں کا قصاص لیا جائے گا۔ جب وحشی جانوروں اور پرندوں سے حساب و کتاب سے فراغت ہو گی تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائیگا تم سب کے سب مٹی ہو جاؤ اِس کے بعد انہیں مٹی میں ملیا میٹ کر دیا جائیگا۔ تو کافر کہے گا "کاش کہ میں بھی مٹی ہوتا"

مسئلہ:۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنی اُمت کے اعمال ہر صبح و شام کو پیش ہوتے ہیں جن میں اُن کے نشانات بھی ہوتے ہیں اس لئے قیامت میں آپ اپنی اُمت پر گواہی دیں گے۔

مسئلہ:۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بندوں کے اعمال سوموار اور خمیس (جمعرات) کے دِن پیش ہوتے ہیں۔

مسئلہ:۔ دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام اور ہر ایک کے اپنے ماں باپ کے سامنے ہر جمعہ کے دن اعمال پیش ہوتے ہیں۔

سبق اِس سے سوچنا چاہیئے کہ انسان کا ہر عمل بزرگوں اور بڑوں کے سامنے ہر وقت پیش ہوتا ہے۔ بالخصوص اُس ذات کے سامنے کہ جس کے آگے کوئی شے مخفی نہیں اس لئے اسے

چاہیئے کہ انسان نیک عمل میں سعی کرے کہ اس کا ہر عمل اُس کے مالک کے سامنے پیش ہو جاتا ہے اور پھر اُسے ہر چھوٹے بڑے اور قلیل وکثیر کی جزا و سزا ملے گی۔

؎ درِ خیر باز است و طاعت ولیک — نہ ہر کس توانا است بر فعل نیک
ہمہ برگ بودن ہمہ ساختی — بتہ بیسر رفتن پر داختی!

ترجمہ :۔ "بھلائی کا دروازہ کھلا ہے اور طاعت کا بھی لیکن ہر ایک کو نیک عمل کرنے کی قدرت نہیں۔ تُو نے زندگی کے تمام اسباب تیار کئے لیکن آخرت کے اسباب کی تُو نے کوئی تدبیر نہیں کی۔"

سبق انسان کو چاہیئے کہ اپنے اوقات ضائع نہ کرے اِسلئے کہ انسان کے اوقات رأس المال ہیں۔ جب تک انسان کے پاس اپنا رأس المال محفوظ ہو اُس وقت تک وہ اپنے مال سے منافع پاسکتا ہے۔

انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ اس کا وقت بیکار جا رہا ہے حالانکہ اسے جدّ و جہد کرنی چاہیے اِس لئے کہ اُسے آخرت کے لئے بہت بڑا سرمایہ جمع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آج تو یہ سرمایہ (نیکی وغیرہ) تو معمولی محسوس ہوتا ہے لیکن کل قیامت کو اس کی قدر معلوم ہوگی کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں اِن اعمال کی کیا قدر و قیمت ہے اور قیامت کے مقابلہ میں اس کی زندگی کے معمولی لمحات کی کیا وقعت ہے پھر انہی معمولی ایّام میں اس بڑے دِن قیامت کے لئے زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ قیامت میں اعمال صالحہ کا حصُول ناممکن ہے۔

مسئلہ :۔ مروی ہے کہ اہلِ اموات اپنی قبروں میں آرزو کرتے ہیں کہ انہیں صرف دوٗ رکعت نماز پڑھنے کی یا صرف ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کہنے کی اجازت ہو یا انہیں وقت دیا جائے کہ وہ صرف ایک بار سُبْحَانَ اللہِ کہہ سکیں لیکن کسی قسم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

مسئلہ :۔ اہلِ اموات زندہ لوگوں پر تعجّب کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے قیمتی لمحات غفلت میں کیوں ضائع کر رہے ہیں۔

؎ مہلکہ عمر بہ بیہودہ بگذارد حافظ — بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب

ترجمہ :۔ چھوڑ کہ حافظ بیہودہ عمر بسر کرتا ہے۔ تو کوشش کر عمر عزیز کا بہتر نتیجہ حاصل کر۔

تفسیرِ صُوفیانہ: حضرت علامہ قاشانی رحمہ اللہ تعالےٰ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ " الشہید اور الشاہد ہر وہ شخص جو اپنے مرتبہِ عُلیا کی برکت سے ہر ایک کے سامنے حاضر ہو اور اکثر اُسی معنیٰ پر مستعمل ہوتا ہے ۔ دراصل اس کا یہ معاملہ جلوہِ حق کی وجہ سے ہوتا ہے جو اُسے نصیب ہُوا ۔ اِس بنا پر نبی اپنی اُمّت کا شاہد ہوتا ہے ۔ جیسا کہ اُن کی اُمّت کی استعداد ہوتی ہے ۔ اِسی طرح اُسے بھی اُمّت کے احوال منکشف ہوتے ہیں ۔ جو اس نبی علیہ السلام کا متبع ہوتا ہے اور وہ اپنی استعداد کے مطابق جانتا ہے لیکن جیسا کہ نبی علیہ السّلام جانتے ہیں ۔ اتنا ویسا اُمّتی کو نصیب نہیں ہوتا اِسی لئے ہر نبی اپنی اُمّت کا شاہد ہو گا ۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اپنی تجلّی سے نوازتا ہے لیکن اِس صوُرت میں کہ جس بزرگ سے اُس کا اعتقاد ہے ۔ اُسے تمام ملّت و مذہب کے لوگ جانتے ہیں ۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ اپنی صورت میں مُتبدّل ہو کر دُوسری صُورت اختیار کرے گا ۔ اُسے صرف مُوحّد اور واصل باللہ جانیں گے جنہیں بارگاہِ صمدیّت تک رسائی ہو گی ۔

مسئلہ :- جیسے ہر اُمّت کا اپنا نبی شاہد ہو گا اِسی طرح ہر مذہب (حق یا باطل) کا اپنا مقتدا شاہد ہو گا ۔ اور وہ اس کے تمام احوال اُس پر منکشف ہونگے اسلئے اس پر گواہی دیں گے ۔

مسئلہ :- حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُمّتی تمام اُمّتوں کے گواہ ہونگے ۔ اور اُن کے نبی بھی اُن پر گواہی دیں گے اسلئے کہ دوسرے اَنبیاء علیہم السّلام ہمارے نبی علیہ السّلام کے اُمّتی ہیں ۔ علاوہ ازیں حضور علیہ السّلام اُن کے نبی بھی ہیں اور حبیب بھی اور وہ جوامع الکلم سے نوازے گئے ہیں اور مکارمِ اخلاق کی تکمیل اُن کے ہاتھ میں ہے ۔ اِسی لئے اَولیاءُ اللہ جس رنگ میں ہوں وہ بہر صوُرت اُسے پہچان لیں گے ۔ جبکہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السّلام کی متابعت کا حق اَدا کیا ہو گا ۔ اور نبی علیہ السّلام اُن تمام احوال و اعمال کو جانتے ہیں ۔ (علامہ قاشانی کی عبارت کا مضمون ختم ہُوا) ۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو کاملین اور واصلین الیٰ حق الیقین سے بنائے ۔

(آمین)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ
تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَ
إِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ
أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَا
مْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ أَلَمْ
تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ
أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۝ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ
وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ
وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ
إِلَّا قَلِيلًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا
لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ
كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ
أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ
فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ
اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ انظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى
اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ۝

ترجمہ:

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کچھ کہو
اُسے سمجھو اور نہ ناپاکی کی حالت میں نہائے بغیر مگر مُسافری میں اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں سے

کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں کو چھُوا۔ اور پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کو مسح کرو بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کو کتاب سے ایک حصّہ ملا گمراہی مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے والی اور اللہ کافی ہے مددگار۔ کچھ یہودی کلموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور نہ مانا اور سُنئے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لئے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سُنا اور مانا۔ اور حضور ہماری بات سُنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو اُن کے لئے بھلائی اور راستی میں زیادہ ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی۔ اِن کے کُفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا۔ اے کتاب والو ایمان لاؤ اُس پر جو ہم نے اُتارا۔ تمہاری ساتھ والی کتاب کی تصدیق فرماتا قبل اس کے کہ ہم بگاڑیں کچھ مونہوں کو تو اُنہیں پھیر دیں اِن کی پیٹھ کی طرف یا انہیں لعنت کریں جیسی لعنت کی ہفتہ والوں پر اور خُدا کا حکم ہو کر رہے۔ بیشک اللہ اُسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کُفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف کر دیتا ہے اور جس نے خدا شریک ٹھہرایا اُس نے بڑے گُناہ کا طوفان باندھا کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو خود اپنی ستھرائی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے اور ان پر ظلم نہ ہوگا دانہ خرما کے ڈورے برابر دیکھو کیسا اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ کافی ہے صریح گُناہ۔

تفسیر عالمانہ

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

اے ایمان والو نماز کے مت قریب جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

شانِ نزول

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوت پکائی جس میں شراب نوشی کا بھی انتظام کیا گیا۔ اور بہت بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدعو کیا۔ یہ اس وقت ہوا جب شریعت میں شراب پینا مُباح تھا۔ اِن حضرات نے خُوب دعوت کھائی اور پھر شراب بھی پیا۔ جب شراب کی مستی کا غلبہ ہوا تو مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا۔ اِن میں سے ایک صاحب کو امام کھڑا کیا گیا تاکہ نماز پڑھائیں اُس نے نماز میں قُلْ

یَآاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اَعْبُدُ مَاتَعْبُدُوْنَ وَ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ الخ پڑھی لیکن اس سُورۃ میں کلمہ لَا حذف کر دیا جس سے معنیٰ سخت بگڑ گیا۔ اِس پر یہی آیت نازل ہوئی۔ اِس کے بعد نماز کے اوقات میں شراب نہیں پیا جاتا تھا مثلاً عشاء کی نماز پڑھ کر شراب پی کے سو جاتے صُبح کے وقت شراب کا نشہ بالکل اُتر جاتا۔ نمازِ صبح پڑھ کر پی لیتے اِس طرح سے اُن کی نمازوں میں خلل نہ پڑتا۔ اِس کے بعد پورے طور شراب کی حرمت نازل ہوئی۔

سوال:۔ نماز کے قریب نہ جانے کا حکم کیوں حالانکہ شراب کے وقت نماز قائم نہ کرنا مقصود ہے؟۔

جواب:۔ اِس سے مُبالغہ مطلوب ہے۔ کہ جب نماز کے قریب نہ جانے کا حکم ہے تو پھر اُسے قائم کرنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔

فائدہ اِس سے نماز سے نہیں روکا گیا بلکہ اس فعل سے روکا گیا ہے جو نماز کے لیے خلل انداز ہے۔

فائدہ حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ گرامی کہ عبد آبق (مالک سے بھاگ جانے والا) اور عورت ناشزہ (شوہر کی بے فرمان) کی کوئی نماز نہیں اگرچہ وہ نماز پڑھیں بھی) کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی غلطی کو دُور کریں نہ یہ کہ سرے سے نماز ہی نہ پڑھیں اسلئے کہ عبد کا مالک سے بھاگنا اور عورت کا اپنے شوہر کی بے فرمانی اور شراب پینا نماز کی فرضیت کو ساقط نہیں کرتی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ نشہ کے وقت نماز نہ پڑھو۔ ہاں جب تمہیں نماز شروع کرنے سے پہلے معلوم ہو کہ تم اپنے ہوش میں ہو اور جو کچھ کہو گے اُسے تم ہوش و حواس صحیح سے کہو گے اِس لیے کہ اِس طرح سے انہیں یقین ہوگا کہ وہ نماز میں کیا پڑھیں گے۔

فائدہ سکر اُس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو نشّہ آور چیز کو عمل میں لانے سے اس کی عقل کو عارض ہوتا ہے اور یہ کیفیت شراب سے اکثر واقع ہوتی ہے۔ اور کبھی عشق اور نیند اور غضب اور خوف سے بھی صادر ہوتی ہے۔ لیکن سکر حقیقۃً تو شراب سے ہوتا ہے دوسری باتوں سے مجازاً۔ اور یہاں یہی شراب نوشی سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی مراد ہے۔ سکاریٰ سکران کی جمع ہے جیسے کسلان کی جمع کُسالیٰ ہے۔

مسئلہ:۔ مستیِ شراب کے مست کی بیع و شراء ناجائز ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے۔

مسئلہ:۔ وہ اس حالت میں کسی کا نقصان کر ڈالے یا کسی کو قتل کر دے یا حدودِ شرعیہ میں سے کسی حد کا ارتکاب کرے تو اُس سے مواخذہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ وہ اس کیفیت میں عورت کو طلاق دے یا بندہ آزاد کرے تو طلاق اور عتاق واقع ہوں گے۔ ہمارے احناف کے نزدیک اسلئے ہے تاکہ نشہ والے کو سزا ہو۔
(خلافاً للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ)

وَلَا جُنُبًا اس کا عطف وَاَنْتُمْ سُكَارٰی پر ہے اور نصب کے موقع پر ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ سُكَارٰی وَلَا جُنُبًا۔ یعنی نشہ اور جنب کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اور اَلْجُنُبُ ہر اُس شخص کو کہتے ہیں جسے جنابت پہنچے۔ یہ مذکر و مؤنث ہر دونوں اور واحد و جمع کیلئے برابر مستعمل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مصدر کے قائم مقام واقع ہوا ہے۔ دراصل جنابت بُعد (دُوری) کو کہتے ہیں۔ اور جُنُب کو چونکہ تلاوتِ قرآن اور نماز اور مسجد سے دُور رکھا جاتا ہے اس لئے اس نام سے موسوم ہوا۔ **اِلَّا عَابِرِیْ** یہ استثناء اعم الاحوال ہے اور اس کا محل نصب ہے اسلئے کہ لَا تَقْرَبُوا کی ضمیر سے حال ہے باعتبار اس کے کہ یہ مفعولِ ثانی سے مُقیّد ہے نہ کہ حالِ اولیٰ سے اور اس میں عامل لَا تَقْرَبُوا کی نہی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم جنب کی کسی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ ہاں اگر مسافر ہو تو پھر تمہارے لئے مذکورہ امُور جائز ہیں کہ تم سفر کی وجہ سے معذور ہو اسلئے تم تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو سکتے ہو۔ **حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا** یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔ حالتِ جنب میں نماز کے قریب نہ جانے کی غایت یہی ہے کہ تم غسل کر لو۔

مسئلہ:۔ آیتِ کریمہ میں اشارہ ہے کہ نمازی کے لئے ضروری ہے کہ اُس فعل سے دُور رہے جو نماز کے لئے غفلت کا سبب ہے۔ اور دِل کو کسی امر میں مشغول کر دے اور اُسے چاہیئے کہ اپنے نفس کو ان امُور سے پاک اور صاف رکھے جو اُسے نقصان پہنچانے والے ہوں اور جب کسی کو تزکیۂ نفس کے اعلیٰ مراتب کو بروئے کار لانے کی ہمت ہو تو صرف اَدنیٰ مراتب پر اکتفاء نہ کرے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اور اگر تم بیمار ہو۔ مرضیٰ مریض کی جمع ہے اور مرض تین قسم کے ہیں۔

(۱) ہر وہ مرض کہ پانی کے استعمال سے موت کا خطرہ ہو، جیسے سخت چیچک۔ اِسی طرح جسم پر گندے قسم کے پھُنسی اور پھوڑے۔

(۲) ایسا مرض کہ اس میں پانی کے استعمال سے موت کا خطرہ تو نہ ہو لیکن پانی کی وجہ سے مرض کا اِشتداد اور اضافہ ہو جائے۔

(۳) ایسے مرض سے نہ موت کا خوف ہو اور نہ ہی دَرد و آلام کا خطرہ۔ لیکن پانی کے استعمال

سے جسم میں عیب وغیرہ باقی رہتا ہے۔ فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو قسموں میں تیمم کا جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن تیسری قسم کے تیمم کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔

اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اِس کا عطف مرضیٰ پہ ہے یعنی تم سفر میں ہو۔ وہ طویل سفر ہو یا قصیر۔

سوال :۔ یہ بیان تو پہلے ہو چکا ہے پھر اعادہ کی کیا ضرورت ہے ؟۔

جواب :۔ چونکہ اس پر حکم شرعی مرتب ہوتا ہے اور اس کی کیفیت بیان کرنا مطلوب ہے اور تیمم کے احکام سفر اور مرض سے متعلق ہوتے ہیں بلکہ ہر عجز و احتیاج کے وقت تیمم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت امام ابُو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جنابت کے لئے بھی تیمم جائز ہے اگرچہ شہر میں ہو۔ (جبکہ ٹھنڈا پانی اُسے نقصان پہنچائے) اور گرم پانی بھی دستیاب نہیں ہو سکتا یا اس کی قیمت کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسلئے کہ پانی کے استعمال سے عجز جنابت میں عموماً واقع ہوتا ہے۔ بنا بریں اس کا اعادہ کیا گیا ہے۔

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ یا کوئی تمہارا بیت الخلاء میں آئے۔ الغائط ہر وہ مکان جہاں قضا حاجت کے لئے جایا جائے۔

فائدہ غائط میں آنے سے بے وضو ہونا مُراد ہے اسلئے کہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ جو بھی قضا حاجت کے لئے کہیں جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** یا عورتوں کو لمس کرے۔ اِس سے مُراد یہ ہے کہ تم اُن سے جماع کرو۔ یعنی جب تمہیں مرض یا سفر یا حدث یا جنابت پہنچے **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** اور تم پانی نہ پاؤ۔ یعنی پانی کے استعمال کی قدرت نہیں رکھتے یا تو سرے سے پانی ہی نہیں ملتا یا ملتا تو ہے لیکن بہت دُور یا پانی ہے تو سہی لیکن اُس کے حصُول کا آلہ موجود نہیں۔ مثلاً کنویں وغیرہ سے پانی نکالنے کیلئے بوکہ یا رسّی نہیں یا پانی وغیرہ سے کوئی شے مانع ہے مثلاً پانی کے راستہ پر سانپ یا درندہ یا دشمن بیٹھا ہو **فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا** تو پاک مٹی کا ارادہ یعنی تیمم کرو۔

فائدہ امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلصَّعِيْد ہر وہ مٹی وغیرہ جو زمین کے اُوپر ہو۔

مسئلہ :۔ اگر کسی پتھر سے کوئی شخص تیمم کرے اور اس پتھر پر مٹی وغیرہ ہی نہیں تو ایسے پتھر سے تیمم جائز ہے۔ یہی حضرت امام ابُو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ **فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ** پس تم اپنے مُنہ اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لو۔

مسئلہ: ہاتھوں کا تیمم کہنیوں سمیت ہو۔ اِس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تیمم کیا تو کہنیوں کو تیمم میں شامل فرمایا۔

فائدہ عقلی طور بھی یہی صحیح ہے اسلئے کہ تیمم وُضو کا بدل ہے لیعنی تیمم وُضو کا نائب ہے تو نائب کو اپنے اصل کے مقام تک محدود رکھا جائے گا۔ (ف) اور فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ الخ میں باء زائدہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا بیشک اللہ تعالےٰ معاف کرنے والا اور غفور ہے۔ یہ ترخیص وتیسیر کی علّت بتائی گئی ہے۔ بلکہ انہیں اس جملہ سے مضبوط اور پختہ کیا گیا ہے اسلئے کہ اللہ تعالےٰ کی ہمیشہ سے یہی عادت کریمہ ہے کہ وہ خطاء کاروں کی خطاء معاف کرتا ہے اور گنہگاروں کی بخشش دیتا ہے بنابریں اس ذات کو ایسے ہی ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی مخلوق کو آسانی بخشے نہ کہ دُکھ اور درد میں مُبتلا کرے۔

تفسیر صُوفیانہ اِس میں اشارہ ہے کہ نماز مومن کی معراج اور اللہ تعالےٰ سے ہمکلامی کا بہترین وقت ہے۔ اِس لئے کہ نمازی اپنے ربّ تعالےٰ سے نماز کے وقت کلام کرتا ہے۔ اَب معنٰی یہ ہوا کہ اے ایمان کے مدّعیو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ یعنی اسے قربِ الٰہی نصیب نہیں ہوسکتا جو غفلت کے نشہّ میں مخمور اور شہواتِ نفسانی میں مُنہمک ہو اسلئے کہ وہ ہر شے جو قلب کو توجہ الی اللہ سے دُور رکھے وہی نشہ ہے اِس وجہ سے نشہ کے کئی اقسام بتائے جاتے ہیں۔ ایک نشہّ شراب سے اور ایک نشہ غفلت سے ہوتا ہے۔ اِس لئے کہ حُبّ دُنیا کے غلبہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سَب سے سخت ترین وہ نشہ ہے جو نفس سرکش سے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شراب کا نشہّ اُتر سکتا ہے لیکن نفس سرکش کا نشہّ ایسا ہے کہ اُس سے ہمیشہ کے لئے حقیقت سے جُدائی ہوجاتی ہے۔

۱۔ اے اسیر ننگ نام خویشتن	بستہ خود را بدام خویشتن
۲۔ ورنہ نگنجی با خود اندر کوئے اُو	کم شو از خود تا بیابی کوئے اُو
۳۔ تا تو نزدیک خودی زیں حرف دُور	غائبے یابی اگر خواہی حضور
۴۔ تا تو از غفلت چو بادہ مست شدی	لاجرم از طور وصلت پست شدی

ترجمہ: (۱) اے نام و ننگ کے قیدی اور خواہشات کی قید میں پھنسے ہوئے۔

(۲) اگر تجھے اس کی گلی میں مکمل نہیں گلی تک جانا نصیب ہو۔

(۳) جب تک تُو خودی میں ہے تجھے تحقیق کا حرف نہ ملے گا اِس سے غائب ہوتا جائے گا اگرچہ تو حضوری کا طالب ہے۔

(۴) بادہ مست کی طرح تو غفلت میں ہے تو تُو وصال سے دُور رہے گا۔

حَتّٰی تَعْلَمُوْا الخ یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہتے ہو اور کیوں کہتے ہو۔ مثلاً جب نماز کی تکبیر کے وقت تم نے ہاتھ اُٹھا کر کہا "اللہ اکبر" اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ بڑی عظمت والا اور سب سے بزرگ تر ہے۔ پس جب تم نے نماز کے وقت یہی کلمہ زبان سے کہا تو اُس وقت دِل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بغیر اور کسی کی عظمت کا معمولی سا تصوّر بھی نہ ہو۔ اِس کی علامت یہ ہے کہ دِل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کا نہ خیال ہو اور نہ ہی اس کی محبّت کے ساتھ کوئی اور طلب ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ وَحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ اس کا کوئی ذات میں شریک ہے اور نہ ہی صفات میں۔ اگر کوئی اپنے اِس ذکر تکبیر (اللہ اکبر) کہنے میں جھُوٹا ہے کہ حال قال میں تطابق نہیں تو نشہ والے کی طرح اسے اپنی نماز سے کسی قسم کی قرُبت نصیب نہیں ہو گی۔ اِس لئے کہ قربتِ الٰہی سجدہ سے مشروط ہے جیسا کہ "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" میں صراحتہً فرمایا گیا ہے۔ صُوفیاؔ کرام کے نزدیک سجدہ یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کے اوصاف کی سواری سے اُتر کر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے رفرف پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے وجُود قَابَ قَوْسَیْن تک پہنچنے کی کوشش کرے تاکہ اس کے جلال وجمال کا مشاہدہ نصیب ہو۔ نماز کے سجود کے بعد تشہد کے حکم میں یہی راز ہے۔ اِس کے بعد فرمایا وَلَاجُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ یعنی جیسے تم نشہ کی حالت میں قربتِ الٰہی نہیں کر سکتے ایسے ہی جن اُمور سے بُعد ہو اس سے بھی قربتِ الٰہی نصیب نہیں ہوتا۔ ہاں دُنیا سے اس طرح عبُور کر جائے جیسے راستہ عبُور کیا جاتا ہے تو حرج کوئی نہیں لیکن دنیا کو شریعت کے قدموں سے عبُور کیا جائے یعنی اَوامر و نواہی کی پابندی کی جائے۔ یہ ایسے ہے جیسے راستہ کے عبُور پر کھانے پینے کے اسباب ضروری ہیں تاکہ حیات کے اُمور اور طاقت بحال رہے۔ اور سفر میں گرمی و سردی کے بچاؤ کے لئے کپڑے ضروری ہیں اس سے سترِ عورت بھی ہوتا ہے اور مُباشرت سے نسل کی حفاظت ہوتی ہے۔ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا یہاں تک کہ قربت و انابت، صدقِ طلب وحُسنِ ارادہ اور خلوصِ نیّت کے پانی سے دُنیا کی ملابست اور اس کی شہوات سے نہاؤ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اور اگر تم مریض ہو کہ طلبِ حق میں قلب کا مزاج بدل جائے اَوْعَلٰی سَفَرٍ یا طلبِ دُنیا دعقبیٰ و

طلبِ مولا کے سفر کے متردد ہوجائے اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَآئِطِ یا تمہارے میں سے کوئی ایک خواہشات کے تتبع کے غائط میں آئے اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ یا تم شغلِ دنیا میں پھنس کر جنبی ہوجاؤ اور اللہ تعالیٰ سے دُور ہوجاؤ بعد اس کے کہ تم حظائرِ قدس میں مقیم تھے اور اُنس کے باغات میں سیر کر رہے تھے۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً پس تم صدق انابۃ اور رجوع الی الحق کا پانی نہ پا سکو کہ اُس سے تمہیں اعراض اور انقطاع عَنِ الخلق حاصل ہو فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا پس تم پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اس مٹی سے اللہ والوں کے قدموں کی مٹی مُراد ہے وہ اللہ والے جو بُرے اعمال اور گندے اخلاق سے اپنے نفسوں کو پاک رکھتے ہیں۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ پس تم اپنے چہروں کا مسح کرو۔ یعنی اللہ والوں کے قدموں کی گرد و غبار سے اپنے چہروں کو متبرک کرو۔ اور اُن کے نفوسِ قدسیہ کے برکات اور اُن کے دامن کو اپنے ہاتھوں سے مضبوط کرو۔ اور سچے ارادوں سے اُن کے ارشادات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف کردے گا۔ جو کہ تم سے پہلے اُن سے انقطاع کر چکے۔ یعنی جتنا قدر تم دُنیا کی گورکھ دھندوں میں ملوث رہے عَفُوًّا رَّ[illegible] تمہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے کہ تمہیں جس غبارِ شہوت سے بدبختی ملی۔ اسلئے کہ تم کو ان اللہ والوں کے قدموں کی برکت سے سعادت نصیب ہوئی۔ کیونکہ یہ ایسی شخصیتیں ہیں کہ اُن کی نگاہِ کرم سے کوئی بدنصیب ہوسکتا ہے

ؔ (۱) کلید گنجِ سعادت قبول اہلِ دلست   مبادکس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند

(۲) شبانِ وادیٔ ایمن گہی رسد بمراد ؟   کہ چند سال بجان خدمتِ شعیب کند

ترجمہ: "(۱) گنجِ سعادت کی چابی اہلِ دل کو حاصل ہے خدا کرے اس نکتہ میں کسی کو شک و شبہ نہ ہو۔

(۲) موسیٰ (علیہ السلام) وادیٔ ایمن سے اس وقت مراد کو پہنچے گا جب چند سال شعیب (علیہ السلام) کی بدل و جان خدمت کرے۔"

تفسیرِ عالمانہ

اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا۔ یہ خطاب ہر اُس مومن کو ہے جسے رویت حاصل ہے۔ یہاں رویت سے رویت بصری مراد ہے اس لئے کہ جن کا بیان ہوگا اُن کی غلط کاریاں اتنی مشہور تھیں کہ گویا وہ دیکھنے والوں کے سامنے ہے۔

اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا۔ انہیں جو ایک حصّہ دیا گیا ہے مِنَ الْكِتٰبِ کتاب سے۔ یہاں کتاب کا علم مُراد ہے اور کتاب سے تورات اور اَلنَّاس سے یہودی علماء مراد ہیں۔ اب مطلب یہ ہُوا کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو اور وہ اس لائق ہیں کہ تم انہیں دیکھ کر تعجب کرو۔

شانِ نزول یہو دیوں کے اُن دو مولویوں کے حق میں نازل ہوئی ۔جو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول اور کی برادری کے پاس آکر انہیں اسلام سے بہکاتے کی کوشش کرتے ۔

یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ (وہ گمراہی خریدتے ہیں) یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے ۔سوال یہ ہے کہ جب انہیں دیکھنے کا حکم ملا تو گویا کسی نے عرض کی کہ انہیں دیکھنے کا حکم کیوں ہے وہ کونسا عجیب کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ وہ گمراہی کے خریدار ہیں جس ہدایت کا انہیں کتاب تورات میں حکم دیا گیا ہے اُسے پس پشت ڈال رہے ہیں ۔ وَیُرِیْدُوْنَ اور نہ صرف معمولی گمراہی میں مبتلا ہیں بلکہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف کریمہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں ہیں[1]۔

اَنْ تَضِلُّوْا ان کا ارادہ ہے کہ اے مومنو! تم بھی ان کی معیت میں گمراہ ہوجاؤ اَلسَّبِیْلَ ؕ یعنی تم بھی اس راستہ سے بھٹک جاؤ جو سیدھا اور مُوصل الی الحق[2] ہے اور وہ اس جدوجہد میں اس لئے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا ان کے دین کو اختیار کرے تاکہ سب کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہو اور صرف وہی سیاہ وسپید کے مالک ہوں ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے بِاَعْدَآئِکُمْ (تمہارے دشمنوں کو)۔اور منجملہ تمہارے دشمنوں کے ایک یہ بھی ہیں ۔اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُن کی عداوت پر اس لئے خبردار فرمایا ہے تاکہ تم اُن کی حرکتوں سے بچ سکو۔اور اُن سے میل جول نہ رکھو۔ یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے حالات اور اور اُن کے انجام کو خوب جانتا ہے وَکَفٰی بِاللّٰہِ یہ بؔ زائدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافی ہے وَلِیًّا ۙ تمہارے جملہ امور اور تمہاری تمام ضروریات کا کفیل ۔ وَلِیًّا بمعنی مُحِبًّا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کرتا ہے ۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا ؕ (اور اللہ تعالیٰ کافی یعنی ہر مقام پر تمہارا مددگار ہے)۔اسی لئے صرف اسی پر بھروسہ کرو ۔اور اس کی فتح و نصرت پر سہارا رکھو اور اس کے غیر سے پورے طور مُنہ موڑ لو۔ بلکہ غیر اللہ کو خیال تک نہ لاؤ اور جو تمہارے درپے آزار ہیں اُن سے کسی قسم کا خطرہ نہ رکھو جب تمہارا حامی و ناصر اللہ تعالیٰ ہے تو وہی تمہارے دشمنوں کے مکروفریب اور ان کے شر اور فساد سے تمہیں محفوظ فرمائے گا ۔

مسئلہ آیت میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جسے کتاب الٰہی کے ظاہری علوم سے کچھ حصہ نصیب ہو لیکن اس کے باطنی اسرار و رموز سے محروم ہو تو وہ علمائے سوء میں شمار ہوتا ہے اور علمائے سُوء وہ ہیں جو دنیوی حرص و ہوا کو مدنظر

---

[1] ہمارے دور میں آج کل یہی ڈیوٹی نجدی ۔وہابی ۔ دیوبندی اور اُن کی تمام شاخیں سرانجام دے رہی ہیں (اُویسی غفرلہٗ)
[2] حق تک پہنچانے والا ۔

رکھ کر اور مال و جاہ کے طمع میں پڑ کر حکومت اور عوام میں مقبول ہونے کی فکر میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کے دین میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَۃَ میں اس مداہنت فی الدین واتباع الہویٰ کی طرف اشارہ ہے کہ دین بیچ کر دنیا خریدتے ہیں پھر وہ دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔ ملاً کمام کو خیر خواہانہ نصیحت ہے کہ اے پرہیزگار علماً تم تو حضرات انبیاً علیہم السلام کے وارث ہو اور صرف تمہیں حق کے طالب ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو گمراہی سے نکال کر حق پہ لانے والے تم حضرات ہو۔ اگر لوگ تمہارے ساتھ حسد کرتے ہیں تو کیا ہوا اس سے مت گھبرا کہ عوام تمہارا گلہ وشکوہ کرتے یا تمہاری عیب جوئی کے پیچھے لگے رہتے ہیں بلکہ اکثر لوگ تمہارے درپے آزار رہتے ہیں۔ تم اپنے کام کو نہ چھوڑو۔ راہِ حق کی باتیں سناتے جاؤ۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِکُمۡ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ تم دشمنوں کی باتوں کی طرف کان مت لگاؤ۔ جبکہ وہ تمہیں طریقِ حق سے ہٹانا چاہتے ہیں بلکہ وہ تمہیں اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ تمہیں غیر اللہ کی طلب اور غیر اللہ کے حصول کی رغبت دلاتے ہیں لیکن تم جس بات کے مامور ہوا سے ہرگز نہ چھوڑو یعنی طاعت الٰہی میں لگے رہو۔

سبق دنیا میں ذلیل ترین وہ شخص ہے جس میں دو عادتیں ہوں:
(۱) گمراہی
(۲) دوسروں کو گمراہ کرنا

اور یہی دونوں باتیں علمائے سوء میں ہوتی ہیں اس لئے کہ انہیں خلق خدا سے واسطہ پڑتا ہے پھر وہ طمع ولالچ میں پھنس کر خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی کے گھاٹ اتارتے ہیں۔

علاج مداہنت فی الدین کی گندی بیماری کا علاج طمع ولالچ کو مٹانا ہے جب تک طمع ولالچ کی بیخ کنی نہیں ہوگی مداہنت سے نجات نصیب نہ ہوگی

حکایت مروی ہے کہ کسی بزرگ نے بلّی پال رکھی تھی اس کے لئے اپنے پڑوسی قصاب سے چھیچھڑے لایا کرتے ایک دن اس قصاب میں اس بزرگ نے کوئی برائی دیکھی ارادہ کیا کہ اسے نصیحت کریں لیکن چونکہ اس سے روزانہ بلی کے لئے چھیچھڑے لایا کرتے یہ بھی اس سے ایک قسم کی لالچ کا پھنس پھنساؤ والا معاملہ تھا اس لئے گھر جا کر پہلے بلّی کو گھر سے نکال دیا پھر قصاب کے ہاں پہنچے اور اُسے بُرائی سے روکا۔ قصاب نے وہی طعنہ دیا کہ میں آئندہ آپ کو بلّی کے لئے چھیچھڑے نہیں دوں گا آپ نے فرمایا میں نے تجھے نصیحت ہی اس وقت کی ہے جبکہ بلّی کو گھر سے نکالا ہے تاکہ اُس کی وجہ سے نصیحت کرنے سے نہ رُک جاؤں۔

نسخہ روحانی جو شخص چاہے کہ میری تقریر اور میرے وعظ ونصیحت سے لوگ خوش ہوں وہ کبھی رضائے الٰہی نہ پا سکے گا۔

سبق سالک کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو غلیظ اور رذیل عادات سے پاک اور صاف کرے اور مذموم خصلتوں سے بالکل صاف اور ستھرا ہو جائے ۔ ؎

چوں طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست
نبود خیر دراں خانہ کہ عصمت نبود

ترجمہ: جب باطنی صفائی نہ ہو تو کعبہ و بتخانہ میں کوئی فرق نہیں اور پھر خیر و بھلائی سے خالی سمجھو جس کی حفاظت نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یہ خبر ہے اور اس کا مُبتدا محذوف ہے در اصل عبارت یوں تھی من الذین ھادوا قوم ۔ یعنی یہودیوں کی ایک قوم ہے ۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (وہ کلمات کو اپنے مقامات سے تبدیل کرتے ہیں) الکلم جنس ہے اس لئے کہ متعدد مقامات پر اس کے لیئے ضمیر واحد لائی گئی ہے اور مواضع کو جمع کر کے لانے میں بھی یہی حکمت ہے کہ الکلم اسم جنس ہے کہ تورات میں انہوں نے متعدد مقامات پر تحریف کی تھی ۔ یحرفون بمعنے یُزِیْلُوْنَ ہے اس لئے کہ انہوں نے تورات کو تبدیل کر ڈالا یعنی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مقصد کو اپنے مطلب پر ڈھالا ۔ گویا انہوں نے تورات کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مطالب کو زائل کر دیا ۔

فائدہ اس کے دو طریقے تھے ۔

(۱) باطل تاویل سے کلام کے اصلی مطلب کو پھیرنا جیسے ہمارے زمانہ کے اہل بدعت کا طریقہ ہے کہ وہ[1] اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کے لئے غلط تاویل کر کے آیات میں تحریف کرتے ہیں ۔

(۲) ایک کلمہ کے بجائے دوسرا کلمہ لکھ دینا جیسے یہودیوں کا طریقہ تھا کہ جہاں پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت مبارک ہوتی ۔ وہاں کوئی دوسرا کلمہ لکھ دیتے مثلاً آپ کی تعریف میں تورات میں تھا "اسمر ربعۃ" انہوں نے اس کے بجائے لکھا آدم طوال اسی طرح تورات میں جہاں رجم کے الفاظ تھے وہاں انہوں نے "حد" لکھ دیا ۔

وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں ہر اس امر کے لئے جو ان کے خواہشات فاسدہ کے مخالف ہوتا ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یا آپ کی عدم موجودگی میں زبان حال سے یا مقال سے سَمِعْنَا (ہم نے تمہاری بات سن لی ۔ وَعَصَيْنَا اور بے فرمانی کی) یہ عناد کے طور پر کہتے یا اپنی مخالفت کے ثابت کرنے کی بنا پر وَاسْمَعْ ہماری بات سن لو ۔ غَيْرَ مُسْمَعٍ یہ مخاطب حال سے ہے اور اس کلام کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں (۱) مدح اب معنیٰ یوں ہوگا کہ

---

[1] جیسے ہمارے دور کے معتزلہ وہابیہ نجدیہ کا طریقہ ہے کہ بتوں کی آیات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں ۔ (اُویسی غفرلہٗ)

سُن لے اے مخاطب کہ تمہیں کوئی تکلیف دہ بات نہ سنائی دے ۔ (۲) ذم اس کا مطلب یوں ہوگا کہ اے مخاطب تو سُن لے ۔ لیکن خدا کرے کہ تم کسی کی بات کو نہ سُن سکو بوجہ بہرہ پن کے یا بوجہ موت کے یعنی تمہارے حق میں ہماری دُعا ہے کہ تم کوئی بات نہ سُن پاؤ ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اُن کی دُعا قبول ہو جائے تو مخاطب کو سننے کا موقع بھی میسر نہ ہوگا کہ وہ بہرہ ہو جائے گا ۔ گویا یہ الفاظ اس آرزو پر کہتے کہ کاش اُن کی تمنا پوری ہو ۔ یہودیوں کا طریقہ تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کو یہ کلمات سنا کر مدح کا اظہار کرتے ۔ لیکن دل میں دوسرے معنیٰ کا آرزومند رہتے ۔

وَرَاعِنَا یہ کلمہ بھی دو وجہوں کا حامل ہے :۔

(۱) غیر کا احتمال ہو تو معنیٰ ہوگا کہ اے نبی علیہ السلام ہماری پاسداری فرمایئے اور ہمارے اوپر بھی نظر کرم فرمایئے اور ہماری طرف بھی نظر التفات ہو تاکہ ہم آپ سے کچھ معروضات پیش کر سکیں ۔

(۲) شر کا احتمال ہو اب نبی علیہ السلام کو گالی دینا مقصود ہوگا جبکہ رَعُونت بمعنے حماقت مدنظر رکھتے یا اسے عبرانی یا سریانی کلمہ سے مشابہ کر کے حضور علیہ السلام کو خطاب کرتے اس لئے کہ عبرانی یا سریانی میں یہ کلمہ گالی کے لئے مستعمل ہوتا ۔ اور وہ بھی یہ کلمہ بول کر نبی کریم علیہ السلام کو گالی دیتے تھے لیکن بظاہر اس سے نبی علیہ السلام کی توقیر و تعظیم کا دم بھرتے ۔

سوال یہ کلمات ذوالوجہین کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس سے قبل وہ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہہ کر آپ سے مخالفت و معاندت کی تصریح کر چکے ۔ جب اُن کی مخالفت متعین ہو چکی تو اب اس ذوالوجہین کلمہ میں بھی وہی مخالفت و معاندت ہوگی ۔ کفار (یہود) سب کے سب حضور علیہ السلام سے صراحتہً مخالفت و معاندت پر تُلے ہوئے تھے؟

جواب آپ ہیبت و حشمت اور مومنین کی غیرت و حمیّت کے خطرہ سے صریح سب و شتم کی جرأت نہیں رکھتے تھے اسی لئے ان کو سب و شتم کے لئے ایسے ذوالوجہین کلمات کی ضرورت پیش آئی ۔

لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ اس کا منصوب ہونا (بہ بنائے مفعول لہ) علت کے لئے ہے یعنی وہ یہ کلمات زبان کو اُلٹا کر کے اور کلام کو اپنے اصلی معنیٰ سے تبدیل کر کے کہتے ہیں تاکہ وہ حضور علیہ السلام کو جی بھر کے گالی دے سکیں مثلاً غَيْرَ مُسْمَعٍ کو لا اسمعت مکروہا کے بجائے اور راعنا کو راعینا کے مشابہ کر کے تاکہ راعنا بمعنے انظرنا سمجھا جائے ۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ان کلمات سے بظاہر تو نبی علیہ السلام کو دُعاؤں سے یاد کرتے ہیں لیکن اندرونی خباثت سے آپ کو گالی دیتے اور آپ کی تحقیر کرتے ہیں ۔ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ (اور دین پر طعن زنی کے لئے) یا اس سے تمسخر و استہزا کر کے دین پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ (اور اگر وہ) انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سُن کر ۔ قَالُوا (زبانِ حال یا مقال سے ۔ سمعنا و عصینا کے بجائے) کہتے سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (ہم نے سنا اور اطاعت کی ۔ اور اسمع غیر مُسمَع کے بجائے صرف واسمع کہتے ہیں ۔ اسمع کے بعد غیر مُسمَع کا اضافہ نہ کرتے اور" راعنا کے بجائے "انظرنا" کہتے یعنی وہ اپنے

کلام میں کسی قسم کا شر اور فساد اور ہیر پھیر نہ کرتے۔ یعنی اگر وہ ثابت قدم رہ کر کلمات مذکورہ کے بجائے مسطورہ بالا کلمات کہتے۔ لَكَانَ تو مسطورہ بالا کلمات کی وجہ سے خَيْرًا لَّهُمْ اُن کے لئے بہتری ہوتی وَاَقْوَمَ اور نہایت ہی احسن اور اچھا تھا۔ اور اُن کے لئے یہی سیدھا راستہ تھا۔

سوال جب اُن کے تمام کلمات سراسر بے ہودہ تھے تو پھر لفظ خیر کیوں لایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے وہ کلمات من وجہ اچھے تھے؟

جواب اُن کے کلمات کو اُن کے گمان فاسد کے مطابق ایسے ہی کہا گیا ہے ورنہ وہ فی نفسہٖ اچھے نہیں تھے اس کی نظیر دوسری آیت کے یہ کلمات ہیں فرمایا قُلْ آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ (فرمایئے کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں)۔

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ لیکن جب وہ اپنے کلمات پر بضد رہے اور اپنی بکواس سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا اور ان کے کفر کی وجہ سے انہیں رحمت سے محروم رکھا۔ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ پس اس کے بعد وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اِلَّا قَلِيْلًا (مگر تھوڑے) یہ لعنھم کی ضمیر سے استثنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کو ملعون بنایا۔ مگر ایک تھوڑا سا گروہ اس لعنت سے بچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے استثنا فرما کر اُن سے ایمان کا راستہ بند فرمایا چنانچہ اس کے بعد یہودیوں کے چند علماء ایمان کی دولت سے نوازے گئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت کعب اور اُن جیسے اور (رضی اللہ عنہم) اور یہ استثنا لَا يُؤْمِنُوْنَ سے بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ہاں اگر لائیں گے تو تھوڑا۔ یہ وہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ لیکن حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انکار کریں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اس اُمت کے علمائے سوء بھی عملی طور تحریف قرآنی کرتے ہیں اگرچہ زبان سے اس پر سچے دل سے عقیدت کا دم بھرتے ہیں جیسے یہودیوں کا طریقہ تھا کہ زبان سے تو سَمِعْنَا کہتے کہ ہم حکم الٰہی کے مطابق تارکِ دنیا اور اس کے زیب و زینت سے اور خواہشات نفسانی سے دور ہیں اور صرف آخرت کے طالب ہیں۔ دنیا سے ہمیں کیا غرض۔ اپنے مالک مولیٰ کی طلب میں ہم مخلوق سے کسی کا واسطہ نہیں رکھتے اور عملی حالت یہ ہے کہ مذکورہ بالا اُمور کی ان سے بُو نہیں آتی اور ان مقامات و مراتب کا حصول تو بجائے خود ان کی گرد سے بھی محروم ہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو ایسے اعمال سے موصوف ہیں اور ان کے غلط طریقوں سے مطعون کرتے ہیں۔ ایسے علمائے سوء قلبی طور پر ایمان نہیں لاتے ہاں انمیں بعض اچھے بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ خواہشات نفسانیہ سے یکسر دور رہتے ہیں اور ایمان حقیقی ہے اور وہ لوگ طلب حق اور صدق اور اخلاص عمل اور ترکِ دنیا اور اُس کے نقش و نگار کی نفرت کی تصویر ہوتے ہیں بلکہ طلب معبود میں سو جان سے

قربان ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

(۱) مشو معزوس ایں نطق مزور
بنادانی مکن تو خودرا سرور

(۲) اگر علم ہمہ عالم بخوانی
چوں بے عشق از حرفے ندانی

ترجمہ: (۱) اس کھوٹے بول پہ دھوکہ نہ کھا بیوقوفی سے خود کو سردار نہ سمجھ۔
(۲) تمام دنیا کے علوم پڑھو اگر تمہارے میں عشق نہیں تو یقین کرو کہ تم ایک حرف بھی نہیں جانتے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم پڑھتا ہے لیکن اس میں اُس کی رضائے الٰہی مطلوب نہیں بلکہ اسے صرف دنیوی اغراض مدِنظر ہیں تو وہ قیامت میں بہشت کی خوشبو تک سے محروم ہوگا۔

علم نافع کے فوائد حضرت شیخ شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علم نافع کی برکت سے طاعتِ الٰہی پر مدد ملتی ہے اور خوف الٰہی نصیب ہوتا ہے اور حدود الٰہی کی پابندی حاصل ہوسکتی ہے۔ دراصل علم عرفانی یہی علم ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں علوم درا ہم و دنانیر کی طرح ہیں کہ اگر جا ہو تو وہ تمہیں نفع دیں گے اگر جا ہو تو وہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے ایسے ہی علم کی کیفیت ہے کہ اگر اسمیں خشیت الٰہی ہو تو اس میں اجر و ثواب ہے اور اس سے منافع بھی حاصل ہوں گے ورنہ وہی علم وبالِ جان ہے کہ اُلٹا گناہ اور سزائے الٰہی سوا۔ اور یہی علم اُلٹا تمہارے اوپر حجت ہوگی۔

خشیت الٰہی کی علامت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی چند علامت ہیں: (۱) ترکِ دنیا (خلق خدا سے کنارہ کشی)۔ (۲) نفسِ امارہ کی اصلاح۔ (۳) شیطان کے ساتھ جنگ۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

(۱) دعویٰ کنی کہ برترم از دیگراں بعلم
چوں کبر کردی از ہمہ دوناں فروتری

(۲) شاخ درخت علم ندانم بجز عمل
تا علم باعمل نکنی شاخ بے بری

(۳) علم آدمیت د جواں مردی و ادب
ورنہ بدی بصورت انساں برابری

(۴) ترک ہوا است کشتی دریائے معرفت
عارف بذات شو نہ بدیں قلندری

(۵) ہر علم راکہ کار نہ بندی چہ فائدہ
چشم از برائے آن بود آخر کہ بنگری

ترجمہ: "تیرا دعویٰ ہے کہ علمی لحاظ سے میں دوسروں سے برتر ہوں اگر تیرے میں تکبر ہے تو کمینوں سے بھی کمینہ تر ہے۔

(۲) علم کے درخت کی شاخ عمل ہے علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ شاخ بے پھل ہے۔

(۳) علم آدمیت و جوانمردی اور ادب کا نام ہے۔ اگر تیرے میں بُرائی ہے تو پھر عام آدمیوں کے برابر ہے۔

(۴) دریائے معرفت کی کشتی خواہشات کا ترک ہے اس قلندری سے نہیں بلکہ ذات حق سے عارف ہو۔

(۵) عمل پر اگر عمل نہ کروگے تو کیا فائدہ۔ وہی امید ہونی چاہیئے جو تو اپنے عمل کو دیکھ رہا ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ (اے لوگو جو کتاب (تورات) دیئے گئے ہو) اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا (اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمایا) یعنی قرآن پر۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ (وہ قرآن اس حال میں ہے کہ وہ اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے) یعنی تورات کی بھی وہ قرآن تصدیق کرتا ہے۔

فائدہ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ قرآن انہی اوصاف سے اُترا ہے جیسے تورات میں لکھا گیا تھا یا یہ کہ قصص و مواعید اور توحید اور لوگوں کے ما بین انصاف کی دعوت اور معاصی و فواحش سے نہی جیسے تورات میں تھی ایسے ہی اس میں ہے۔

سوال قرآن پاک کے بہت سے احکام یعنی اوامر و نواہی تورات کے منافی ہیں یہ تصدیق ہے یا تکذیب؟

جواب چند احکام کی جزئیات کی تبدیلی اعصار و اُمم کی تبدیلی کی وجہ سے ہے اسے حقیقتاً مخالفت نہیں کہا جاتا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ مخالفت بھی موافقت نظر آنے گی کہ زمانہ کی طرف اضافت کی وجہ سے ہر دونوں حق ہیں اور ہر دونوں میں ایسی حکمتیں مضمر ہیں کہ احکام تشریعی انہی حکمتوں کے گرد گھومتے ہیں۔ بالفرض والتقدیر اگر یہ دونوں متقدم و متاخر ہو کر نازل ہوتیں تو زمانہ کی ضروریات کی کفالت لے کر اترتیں۔ اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام آج بظاہر زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا (اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں)۔

حل لغات الطمس محو آثار و ازالہ اعلام کو کہا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایمان لاؤ اس وقت سے پہلے جب ہم تمہارے چہروں کے خطوط بگاڑ دیں اور ان کے آثار کو زائل کر دیں مثلاً آنکھ اور ابرو اور ناک

اور منہ اپنے مقامات پر نہ رہیں۔ فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ پھر ہم انہیں تمہاری پشتوں کی طرف پھیر دیں کہ تمہارے چہروں کو تمہاری پشتوں کی طرح ہموار کر دیں کہ چہرے بھی پشتوں کی طرح ہموار نظر آئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کا بھی مطلب یہی ہے چنانچہ فرمایا کہ ہم تمہارے چہروں کو اونٹوں کے پاؤں اور گھوڑوں کے کھروں کی طرح بنا دیں۔ اس تقریر پر فَنَرُدَّهَا کی فا سببیہ ہوگی یعنی بایں سبب کہ ہم اُن کے چہروں کو پشتوں کی طرف پھیر دیں یا چہرہ بگاڑنے کے بعد پھر اُن کی پشتوں کی طرف پھیر دیں اور اُن کی پشتوں کو اُن کے چہروں کے مقام پر رکھ دیں۔ اس طرح سے وہ دو عذابوں میں مبتلا کئے جائیں گے یعنی چہرے پشتوں کی جگہ اور پشتیں چہروں کی جگہ پر (۲) چہروں کا بگاڑ یہ ان کے لئے دو عذاب ہیں۔ اَوْ نَلْعَنَهُمْ (یا انہیں لعنتی بنا دیں) یعنی بگڑے ہوئے چہروں والوں کو رسوا کریں۔ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ (جیسا کہ ہم نے ہفتہ والوں کو رسوا کیا) کہ انہیں بندر اور خنازیر بنا دیا۔

فائدہ وعید کا وقوع ایمان سے مشروط ہے اور اس سے وجوداً و عدماً معلق ہے کہ اگر انہیں ایمان پایا گیا تو سزا سے بچ جائیں گے ورنہ اس سزا مذکو میں مبتلا کئے جائیں گے چنانچہ ان میں بعض کو دولتِ ایمان نصیب ہوئی تو وہ وعید مذکور سے محفوظ ہو گئے۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ (اور ہے اللہ تعالیٰ کا عذاب) مَفْعُوْلًا ٥ (ضرور بالضرور ہونے والا)۔ یہ انہیں شدید وعید ہے یعنی اے اُمّتِ محمد یہ علی صاحبہا السلام تمہارے ساتھ اسی طرح ہو جیسے گذشتہ اُمتوں کے ساتھ ہو گذرا ہے فلہٰذا تمہیں ایسی وعید سے ڈرنا چاہیئے اور کفر کو چھوڑ کر ایمان حاصل کیجئے اور توبہ و استغفار کا شعار بنائیے۔

فائدہ اس اُمّتِ محمدیہ علی صاحبہا السلام میں بھی مسخ بارہا وقوع پذیر ہوا (چند حکایات پڑھئے)

حکایت حضرت ابو علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا ہم ایک شخص کو امیرِ قافلہ منتخب کر کے اس کی ہدایات پر سفر کرتے رہے۔ چلتے چلتے ہم ایک جگہ پر آرام کرنے کے لئے اُترے تو وہ بدبخت یعنی ہمارا امیرِ قافلہ سیدنا ابو بکر و سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دینے لگا۔ ہم نے اسے ہر چند سمجھایا لیکن اس نے ہماری ایک نہ مانی۔ جب ہم صبح کو اُٹھے تو سامان سفر باندھا تو حسبِ دستور اُس کے سفر کی تیاری کے آثار نظر نہ آئے ہم چل کر اُس کے ہاں پہنچے تا کہ معلوم کریں کیا ماجرا ہے (کہ آج سفر کے لئے تیار نہیں ہو رہا) کہ دیکھا تو وہ جانور کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اور اُس کے پاؤں ایک بڑی چادر سے ڈھلنپے ہوئے تھے ہم نے اسے علیحدہ کیا تو دیکھا کہ اُس کے پاؤں خنزیر کی طرح تھے۔ ہم نے اس کا سامانِ سفر باندھا اور اُسے پکڑ کر اس کی سواری پر بٹھایا لیکن وہ سواری سے چھلانگ لگا کر نیچے اُترا اور خنزیر کی طرح بُری آواز نکالے اور بھاگ کر خنزیروں سے جا ملا۔ پھر

مکمل خنزیر کی شکل میں ہوگیا۔ اس کے بعد ہم میں سے کوئی پہچان نہ سکا کہ ان خنزیروں میں ہمارا امیر قافلہ کونسا ہے یعنی مکمل طور پر خنزیر ہی ہوا۔[1] (روضۃ العلما)۔

حکایت [2] مروی ہے کہ ایک احادیث کے راوی (محدث) کا سر گدھے کی طرح ہوگیا جبکہ اس نے ایک صحیح حدیث کے مضمون کا انکار کیا وہ یہ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رکوع وسجود میں امام سے پہلے سر رکھے گا یا اٹھائے گا تو اس کا سر گدھے کی طرح ہوجانے کا امکان ہے تو اس نے آزمائشی طور ایک روز امام کے خلاف کیا تو سر گدھے کی طرح ہوگیا۔[2]

فائدہ یہ مسخ صوری ہے دوسرا مسخ معنوی بھی ہوتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ سخت اور ہولناک ہے وہ اس لئے کہ کوئی شخص ابتداً میں نابینا ہو تو اس کے لئے امکان ہے کہ وہ بعد کو بینا ہوجائے لیکن (معاذ اللہ) باطنی طور قلب کا اندھا ہوجائے تو وہ آخرت تک اندھا رہے گا اور سیدھا راستہ اسے نصیب ہی نہیں ہوگا اور ظاہر ہے کہ آخرت کی رسوائی دنیا کی رسوائی سے کہیں زیادہ سخت اور ہولناک ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اس جدوجہد میں رہے کہ اس سے حق تعالیٰ راضی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حق سے منہ پھیر کر اسے دنیا کے گورکھ دھندے میں لگا دیا جائے اور خواہشاتِ نفسانیہ میں اسے گرفتار کیا جائے بلکہ اس سے انسانی صفات چھین کر اسے درندگی اور شیطانی صفات میں پھنسا دیا جائے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) با تو ترسم نشود شاہد روحانی دوست
کالتماس تو بجز عالم جسمانی نیست

(۲) سعی کن تا ز مقام حیوانی درگذری
کاھنست آئینہ تا دام کہ نورانی نیست

(۳) خفتگا نرا چہ خبر زمزمہ مرغ سحر
حیواں را خبر از عالم انسانی نیست

(۱) مجھے خطرہ ہے کہ تیرا شاہد روحانی مددگار نہ ہو جبکہ تیری طلب عالم جسمانی کے سوا نہیں۔
(۲) سعی کرتا کہ تو مقام حیوانی سے گذر جائے اس لئے کہ وہ جس آئینہ میں روشنی نہ ہو وہ لوہا ہے (آئینہ نہیں)۔
(۳) مرغ سحر کے نغمہ سرائی کی سونے والوں کو کیا خبر حیواں کو تو خبر ہوا اور انسان بے خبر ایسا انسان عالم انسانی سے نہیں۔

---

[1] شیعہ حضرات کے لئے کتنا سبق ہے۔
[2] وہابی، دیوبندی اور پرویزی اپنا انجام دیکھ لیں۔

تفسیر صوفیانہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اُس کے متعلق تحقیقی قول یہ ہے کہ انسان ابتدائی تخلیق میں اس عالم محسوس کا مانوس ہوگیا۔ اس کے بعد فکر و عبودیت سے گویا وہ اسی طرح عالم محسوسات سے عالم معقولات کی طرف سیر کرتا جاتا ہے۔ اس کے آگے معقولات ہے اس کے پیچھے عالم محسوسات۔ رُسوائی پائے گا وہ جو آگے سے پیچھے کی طرف چلتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اُن کی مذمت فرماتا ہے نُاکِسُوْا رُؤُسِهِمْ (وہ اپنے سروں کو اُلٹا رکھنے والے ہیں) اللہ تعالیٰ سے ہم فائدہ کے بعد نقصان اور خیر کے بعد شر سے پناہ مانگتے ہیں۔

حکایت عبداللہ بن احمد مؤذن فرماتے ہیں کہ میں کعبۃ اللہ کے گرد طواف کر رہا تھا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کعبہ شریف کے پردوں سے چمٹ کر عرض کر رہا ہے۔ اے اللہ! مجھے دنیا سے مسلمان کر کے روانہ فرما" اس سے آگے کچھ نہیں کہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ صرف مسلمان ہو کر مرنے کی دعا مانگتے ہیں کچھ اور بھی مانگ لو۔ اُس نے کہا اگر آپ کو میرا ماجرا معلوم ہو جائے تو آپ مجھے واقعی معذور سمجھیں گے میں نے کہا آپ اپنے ماجرا کی تفصیل سُنایئے اُس نے کہا میرے دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی نے محض رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر اذان پڑھی۔ جب موت کا وقت قریب ہوا تو کہا مجھے قرآن مجید دو۔ ہم قرآن مجید لائے کہ وہ شاید اس سے برکت حاصل کرتا ہے لیکن قرآن مجید ہاتھ میں لے کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گواہ ہو جاؤ میں قرآن کے جمیع احکامات و اعتقادات سے برأت ظاہر کرتا ہوں اور نصرانی مذہب قبول کرتا ہوں چنانچہ وہ اس حالت میں نصرانی ہو کر مرا۔ اس کے بعد اور میرے دوسرے بھائی نے تیس سال تک مسجد میں فی سبیل اللہ اذان پڑھی لیکن جب اس کی موت واقع ہوئی تو پہلے بھائی کی طرح نصرانی ہو کر مرا۔ اب مجھے خطرہ ہے کہ میں اُن کی طرح نہ ہو جاؤں اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اِس دینِ اسلام پر استقامت بخشے میں نے اس سے پوچھا آپ کے اُن دونوں بھائیوں کا زندگی میں عملی کردار کیا تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ بے گانہ عورتوں کے پیچھے لگے رہتے تھے اور اور وہ بے ریش لڑکوں سے بھی عشق رکھتے تھے[1]

سبق یہ دونوں گندے عمل ہی مُرتد اور ملعون اور مسخ ہونے کے اسباب ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ کریم ہمیں تزکیہ نفس اور اس کی اصلاح کی توفیق عنایت فرمائے اور خاتمہ ایمان پہ ہو ؎

خدایا بحب بنی فاطمہ ۔۔۔ کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ

ترجمہ: اے اللہ حب بنی فاطمہ کے طفل قول ایمان پر میرا خاتمہ فرما۔

---

[1] اس سے زانیوں اور لوطیوں کو اپنا انجام دیکھنا چاہیئے۔

(اُویسی غفرلہٗ)

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ (بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں بخشے گا جو شرک کا ارتکاب کرے گا)۔ جبکہ وہ توبہ کئے بغیر مرجائے اور اُسے ایمان کی دولت نصیب نہ ہو۔ اس لئے کہ حکمت تشریعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ وہ کفر کے تمام دروازے بند ہوجائیں۔ اگر کفر سے توبہ کے بغیر بخشش کا جواز مانا جائے تو اس سے کفر کا دروازہ کھلا رکھنا لازم آئے گا۔ علاوہ ازیں کفر کی تاریکیاں اور معاصی کی آندھیاں نُورِ ایمان کو چھپا دیتی ہیں۔ پھر جس کے ہاں ایمان کی روشنی ہی نہیں ہوگی تو اُسے کفر و معاصی کی وجہ سے کیسے معافی نصیب ہوسکتی ہے وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ (اور شرک کے سوا تمام گناہ بخش دے گا۔ اگرچہ وہ کتنا ہی بُرے اور بڑے کیوں نہ ہوں یعنی صغیرہ کبیرہ گناہ محض اپنے فضل و کرم سے توبہ کے بغیر بھی بخش دے گا لیکن ہر ایک کو نہیں بلکہ لِمَنْ یَّشَآءُ آخر (جس کے لئے چاہے گا)۔ یعنی ان گناہوں کا جو بھی مرتکب ہوگا اسے معاف کردے گا بشرطیکہ اُن سے آگے نہ بڑھے یعنی شرک کا ارتکاب نہ کرے[1]

فائدہ ہمارے شیخ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمنام (رحمۃ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں اس سے وہ مؤمن

---

[1] ہمارے دور میں شرک کی غلط تعبیر کرکے مسلمانوں کو مشرک گردانا جارہا ہے فقیر شرک کے متعلق مختصر سا تبصرہ کرتا ہے

شرک کسے کہتے ہیں حضرت علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے جو تمام دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور عقائد اہلسنت کی مستند کتاب ہے۔

الاشراك هو اثبات الشريك فی الالوهية بمعنی وجوب الوجود كما للمجوس اور بمعنی استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام۔

(شرح عقائد نسفی ص۶۱)

ترجمہ: مشرک ہونے کا یہ مطلب ہے کہ الوہیت میں (اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو) شریک ثابت کیا جائے (الوہیت کا معنیٰ) واجب الوجود ہونا جیسا کہ مجوس نے کیا یا (الوہیت کا معنی ہے) عبادت کا حقدار ہونا جیسا کہ بت پرستوں نے کیا۔

فائدہ علامہ نسفی کی مذکورہ بالا تصریح سے یہ معلوم ہوا کہ الوہیت کے دو معنیٰ ہیں۔

(۱) واجب الوجود ہونا۔

(۲) عبادت کا حقدار ہونا۔

مشرک کون مشرک وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اِلٰہ یعنی واجب الوجود یا مستحق عبادت مان لیا جائے اور توحید یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو اِلٰہ یعنی واجب الوجود اور مستحق عبادت مانا جائے اور اس کے سوا سب اِلٰہ یعنی واجب الوجود اور عبادت کا مستحق ہونے کی نفی کی جائے چنانچہ اسی شرح عقائد

باقی اگلے صفحہ پہ

مراد ہیں جو شرک سے بچتے رہے اللہ تعالیٰ اُن کے تمام صغائر و کبائر گناہ فرما دے گا اس لئے کہ وہ شرک جیسی لعنت سے محفوظ رہے ۔ بخلاف مشرکین کے کہ انہیں شرک کی سزا کے علاوہ گناہوں کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی'

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کے حاشیے میں شرح مقاصد سے نقل کرتے ہیں کہ

ان حقیقة التوحید اعتقاد عدم الشریك فی الالوهیة وخواصها واراد بالالوهیة وجوب الوجود (شرح عقائد نسفی صک۲)

ترجمہ: توحید کی حقیقت یہ ہے کہ الوہیّت اور اس کے خاصوں میں کسی چیز کے شریک نہ ہوتے کا عقیدہ رکھا جائے اور الوہیت سے مراد واجب الوجود ہونا لیا ہے ۔

فائدہ اس میں بھی اس امر کی صراحت ہے الوہیّت کا معنیٰ واجب الوجود ہونا ہے اور شرک کا حقیقی معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود سمجھا جائے ۔

اسی حاشیہ میں ہے ۔

المحدث للعالم هو الله بمنزلة ان الصانع للعالم هو الذات الواجب الوجود فالمعنی عدم اشتراك مفهوم الواجب الوجود بین الاثنین ۔

ترجمہ، تمام جہان کا موجود کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔ یہ کہنا اس مرتبہ میں ہے کہ یہ کہا جائے کہ تمام جہان کا بنانے والا صرف ذات واجب الوجود ہے توحید کا معنیٰ یہ ہے کہ واجب الوجود کا مفہوم دو کے درمیان مشترک نہیں ۔

فائدہ اس عبارت کا مفہوم بھی اسی بارے میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے دوسرا کوئی واجب الوجود نہیں ۔ یہی توحید ہے ۔ شرح عقائد کی شرح نبراس میں ہے ۔

وقال بعضهم ان اصل التوحید هو عدم الاشتراك فی صفة الوجوب (النبراس صہ۱۵۵)

ترجمہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ اصل توحید یہ ہے کہ واجب الوجود ہونے کی صفت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے ۔

اس کے بعد فرمایا ۔

اما عدم الشرك فی الصنع واستحقاق

ترجمہ: رہا کائنات کے بنانے اور عبادت کا حقدار

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیسے کہ اُن کے شرک کو معاف نہیں کیا جائے گا ایسے ہی اُن کے صغائر و کبائر بھی معاف نہیں ہوں گے ہاں اہل ایمان کو جیسے اللہ تعالیٰ نے شرک کی لعنت سے بچاکر انہیں شرک کی سزا کے عذاب سے محفوظ فرما لیا۔ ایسے ہی شرک

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

العبادة فمن لوازمه ﴿ ہونے میں اس کا کسی کو شریک نہ ماننا تو یہ توحید کے لوازمات میں سے ہے۔

فائدہ ان دونوں تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ واجب الوجود ہونے میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ماننا توحید کا اصل معنیٰ ہے اور عبادت میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرنا یہ توحید کا اصل مفہوم نہیں بلکہ توحید کا لازم ہے۔ کیونکہ جو واجب الوجود ہے وہی عبادت کا حقدار ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں اسی لئے اس کے سوا کوئی عبادت کا حقدار نہیں۔ نیز عقائد حنفیہ کی مشہور کتاب شرح فقہ اکبر میں ہے۔

والحاصل ان صانع العالم واحد اذلا يمكن ان يصدق مفهوم واجب الوجود الاعلى ذات واحدة متصفة بنعوت متعددة (شرح فقہ اکبر ص۱۶)

ترجمہ: حاصل یہ ہے کہ تمام جہان بنانے والا ایک ہے اس لئے کہ واجب الوجود کا مفہوم سوائے ایک ذات کے جو متعدد صفتوں والا ہے اور کسی پر صادق نہیں آتا۔

اسی میں ہے:

وهذا لانه تعالىٰ واجب الوجود لذاته وما سواه ممكن الوجود في حد ذاته فواجب الوجود هو الصمد الغني الذي لا يفتقر الى شيئ ويحتاج كل ممكن اليه في ايجاده و امداده

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی جیسا نہیں اس لئے کہ وہ واجب الوجود لذاتہ ہے اور اس کے ماسوا سب اپنی ذات میں ممکن الوجود ہیں۔ تو واجب الوجود وہ صمد اور غنی ہے جو کسی شی کا محتاج نہیں اور اس کی طرف ہر ممکن محتاج ہے اپنے موجود ہونے اور جاری رہنے میں۔

حضرت امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ

واما الواجب لذاته فهو الله تعالىٰ فقط۔ (تفسیر کبیر ص۱۶۴ ج ۱۰)

ترجمہ: بہرحال واجب الوجود لذاتہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہے دوسرا کوئی نہیں۔

نیز اسی میں ہے۔

باقی اگلے صفحہ پر

کے ماسوا کے عذاب سے بھی محفوظ فرما کر مغفرت سے نوازے گا۔
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ (اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

لانہ بحسب دلالتہ علی الوجوب الذاتی یدل علی جمیع السلوب۔
(تفسیر کبیر ص۵۳۵ ج ۸)

ترجمہ: لفظ الصمد اللہ تعالیٰ کی شان میں جو آیا ہے یہ اس کے واجب الوجود لذاتہ ہونے پر دلالت کرنے کے اعتبار سے تمام سلبی صفات پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ ان مذکورہ بالا آئمہ کی تصریحات سے جہاں یہ واضح ہوا کہ واجب الوجود ہونا الوہیت کا معنیٰ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ میں ہے اور کسی میں نہیں پایا جاتا وہاں واجب الوجود کا مفہوم بھی واضح ہوا کہ) واجب الوجود وہ ہے جو اپنی ذات اور اپنی صفات اور اپنے کاموں میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ دوسرے سب اس کے محتاج ہوں۔ یعنی اس کی ذات خود قائم ہے اسے کسی نے نہیں بنایا۔ اس کی صفتیں اس کی ذات سے یعنی ذاتی ہیں۔ کسی نے اسے وہ صفتیں دی نہیں۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اتقان میں فرماتے ہیں۔

فالتوحید اثبات الھیۃ المعبود وتقدیسہ ونفی الھیۃ ما سواہ۔
(اتقان ص۱۶ ج ۲)

ترجمہ: پس توحید یہ ہے کہ معبود کی الوہیت اور ہر عیب سے اس کا پاک ہونا ثابت کیا جائے اور اس کے ماسوا الوہیت کی نفی کی جائے۔

گذشتہ تحقیق سے یہ چند باتیں ثابت ہو چکی ہیں کہ

(۱) الوہیت کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ماننا اور اس کے ماسوا الوہیت کی نفی کرنا توحید ہے۔

(۲) الوہیت کا معنی واجب الوجود ہونا اور عبادت کا حقدار ہونا ہے۔

(۳) واجب الوجود ہونا الوہیت کا اصلی حقیقی معنیٰ ہے اور عبادت کا حقدار ہونا الوہیت کا التزامی معنیٰ ہے۔

(۴) واجب الوجود کا معنیٰ کہ ذات اس کی خود قائم ہے کسی نے بنائی نہیں اور اس کی صفتیں اس کی ذات سے قائم ہیں کسی نے اس کو صفتیں عطا نہیں کیں اور کام وہ خود اپنی طاقت و قدرت و علم و حکمت و تصرف سے کرتا ہے کسی کی دی ہوئی طاقت و قدرت و علم سے نہیں۔

صفات باری تعالیٰ

ہمارا عقیدہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ذات میں کوئی شریک نہیں ایسے ہی اس کی صفات و افعال میں صفات و افعال اللہ تعالیٰ کی ذاتی ہیں (معاذ اللہ) اس کو کسی نے عطا نہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہے وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ پر اتنا بہت بڑے گناہ کا افترا کرتا ہے کہ جس کی انتہا کو کوئی جانتا ہی نہیں۔ بلکہ باقی تمام گناہ اس کے بالمقابل کچھ بھی نہیں بنا بریں ایسے شخص کی

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

بلکہ اس کی اپنی ذات سے یعنی ذاتی ہیں اور کسی مخلوق میں خواہ انبیاً کرام یا اولیاً عظام ہیں یا کسی دوسری مخلوق میں علم وقدرت حیات سننا دیکھنا ارادہ یا حاجت روائی یا مشکلکشائی، امداد دینا وغیرہ صفات خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور عطائی ہیں۔ ایسی صفات کسی میں ماننے سے اس کا خدا ماننا لازم نہیں آتا۔

مثلاً اگر کوئی ایسی صفات یعنی کسی کی دی ہوئی خدا تعالیٰ میں مانتا ہے تو اس نے خدا تعالیٰ کو خدا اور الٰہ نہیں مانا۔ بلکہ کفر کا مرتکب ہوا ہے۔ اسی طرح ایسی صفات یعنی عطائی کسی مخلوق میں ماننے سے بھی اس کا خدا اور الٰہ ماننا نہیں صحیح ہوتا کیونکہ جو عطائی صفت ہے وہ مخلوق کا خاصہ ہے وہ خدا تعالیٰ میں نہیں اور جو ذاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے وہ مخلوق میں نہیں۔ مخلوق میں کوئی صفت ذاتی ماننا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے اور عطائی صفت کو اللہ تعالیٰ کی صفت کہنا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ توحید کی حقیقت جاننے کے لئے یہ امر ذہن نشین رکھنا نہایت ضروری ہے۔

علم الٰہی قرآن کریم کی جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے علم کا بیان ہے ان میں علم ذاتی کا بیان ہے جو کسی کا عطا کیا ہوا نہیں کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور الٰہ کا خاصہ ہے۔ مثلاً

(۱) اِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا غیب جاننے والا ہے۔

(۲) عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ط

ترجمہ: وہ غیب اور شہادت کو جاننے والا ہے۔

(۳) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ط

" : اور اس کے پاس غیب کی چابیاں ہیں کوئی اس کے سوا ان کو نہیں جانتا۔

(۴) اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ بارش برساتا ہے اور وہ اسے جانتا ہے جو مادہ کے رحم میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

بخشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فائدہ اہل اسلام کے لئے قرآنی آیات میں سے اس آیت سے بڑھ کر اور کوئی آیت نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور وعدۂ کریمانہ سے خوشخبری بخشی ہے کہ شرک کے ماسوی باقی تمام گناہ بخش دے تو اس

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

فائدہ ان آیات میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا بیان ہے جو صرف ذاتی ہے عطائی نہیں۔ لہٰذا ان آیات میں عطائی اور ذاتی اوصاف کو گڈمڈ کرنا سخت ترین گمراہی ہے۔

قاعدہ اسلامیہ جن آیات واحادیث میں انبیاء کرام علیہ السلام یا اولیاء کرام علیہ الرحمۃ والرضوان اور دیگر مخلوق کے علم کا ذکر ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم یعنی عطائی کا ذکر ہے کیونکہ وہ مخلوق کی صفت کا خاصہ ہے۔ ایسی صفت والا خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ہو سکتا مثلاً

(۱) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ط

ترجمہ: اور یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب پر بخل کرنے والے نہیں ہیں۔

(۲) عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ط

ترجمہ: اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ اپنے خاص غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا۔ سوائے ان کے جن کو رسول کی حیثیت سے اس نے چن لیا۔

(۳) وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم علیہ السلام کو زمینوں آسمانوں کی بادشاہی۔

(۴) وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

ترجمہ: اور آدم علیہ السلام کو تمام کے تمام ناموں کا علم اللہ تعالیٰ نے دیا۔

(۵) وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ

ترجمہ: اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) میں تمہیں ان چیزوں کی خبر دوں گا جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔

دیوبندیوں وہابیوں کی غلط خیالی ان آیات میں حد بندی کرنا کہ کل مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ نہیں دیتا بعض چیزوں کا علم دیتا ہے۔ محض شانِ رسالت ڈلایت سے بغض وعناد ہے اور قرآن کریم کی تحریف اور گمراہی ہے کیونکہ کل مخلوقات کے علم یا بعض کے علم کی صفت خداوندی میں کوئی تقسیم نہیں اس کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

سے کون پوچھنے والا ہے جس کے لئے چاہے بالخصوص حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اُمتی جو اہل توحید ہیں اور ایمان و اسلام کے معاملہ میں خالص و مخلص ہیں۔ چنانچہ اُن کے لئے دوسرے مقام پہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہ یغفو

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

صفت جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔

قاعدہ اسلامیہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حاجت روائی کا ذکر آیا ہے اس میں اس کی ذاتی قدرت اور قدرتِ ذاتی سے حاجت روائی کا ذکر ہے۔ مثلاً

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر ایک شے پر قادر ہے۔

(۲) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط

ترجمہ اگر اللہ تعالیٰ تجھے نقصان اور تکلیف پہنچائے تو اس کو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ فائدہ اور نفع کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔

(۳) قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ط

ترجمہ: آپ فرما دیں کہ میں اپنے نفس کے لئے کسی نفع یا نقصان کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔

(۴) مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ط

ترجمہ: تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حامی و مددگار نہیں۔

(۵) اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط

ترجمہ: کیا کوئی ہے جو لاچار کو پکارتے وقت اس کی پکار کو قبول کرے اور اس کی تکلیف کو دور کرے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے۔

فائدہ یہ اور ایسی دوسری آیات میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حاجت روائی اور مدد و حمایت کا ذکر ہے اس لئے ان میں بالواسطہ اور وسیلہ کے طور پر تکلیف دور کرنے اور عطائی طاقت سے تکلیف دور کرنے کو بھی شامل کر کے خاصۂ خداوندی بنانا تحریف اور گمراہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات صرف ذاتی ہیں۔ مخلوق اور خصوصاً انبیاءً و اولیاء کرام کی طاقت اور مدد بالواسطہ اور عطاً خداوندی سے ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

الذنوب جمیعًا (بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخشتا ہے)۔

شانِ نزول اور حکایت حضرت وحشی قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرۃ حمزہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عریضہ بھیجا کہ میرا ارادہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤں لیکن مجھے قرآن

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

قاعدہ اسلامیہ جن آیات واحادیث میں دوسری مخلوق یا انبیا کرام واولیا کرام کی امداد اور حاجت روائی کا ذکر ہے وہ بالواسطہ اور عطائی ہے جو مخلوق کا خاصہ ہے وہ خدا تعالیٰ کی صفت نہیں مثلاً:

۱۔ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ط

ترجمہ: اے اللہ ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حامی بنادے اور ہمارے لئے کوئی مددگار بنادے۔

۲۔ اعینونی بقوۃ ط

ترجمہ: پوری قوت کے ساتھ تم میری مدد کرو۔

۳۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط

ترجمہ: اور تم صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔

۴۔ مَنْ انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ ط

ترجمہ: (ارشاد حضرت عیسٰی علیہ السلام) میرا اللہ کی طرف کون مددگار رہے تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

۵۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔

۶۔ وابرئ الاکمہ والابرص واحیی الموتی باذن اللہ ط

ترجمہ: (ارشاد حضرت عیسٰی علیہ السلام) کہ میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہوں اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔

۷۔ وتعاونوا علی البرّ والتقویٰ

ترجمہ: آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں پر۔

صحابیوں کا عقیدہ نہ کہ وہابیوں کا صحابہ کا عقیدہ وطریقہ کبھی شرک نہیں ہو سکتا ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم رضوان مشکل کے وقت اپنی حاجت بارگاہِ رسالت میں پیش

کی ایک آیت کا مضمون اسلام قبول کرنے سے مانع ہے وہ آیت ہے والذین یدعون مع اللہ الٰہا آخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون (وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرتے اور کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ ہی زنا کرتے ہیں) ان تینوں مذکورہ ارشادات کے خلاف کیا۔ باینہمہ پھر بھی میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی الا من تاب وامن وعمل

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

کرتے اور ان کی حاجت روا ہو جاتی۔ جیساکہ گذشتہ قسط میں باحوالہ احادیث مبارکہ لکھ دی گئی ہیں۔

تو ان آیات و احادیث طیبہ اور ایسی دوسری آیات و احادیث میں عطائی طاقت سے مدد کرنے اور حاجت روائی اور تصرف کا ذکر ہے اس کو خداوند کریم کی صفت کہنا توحید اور صفات خداوندی سے بے خبری اور شانِ رسالت سے بغض کی وجہ سے ہے۔

وہابیوں دیوبندیوں کا غلط قاعدہ اس میں مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب کا فرق کرنا من گھڑت اور گمراہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں مافوق الاسباب وغیرہ کا کوئی فرق نہیں۔ ذاتی طاقت سے مدد کرنا مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب دونوں کو شامل ہے نیز مافوق الاسباب تصرف و اختیار مخلوق کے لئے قرآن کریم میں ثابت ہے۔

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک — ترجمہ: اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کہ میں اس (تخت بلقیس) کو آپ کے پاس آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں۔

مافوق الاسباب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملکہ سبا بلقیس کا تخت لانے کے لئے اپنے درباریوں کو حکم فرمایا۔ ایک عفریت نے کہا کہ میں آپ کے کچہری برخاست کرنے سے پہلے آج ہی تخت لے آؤں گا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس سے جلدی چاہیئے تو آپ کے ایک صحابی نے جو انسان تھا یہ کہا کہ میں آپ کے پاس وہ تخت آنکھ کے لحظہ میں لے آتا ہوں جب آپ نے دیکھا تو وہ تخت آپ کے پاس حاضر پڑا تھا۔ اس کو آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت و عنایت شمار کیا اور شکر خداوندی ادا کیا۔

فائدہ ظاہر ہے کہ اتنا طویل و عریض لمبا چوڑا تخت لانے کے لئے انسانی طاقت کافی نہیں بلکہ بڑھئی یا انسانوں کی ضرورت ہے۔ نیز ایک لحظہ کافی نہیں بلکہ اتنے دور دراز منظر کے لئے کئی دن درکار ہیں یہ اسباب ہیں لیکن ان اسباب کے بغیر آپ کا صحابی جو ولی اللہ تھا خدا تعالیٰ کی عطا کردہ مافوق الاسباب قوت سے تخت لے آیا

(باقی اگلے صفحہ پر)

عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰئِكَ يبدل الله سيئاتهم حسنات (مگروہ جو کفر وغیرہ سے تائب ہو کر نیک عمل کریں وہی ہیں جن کی برائیاں اللہ تعالیٰ نیکیوں سے تبدیل کر دے گا)۔ حضور علیہ السلام نے وحشی کے پاس یہی آیت لکھ کر بھجوادی۔ اس نے لکھا کہ اس میں عمل صالح کی شرط ہے اور میں ایسے اعمال نہیں رکھتا۔ ممکن ہے مجھ سے نیک اعمال نہ ہو سکیں۔ اس کے عذر پر یہی آیت نازل ہوئی یعنی اِنَّ اللّٰہَ لَا یغفر ان یشرک بہ الخ آپ نے یہی آیت وحشی کو لکھ کر بھیج دی۔ پھر بھی وہ عذر کرنے لگا کہ اس آیت میں بھی بخشش کا حتمی وعدہ نہیں کیا گیا ممکن ہے میں اس شرط پر بھی پورا نہ اُتر سکوں۔ اس کے بعد یہ آیت اُتری قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

جس کو ہُدہُد نے وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ کہا کہ ملکہ سبا کا تخت بہت ہی بڑا ہے اور کوئی تقسیم نہیں۔ اور اس تقسیم کا غلط ہونا بھی گذشتہ قرآنی آیات کی روشنی میں واضح ہو گیا۔

صحابی کا عقیدہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میرے والد عبداللہ فوت ہوئے تو ان پر بہت سا قرض تھا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے امداد طلب کی کہ قرض لینے والے قرض میں سے کچھ حصہ چھوڑ دیں۔ لیکن حق لینے والے اس پر رضامند نہ ہوئے۔ تو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ چھوہارے باغ سے توڑ کر علیحدہ علیحدہ ڈھیر کر دینا۔ پھر مجھے پیغام بھیجنا پھر حسب حکم میں نے کیا۔ آپ تشریف لائے۔ پھر آپ اس کے اوپر یا درمیان میں بیٹھ گئے اور آپ نے حکم فرمایا کہ تول تول کر لوگوں کو دیئے جا۔ میں نے سب کو ان کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور میرے چھوہارے ابھی اسی طرح پورے تھے ان میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا (بخاری شریف ص۲۸۶ ج-۱)

فائدہ اس حدیث پاک سے یہ امر صراحتاً ثابت ہوا کہ صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاجت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے امداد طلب کی تو آپ نے ان مافوق الاسباب طریقے سے ان کی مشکل حل کر دی اور حاجت روائی فرمادی۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ کا پھل قرض کی ادائیگی کا سبب تھا وہ ناکافی تھا اور آپ کی یہ مدد عطائے خداوندی سے تھی۔ جب ان کو امداد ملی تو قرض ادا ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ کا پھل جتنا تھا اتنا ہی ابھی موجود تھا۔ اس کے ظاہری اسباب میں سے کوئی سبب نہ تھا یہ دو شہادتیں ایک آیات قرآنی اور دوسری حدیث نبوی سے بطور نمونہ پیش کر دی ہیں سمجھدار کے لئے اتنا کافی ہے اور ضدی تو لاعلاج ہے اس کے لئے ہزاروں صفحات بھی ناکافی۔ تفصیل فقیر کی کتاب توحید و شرک میں ہے۔

(اُویسی غفرلہٗ)

الذنوب جمیعًا (فرمایئے اے حد سے بڑھنے والو میرے بندو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے گا۔ حضور علیہ السلام نے یہی آیت لکھ کر بھیجی جب اسمیں دیکھا کہ بلا شرط اسلام قبول ہے تو مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوگیا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مرے اور اس وقت وہ شرک سے پاک ہو تو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

حکایت ابو العباس شریح نے اپنے مرض الموت میں خواب دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہوگئی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے علماء کہاں ہیں۔ جب وہ بارگاہِ حق میں حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا تم نے اپنے علوم پر کیا عمل کیا سب جواب دیں گے اے الٰہ العٰلمین ہم نے کوتاہی کی اور غلطی کے مرتکب ہوئے گویا وہ کریم اس جواب کو ناپسند فرمائے گا۔ دوبارہ وہی ارشاد ہوگا تو میں عرض کروں گا۔ اے اللہ میرے اعمال نامے میں شرک نہیں اور تیرا وعدہ تھا کہ جو نہیں کرے گا میں اُسے بخش دوں گا۔ اللہ تعالیٰ سب کو فرمائے گا جاؤ میں نے تم سب کو بخش دیا۔ اس کے تین دن بعد حضرت شریح کا وصال ہوگیا۔

سبق اللہ تعالیٰ سے اچھی اُمید اور اس پر نیک گمان رکھنے سے اسی طرح نیک صلہ نصیب ہوتا ہے ؎

(۱) کنونت کہ چشمت اشکے ببار

زبان در دہانست عذرے بیار

(۲) کنوں بایدت عذر تقصیر گفت

نہ چوں نفسِ ناطق ز گفتن بخفت

غنیمت شمار ایں گرامی نفس

کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس

ترجمہ:(۱) ابھی تیرے پاس آنکھیں ہیں فلہذا آنسو بہا زبان منہ میں ہے عذر پیش کر۔

(۲) ابھی تجھے عذر کہنے کی طاقت ہے نہ اس وقت جب نفس ناطق بولنے سے رہ گیا۔

(۳) آج کے مقدس نفوس کو غنیمت سمجھ کہ پنجرہ مرغ کے بغیر بے قیمت ہے۔

تفسیر صوفیانہ شرک کی طرح مغفرت کے بھی تین مراتب ہیں۔ (شرک کے مراتب)

(۱) شرک جلی

(۲) شرک خفی

(۳) اخفیٰ

(۱) شرک جلی اعیان سے تعلق رکھتا ہے اور یہ عوام میں پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ غیر اللہ کی پرستش کی جائے۔ جیسے بعض لوگ اصنام و کواکب وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں اُن کی توحید کے اقرار کے بغیر ہرگز بخشش نہ ہوگی۔ وہ یہ کہ پوشیدہ اور اعلانیہ ہر طرح سے اپنی عبودیت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔

(۲) شرک خفی خواص سے متعلق ہے وہ اس طرح کہ عبادت میں عبودیت کو غیر ربوبیت مثلاً حصول دنیا اور التفات ماسویٰ اللہ جیسے مہلک امراض سے مخلوط کردے اور وحدانیت کے بغیر اُس کی بخشش ناممکن ہے وہ اس طرح ایک کو ایک کے لئے صرف ایک سے مانے۔

(۳) شرک اخفی صرف خاص الخواص حضرات سے متعلق ہے اور وہ اغیار و انانیت کو خیال خاطر لانے کو شرک کہتے ہیں اور یہ وحدت کے بغیر نہیں بخشا جائے گا اور یہ وحدت یہ کہ ناسوت کو لاہوت میں فنا کر دیا جائے تاکہ ہویت کو بقا اور انانیت کو فنا ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی مرتبہ شرک کو اس کے مطابق مغفرت عنایت نہیں فرمائے گا۔ اس کے ماسوا جس کو چاہے جیسے چاہے بخشش عنایت فرمائے اور جو بندہ جس طرح کے شرک سے بخشش مانگے گا اسے اللہ تعالیٰ اسی قسم کی مغفرت سے نوازے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک کرے تو وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے مابین وجود اعیاناً اور انانیت کا حجاب کھڑا کرتا ہے اور یہی تو سب سے بڑا حجاب ہے جیسے کسی نے فرمایا ؎

وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب (تیرا اپنا وجود ایسا گناہ ہے کہ اُس کا کوئی ثانی نہیں)۔ ؎

نیستی جولانگہ اہل دلست

شاہراہِ عاشقان کاملست

چو وجودت محو کردی از میاں

نورِ وحدت چشم دل را شد عیاں

شرک رہزن باشد اے دل در طریق

ذکر توفیق خدا را کن رفیق!

ترجمہ (۱) نیستی اہل دل جولانگاہ ہے لیکن عاشقان کامل کی شاہراہ ہے۔

(۲) جب تم اپنے وجود کو درمیان سے محو کردو گے تو تم پر نور وحدت عیاں ہوگا۔

(۳) طریقت میں شرک رہزن ہے ذکر الٰہی کو راہ حق میں اپنا رفیق بنا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَہُمْ (کیا تم نے انہیں دیکھا جو اپنی نفسوں کا تزکیہ کرتے ہیں)۔ یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب کی بنا پر ہے کیا تم یہودیوں کو نہیں دیکھ رہے ہو کہ وہ اپنے نفوس

اور زبان کی صفائی دے رہے ہیں حالانکہ درحقیقت اُلٹا کئی خرابیوں میں ملوّث ہو رہے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اُس کے محب ہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم چھوٹے بچوں کی طرح ہیں اور چھوٹے بچے اگرچہ غلطیاں بھی کرلیں تو اُن کے نام گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اُن سے تعجب اس لئے ہے کہ آنا بہت بڑے گناہ بلکہ بہت بڑے کفر میں مبتلا ہو کر نازاں ہیں کہ ہم نیک پاک ہیں۔

مسئلہ اس عموم میں وہ شخص بھی شامل ہے جو اپنی صفائی بیان کرتا ہے اور تقویٰ اور طہارت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا مدعی ہے اگرچہ اس میں یہ اُمور پائے جائیں تب بھی اظہار نامناسب ہے۔

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان خود بینی سے بچے۔

بَلِ اللّٰهُ (وہ کسی طریق سے بھی اپنی صفائی نہیں پیش کرسکتے کیونکہ ان کا کذب اور اُن کے اعتقادات کا بطلان ظاہر ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ اپنے پسندیدہ بندوں کی صفائی کا اظہار فرماتا ہے جو کہ اس تزکیہ کی اہلیت رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر آدمی کا ظاہری و باطنی حال اور اس کی نیکی اور بُرائی جانتا ہے اور ان یہودیوں کی تو اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔ پھر وہ اپنے نفوس کی اپنی صفائی کا کس طرح اظہار کر رہے ہیں وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (اور وہ تاگے برابر بھی ظلم نہیں کئے جائیں گے)۔ یعنی اُن کو اُن کی غلطیوں کی سزا ضرور دی جائے گی لیکن ایسا نہیں کہ اُن پر ظلم ہو بلکہ انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ اُن پر تاگہ کی مقدار میں بھی ظلم نہیں ہوگا۔ الفتیل سے معمولی ظلم اور سب سے چھوٹی زیادتی مُراد ہے۔ دراصل فتیل کھجور کی گٹھلی کے اُس چھلکے کو کہتے ہیں جو اُس کے منہ میں ہوتا ہے لیکن اس سے تمثیل دے کر معمولی اور حقیر شے مراد لی جاتی ہے۔ مجرم کو اس کے استحقاق سے زیادہ سزا دینے اور جزا کے مستحق کے اجر و ثواب میں کمی کر دینے کا نام ظلم ہے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ (دیکھئے کیسے) يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افترا کرتے۔ یعنی ان کا یہ گمان فاسد کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اُس کے ہاں بہت پسندیدہ ہیں۔

سوال افترا خود جھوٹ ہے تو پھر اُس کے ساتھ کذب لانے کا کیا فائدہ ؟

جواب اس سے مبالغہ مطلوب ہے تاکہ اُن کے حال کی قباحت پُورے طور ہو۔

وَكَفٰى بِهٖٓ (اُن کا یہ افترا کافی ہے) یعنی اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ پر افترا ہے قطع نظر اُن کے اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھنے اور دیگر بہت بڑے گناہوں کے ارتکاب کے۔ اِثْمًا مُّبِيْنًا (کھلا گناہ ہے)۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا ہی اُن کا بہت بڑا گناہ ہے اگرچہ اُن کے اور بھی بہت بڑے ان گنت گناہ ہیں۔ اُن سے وہ گناہ بھی سرزد نہ ہوتے تو اُن کا اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے کا گناہ ایسا بڑا جرم ہے کہ دوسرے تمام گناہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں اِثْمًا مُّبِيْنًا ترکیب میں تمیز ہے۔

سوال اس سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنے آپ کو یہ بھی نہ کہے کہ میں مؤمن ہوں اس لئے کہ اس میں بھی ایک قسم کی خودستائی

ہے؟

جواب ابُو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی کا اَنَا مُؤمِنٌ (میں مؤمن ہوں) کہنا خود ستائی نہیں اس لئے کہ اس لفظ سے اس اکرام و احترام کی خبر دے رہا ہے جس سے وہ نوازا گیا ہے۔ اور یہ جائز ہے۔ خود ستائی تو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو متقی و صالح سمجھ کر اپنی مدح و ثنا کے طور لوگوں کو سُنائے۔

نُسخہ روحانی حضرت سری سقطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ایسے اوصاف یا لباس کی اہلیت نہیں وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مراتب گر جاتا ہے۔

سبق سالک مؤمن پر واجب ہے کہ وہ خود ستائی سے کنارہ کشی کرے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اونچے مراتب کے مالک ہونے کے فرماتے ہیں" اولادِ آدم کا سردار ہوں لیکن میں یہ فخریہ طور نہیں کہتا۔ جیسا کہ عموماً لوگوں کی عادت ہے کہ وہ خواہ مخواہ اپنی تعریف و توصیف میں لگے رہتے ہیں (بلکہ میں تو بطور تحدیث نعمت کے کہتا ہوں)۔

فائدہ حضور علیہ السلام کا فخریہ طور یہ الفاظ فرمانا بھی بوجہ اسی قرب کے ہیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اولادِ آدم سے (جسمانی طور) مقدم ہیں جیسے کہا جائے کہ فلاں شخص بادشاہ کا مقرب ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ شخص بادشاہ کے ہاں بہت بڑے مراتب کا حامل ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ چلتے وقت وہ شخص رعایا سے سب سے آگے ہوتا ہے۔ ؎

(۱) اگر مردی از مردیٔ خود مگوی

نہ ہر شہسوارے بدر برد گوی

(۲) گنہگار اندیشناک از خدا

بسے بہتر از عابدِ خود نما

(۳) اگر مشک خالص نداری مگو

وگر ہست خود فاش گردد بوی

ترجمہ: (۱) اگر مرد کامل ہے تو اپنی مردی نہ کہہ کیونکہ ہر سوار بازی نہیں لے جاتا۔

(۲) گنہگار ہو کر خدا سے ڈرنے والا اس عابد سے بہتر ہے جو خود نما ہے۔

(۳) اگر تیرے پاس خوشبو نہیں دعویٰ نہ کر اگر ہے تو وہ خود ظاہر ہوگی۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

جوزِ خالی درمیانِ جوزہا
می نماید خویشتن را از صدا

ترجمہ: خالی اخروٹ اخروٹوں کے درمیان اپنے خالی ہونے کا خود آواز دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ان دونوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان مولویوں کو تم نے نہیں دیکھا کہ علوم ظاہری پڑھ کر فخر و ناز سے پھولے نہیں سماتے۔ اور ہر وقت اپنے ہمجنس مولوی کے ساتھ مناظروں و مجادلہ میں لگے رہتے ہیں اور سفہا (عوام) کو اپنے اشاروں پر نچاتے ہیں۔ اس سے اُن کی روحانی طور مدح وثنا نہیں بلکہ اس طرح سے تو اُن کے گندے اوصاف میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مثلاً اس طریقہ سے اُن کا فخر بڑھ جائے گا عوام سے اختلاط کے مرض میں اضافہ ہوگا اور پھر لڑائی جھگڑا تو اُن کا شیوہ بن جائے گا اور کبر، عجب اور حسد و ریا اور حُبِ جاہ اور حصولِ اقتدار اور کرسی کی طلب کے ساتھ دوسروں پر استیلاء و غلبہ کی ہوا و ہوس کے خوگر ہو جائیں گے بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّي مَنْ يَّشَآءُ ہاں اللہ تعالیٰ جس کی مدح فرمائے وہ مالک ہے جس کے لئے چاہے کہ اُن کے نفوس اربابِ تزکیہ کے حوالے فرما دے۔ اربابِ تزکیہ سے علمائے راسخین اور مشائخ محققین مراد ہیں اور ان کے حوالے کرنے کا وہی طریقہ ہے جیسے موچی کو چمڑا دیا جاتا ہے تاکہ وہ اُسے ایسا صاف ستھرا کرے کہ رنگائی کے بعد وہ جوتے اور دیگر ضروری اشیا تیار کرنے کے لائق ہو جائے۔ ایسے جو شخص اپنا کسی اللہ والے کے سپرد کرتا ہے تاکہ اُسے صاف وستھرا کر دے اور اُس کی تربیت فرمائے تو پھر اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے تربیت کنندہ کے تصرفات پر صبر کرے اس کی حالت اس کے لئے ایسے ہو جائے جیسے میّت نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جیسے وہ فرمائے اُسے بجا لائے اُسی کے اشاروں پہ چلے اُس کے کسی معاملہ میں دخل انداز نہ ہو بلکہ جتنا شدائد اور تکالیف اُس سے پہنچیں بطیبِ خاطر سر پہ رکھے اس لئے کہ جو اپنے نفس کی صفائی اور ستھرائی کرتا ہے وہی کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ صفائی کنندہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں جب آپ ظاہری حیات میں رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ (الآیۃ) (وہ اللہ تعالیٰ جس نے ان پڑھوں میں رسول (علیہ السلام) بھیجا جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے آیات پڑھتے اور انہیں پاک صاف کرتے) آپ کے وصال شریف کے بعد وہ علماء جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالواسطہ تزکیہ و تربیت نصیب ہوئی جنہیں اولیائے کرام کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام سے اُن کی تربیت و تزکیہ نفس کا سلسلہ جاری ہوا۔ یہاں تک کہ انہیں یہ دولت نصیب ہوئی۔ بخدا۔ اولیائے اللہ اپنے دور میں کبریتِ احمر سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ حسینی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) در طریقت رہبرِ دانا گزیں
زانکہ راہ دور است و رہزن در کمیں

(۲) رہبرے باید بمعنے سربلند
از شریعت و ز طریقت بہرہ مند

(۳) اصل و فرع و جزو و کُل آموختہ
شمع از نورِ علم افروختہ

(۴) ظاہرش از علم کسبی باخدا
باطنش میراث دار مصطفےٰ

(۵) ہر کہ از دست عنایت برگرفت
روز اوّل دامن رہبر گرفت

(۶) ہر کہ در زندان خود رائے فتاد
بند اورا سالہا نتواں کشاد

(۷) اے سلیم القلب دشوار است کار
تا نہ پنداری کہ پندار است کار

ترجمہ: (۱) طریقت میں دانا کامل کی تلاش کرا ئیے کہ راستہ دور اور رہزن چھپے بیٹھے ہیں۔
(۲) ایسے رہبر کی تلاش کرو جو حقیقت میں سربلند اور شریعت و طریقت سے بہرہ ور ہو۔
(۳) وہ اصل و فرع اور جزو کل کا مل کا حامل ہو اس نے نور علم سے شمع روشن کی ہو۔
(۴) اس کا علم کسبی از خدا ہو اس کا باطن دار مصطفےٰ کی میراث ہو۔
(۵) جس کو دست عنایت الٰہی کی مدد ہوئی اس نے روز اوّل سے رہبر حاصل کر لیا۔
(۶) وہ جو خود رائی کے گڑھے میں پھنسا اس کا تالہ سالوں تک نہ کھلے گا۔
(۷) اے سلیم القلب یہ کام بہت دشوار ہے یہ نہ سمجھنا کہ یہ کوئی خیالی بات ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ مُرشد کا دامن تھامے اُسے توحید اور بقاً بعد از فناً کی واقفیت نصیب نہ ہو اس کے دامن کو چمٹا رہے اس لئے کہ صرف علم فرمان کا حصول نجات نہیں بخشتا جبتک کہ حقیقت حال کا تحقق نہ ہو اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "سب سے بدبخت وہ شخص ہوگا جس کی زندگی پر قیامت قائم ہوگی یعنی علم توحید سے واقفیت تو حاصل کر لی لیکن نفس کو فنائیت نصیب نہ ہوئی۔ ایسا شخص زندیق ہوتا ہے جو فنا نہ پا سکا اور زندگی کے گورکھ دھندوں میں لگا رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاصی و فحشاً سے بچالے (آمین)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَ
الطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هٰٓؤُلَآءِ أَهْدٰى مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا
سَبِيلًا ○ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۖ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ
نَصِيرًا ○ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ○ أَمْ
يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ إِبْرٰهِيمَ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيمًا ○ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ
مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ○ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِنَا
سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا
لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ
فِيهَآ أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ○ إِنَّ
اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ
أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا
يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ
تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ○

ترجمہ : کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ایمان لاتے ہیں بت اور شیطان پر اور کافروں کو
کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں یہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جسے خدا تعالیٰ لعنت کرے
تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں یا لوگوں سے حسد کرتے
ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور
اور انہیں بڑا ملک دیا تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا اور کسی نے اس سے منہ پھیرا اور دوزخ کافی ہے بھڑکتی
جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی پھر

ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے ان کے عذاب کا مزہ لیں ۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے وہاں ستھری بیبیاں ہیں اور ہم انہیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہوگا بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کردو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ کیا تم نے اُن لوگوں (یہودیوں) کو نہیں دیکھا اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ جو کتاب کا ایک حصّہ دیئے گئے یعنی تورات کا کچھ علم حصّہ انہیں عطا ہوا۔ یعنی اے میرے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کے حالات کو دیکھ کر تعجب فرمایئے۔ گویا اس پر سوال ہوا کہ اُن پر کیوں تعجب کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے جواب میں فرمایا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ (بتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ دراصل جبتؔ ایک بت کا نام ہے پھر ہر اُس پر بولا جاتا ہے جس کی (اللہ تعالیٰ کے ماسوا) عبادت کی جائے۔ وَالطَّاغُوۡتِ (اور شیطان پر)۔

فائدہ طاغوت کا لفظ شیطان کے علاوہ ہر باطل معبود وغیرہ پر اطلاق ہوتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حی بن اخطب و کعب بن اشرف دونوں یہودی ستّر سوار لے کر مکہ معظمہ میں پہنچے تاکہ اہل مکہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اُبھاریں اور انہیں ترغیب دیں تاکہ وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اُسے توڑ دیں۔ جب یہ اہل مکہ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے کہا ہمیں تمہارے اوپر پورا اعتماد نہیں اس لئے کہ تم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کے لحاظ سے قریب تر ہو ممکن ہے تم ہمارے ساتھ دھوکہ کرو۔ جبتک ہم تم سے مطمئن نہ ہوں گے ہم تمہاری کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں اگر تم ہمیں مطمئن کرنا چاہتے ہو تو تم ہمارے بتوں کو سجدہ کرو۔ چنانچہ یہودیوں نے اہل مکہ کے کہنے پر اُن کے بتوں کو سجدہ کیا تو مذکورہ جملہ ہوا۔ پھر ابوسفیان نے کعب سے کہا تم پڑھے لکھے لوگ ہو تمہارے پاس کتاب تورات بھی ہے ہم ان پڑھ جاہل لوگ ہیں بتایئے کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں یا (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔ کعب نے پوچھا کہ وہ تمہیں کیا کہتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے اور شرک سے روکتے ہیں پھر کعب نے کہا کہ تمہارا دین کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہم بیت اللہ شریف کے متولی ہیں حاجیوں کو حج کے ایام میں قے

سبیل اللہ پانی پلاتے ہیں اور مہمان نواز ہیں اور گردنیں آزاد کرتے ہیں۔ اُن کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ابوسفیان نے کعب کو گن سنائے۔ کعب نے کہا تم لوگ محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا (اور کافروں کے لئے یا اُن کے حق میں کہتے ہیں کہ) هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا سَبِيلًا (زیادہ ہدایت یافتہ ایمانداروں سے) یعنی دین میں کفار اہل ایمان سے زیادہ پختہ اور راہ ہدایت کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہیں۔ اُولٰٓئِكَ (یہی وہ لوگ ہیں) یہ اشارہ مذکورہ قائلین کے لئے ہے اَلَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ط (یہی وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی) یعنی اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دور اور اپنے دروازہ سے ہٹا دیا۔ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ (جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور فرما دے)۔ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيرًا ط (پھر تم اس کے لئے کوئی مددگار نہیں پاؤ گے) کہ وہی مددگار انہیں اللہ تعالیٰ کے دنیوی یا اُخروی عذاب سے بچا سکے نہ شفاعت سے نہ کسی اور ذریعہ سے۔ اس سے صاف صاف بتایا جا رہا ہے کہ یہودیوں کو اس مطالبہ سے محروم کیا گیا جس کے لئے وہ قریش کے پاس گئے تھے۔ اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ یہ اَم منقطعہ اور ہمزہ انکاری ہے (کیا اُن کے لئے ملک میں سے کچھ حصہ ہے) اس میں صاف انکار ہے کہ یہودیوں کو ملک میں سے کسی قسم کا حصہ نہیں۔ یہ صرف اُن کا اپنا گمان ہے کہ اس طرح کی جدوجہد سے انہیں تمام ملک پر قبضہ جمانے کا موقعہ مل جائے گا۔ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿لا﴾ (تو جب انہیں ملک میں قبضہ مل جائے تو گٹھلی کے چھلکے برابر بھی کسی کو کچھ نہیں دیں گے) نقیر وہ چھلکا جو کھجور کی گٹھلی کی لکیر کے اندر ہوتا ہے۔ اب اس سے شئے کی حقارت اور اُس کے بہت تھوڑے ہونے پر مثال دی جاتی ہے۔ اس سے اُن کے حال کا انکشاف مطلوب ہے کہ جب وہ بادشاہ ہو کر بھی کسی ایک کو ایک معمولی چھلکا دینے کے بھی روادار نہیں پھر وہ بحالتِ غربت اور تنگدستی کیا کسی کو کچھ دیں گے۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ یہ اَم بھی منقطعہ ہے النَّاسَ (بلکہ یہ کفار رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حسد کرتے ہیں) عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (اس لحاظ سے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے نوازا) یعنی نبوت وکتاب اور ہر روز عزت ونصرت بخشی۔ فَقَدْ اٰتَيْنَآ (اُن کے حسد کا کیا کہنا اور اس کی قباحت اور اُس کا بُطلان نہایت ہی قبیح ہے) اس سے قبل ہم نے عنایت فرمایا اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ ابراہیم علیہ السلام کی آل کو اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلاف اور آپ کے بنو اعمام یعنی اسماعیل اور دیگر انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ الْكِتٰبَ (کتابیں جو آسمان سے نازل ہوئیں۔ وَالْحِكْمَةَ (اور حکمت یعنی نبوت وعلم) وَاٰتَيْنٰهُمْ اور مذکورہ امور کے علاوہ ہم نے عطا کیا مُّلْكًا عَظِيْمًا (بہت بڑا ملک) کہ جس کا اندازہ غیر معلوم ہے جب اس بات کی انہیں یقین ہے تو پھر وہ حضور نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت کا انکار کیوں کرتے اور ان سے حسد

کا کیا معنیٰ۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آل ابراہیم سے یوسف و داؤد و سلیمان علیٰ انبینا علیہم السلام مراد ہیں۔

فَمِنْهُمْ (پس ان یہودیوں میں بعض وہ ہیں) **مَّنْ اٰمَنَ** (جو حضور (نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاتے ہیں) **وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ** (اور بعض اُن میں وہ ہیں جو اُن سے رُوگردانی کرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے۔ **وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا** (اور انہیں جلا دینے والی جہنم کفایت کرے گی)۔ یہاں پر سعیر بمعنے مسعور ہے یعنی آگ وہ روشن کی جاتی ہے کہ جس سے انہیں عذاب دیا جائے گا یعنی اُن کے دنیوی عذاب کی عجلت کیا ہے جب اُن کے لئے وہی جہنم کفایت کرے گی جو اُن کے لئے اب سے ہم نے تیار کر رکھی ہے۔

خلاصۃ التفسیر پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی سخت ترین جہالت کی خبر دی ہے کہ اُن کا اعتقاد ہے کہ بتوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے افضل ہے پھر بتایا کہ اُن میں بخل اور حسد کا مرض بھی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ نعمت الٰہی سوائے ہمارے اور کسی کو نصیب نہ ہو۔

فائدہ حسد اُس باطنی مرض کا نام ہے کہ انسان کے دل میں آرزو پیدا ہو جائے کہ نعمت میرے سوا اور کسی کو نہ دی جائے اس سے ثابت ہوا کہ حسد و بخل اس علت میں مشترک ہیں کہ کوئی شئے کسی کو نہ ملے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بخیل صرف اپنی شئے (نعمت) کسی کو نہیں دینا چاہتا اور حاسد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمت غیر کو عطا ہونے سے روکتا ہے۔

رُوحانی قواعد (۱) یاد رہنا چاہیئے کہ یہ ہر دونوں مہلک بیماریاں ہیں ان ہر دُو، دونوں کا سبب جہل ہے (۲) مال کے خرچ سے نفس کی صفائی اور سعادت اُخروی نصیب ہوتی ہے (۳) مال کو جمع کرنے سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ صرف دنیوی مال ہاتھ میں ہے (۴) بخل ہمیشہ دنیا کا داعی اور آخرت سے محروم کنندہ ہے۔ (۵) سخاوت آخرت کا داعی اور دنیا کے گورکھ دھندوں سے نجات دہندہ ہے۔

سبق جب مذکورہ قواعد ذہن نشیں ہو گئے اب نتیجہ نکالنا آسان ہو گیا کہ دنیوی اُمور کو آخرت کے اُمور پر ترجیح دینا جہل ہے۔

نکتہ حسد اس لئے قبیح اور شنیع ہے کہ اُس سے الوہیت کا مقابلہ کرنا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ الوہیت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو نعمتوں اور احسانات سے مالا مال فرمائے جب کوئی ناقص العقل الوہیت کو اس فعل کا مانع سمجھتا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ الوہیت کو اپنے منصب سے ہٹانا چاہتا ہے اور یہ بھی ایک نادانی ہے۔

نکتہ جس پر لوگ حسد کریں وہ سمجھے کہ مجھے نہ صرف اللہ تعالیٰ نے احسان و کرم سے نوازا ہے۔ بلکہ اپنی نعمتوں کا بطریق اکمل و اتم حامل بنایا ہے۔

نکتہ جتنا فضائل و فواضل بسیار اتنا حاسدین زیادہ ہوں گے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) شوربختاں بآرزو خواہند
مقبلاں را زوال نعمت وجاہ

(۲) گرنہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(۳) راست خواہی ہزار چشم چناں
کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

ترجمہ (۱) بدبخت کی آرزو ہوتی ہے کہ مقبولانِ خدا کی نعمت کا زوال ہو۔
(۲) اگر چمگاڈر دن کو نہیں دیکھ سکتا تو اس سے سورج کا کیا گناہ
(۳) اگر سچ پوچھو تو ایسی ھزار آنکھیں اندھی بھلی جو چاہتی ہیں کہ سورج کا نور نہ ہو۔
زندگی بھر حاسد و بخیل بلند مراتب سے محروم رہتے ہیں۔ یعنی دنیوی جاہ وجلال انہیں نصیب نہیں ہوتا مثلاً

اعجوبہ یہودیوں میں بخل کا مادہ ہے وہ رہتی دنیا تک سلطنت و حکومت چلانے سے محروم ہیں[۱]

خلاصہ یہ کہ بخل اور سلطنت کا اجتماع محال ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ انسان غیر کی تابعداری میں رہنا مکروہ سمجھتا ہے ہاں اس وقت اسے برداشت کرلیتا ہے جب اُس میں اپنا بہتر سے بہتر فائدہ محسوس کرے ورنہ مشکل ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو حوائج اور ضروریات محیط ہیں۔ پھر جب کوئی کسی پر احسان و مروت کرتا ہے تو جس سے احسان و مروت نوازا گیا ہے۔ وہ اپنی ضروریات کے تحت اس مال کی رغبت میں احسان کنندہ کے سامنے سر جھکا دے اور جان و دل سے اس کا تابع فرمان ہوجاتا ہے۔ اس لئے مثل مشہور ہے کہ انسان کو احسان و مروت سے غلام بنایا جاسکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو انسان کو غیر کے سامنے سر جھکانے سے طبعی نفرت اور جبلّی کراہت ہوتی ہے بلکہ جو اُسے اپنے تابع کرنا چاہے اس کے مقابلہ کرنے میں جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ اسی لئے اس سے تابعداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ؎

(۱) خورش دہ بکنجشک و کبک و حمام
کہ یک روزت افتندہ یابی بدام

---

[۱] سوال یہ کلیہ ہمارے دور میں غلط ہوگیا اس لئے کہ اس وقت اسرائیل (یہودیوں) کی مستقل حکومت قائم ہوگئی ہے؟ جواب: اسرائیل کی موجودہ حکومت امریکہ کی طفیلی ہے اور اُسے حکومت و سلطنت کا نام دینا کسی لاشعور انسان کا کام ہے ۱۲ فافہم و تدبر ولا تکن من الجاھلین ۱۲ (اُویسی غفرلہٗ)

(۲) زر از بہر خوردن بود اے پسر
زبہر نہادن چہ سنگ و چہ زر

ترجمہ: (۱) چڑیا کبک کبوتر کو غذا دے ایک دن انہیں تو قید (جال) میں پائے گا۔
(۲) اے بیٹے زر کھانے کے لئے رکھی جائے تو پتھر اور زر میں کوئی فرق نہ رہے گا۔

نکتہ بعض حکمائ نے دنیا کے حریص اور اپنے انجام سے بے خبر انسان کو ریشم کے کیڑے سے تشبیہ دی ہے کہ وہ ریشم کو اپنے اردگرد ایسے طریقے سے تنتا ہے کہ اُس سے نکلنا اس کے لئے محال ہو جاتا ہے وہ بھی اس حرص میں اپنی جہالت سے مبتلا ہوا۔ ورنہ اگر اُسے اپنی جان جانے کا علم ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ جس ریشم کو اُس نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے جسم کے اردگرد بچھایا ہے وہی اُس کا جان لیوا ثابت ہوتا ہے کہ ریشم کے متلاشی اس کیڑے کو مار کر اس سے اُس کا ریشم اتار لیتے ہیں اب اس بے چارے کیڑے کی جان بھی گئی اور ریشم سے بھی غیر نے فائدہ اُٹھایا۔

حکایت حاتم طائی مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شب معراج آسمانوں پر تشریف لے گئے تو آپ نے جہنم کے اندر جھانک کر دیکھا اس میں ایک ایسا مقام بھی دیکھا جہاں ایک آدمی کو آگ نہیں جلاتی حضور علیہ السلام نے اس کا سبب پوچھا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی حضور! یہ حاتم طائی ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے اس کے جود و سخا کی وجہ سے اس سے جہنم کی آگ کو دور رکھا ہے۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ سخاوت دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات دہندہ اور اللہ تعالیٰ سے ملانے والی ہے۔

فائدہ بادشاہی تین قسم ہے۔
(۱) صرف ظاہر پر۔ (یہ بادشاہوں کو دی جاتی ہے۔
(۲) صرف باطن پر۔ (یہ علمأ کرام (اولیأ عظام) کو نصیب ہوتی ہے)۔
(۳) ظاہر و باطن دونوں پر۔ یہ حضرت انبیأ علیٰ نبینا علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے چونکہ اس شاہی میں جود و سخا لازمی امر ہے اس لئے حضرات انبیأ علیٰ نبینا و علیہم السلام نہایت ہی سخی و کریم و رحیم و شفیق ہوتے ہیں تاکہ انہی اوصاف سے وہ خلق خدا کو تابع کر سکیں اور اوامر و نواہی پر چلنے کے لائق بنا سکیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ یہ تمام اوصاف ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بطریق اتم و اکمل موجود تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا (بے شک وہ لوگ جو قرآن اور دیگر آیات کا انکار کرتے ہیں) سَوْفَ کلمہ تہدید وعید کے لئے مستعمل ہوتا ہے جیسے سَوْفَ اَفْعَلُ (عنقریب کر کے دکھا دوں گا) کبھی اسے وعدہ کے لئے بھی استعمال

کیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ صرف تاکید کا فائدہ دے گا۔

نُصْلِيْهِمْ نَارًا (ہم عنقریب انہیں بہت بڑی ڈراؤنی آگ میں ڈالیں گے) كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ (جب ان کے چمڑے جل جائیں گے) بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا (ہم اُن کے دوسرے چمڑے بدل دیں گے) لفظ غیر بول کر اس کی ضد مراد لی جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اللیل غیر النهار (دن رات کا غیر یعنی ضد ہے) نیز اسے مثل تبدل کے لئے بھی بولتے ہیں۔ مثلاً جب گرم پانی ٹھنڈا ہو جائے تو کہتے ہیں هٰذَا غَيْرٌ یہاں یہی معنی مراد ہے اب مطلب یہ ہوا کہ ہم انہیں جلے ہوئے چمڑے کے بجائے دوسرا نیا چمڑا دیں گے جو اس پہلے چمڑے کا صورۃً غیر ہوگا لیکن مادۃً ایک۔ خلاصہ یہ کہ اُن کا وہی چمڑا دوسری صورت اختیار کر لے گا جیسے تم کہتے ہو صُغْتُ مِنْ خَاتَمِیْ خَاتَمًا غَیْرَہٗ (میں نے اپنی انگوٹھی اس کی غیر انگوٹھی بنالیا)۔ اس میں خاتم ثانی خاتم اوّل کی عین ہے صرف معمولی تغیّر واقع ہوا ہے۔

سوال ہر وہ چمڑا جس سے غلطیاں سرزد ہوئیں تو جہنم کی آگ سے پہلی بار گل سڑ گیا پھر جب دوسرا چمڑا پیدا کیا گیا اب اُسے سزا دینے کا کیا معنیٰ جبکہ اس سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوا۔ اس طرح سے تو غیر عاصی کو عذاب دینا ہوا اور یہ ناجائز ہے۔

جواب دراصل یہ عذاب اُسی حساس چمڑے کو عذاب ہو رہا ہے نہ کہ مطلق چمڑے کو اگر ہو بھی تو ان دونوں کی ایک ذات ہے صرف نام کا فرق ہے اور عذاب دینے سے مقصود چمڑا ابھی نہیں بلکہ ہر وہ گنہگار انسان ہے جس کا یہ چمڑا ہے اور اسے پہنچ رہا ہے خواہ جدید چمڑے سے ہو یا پرانے سے۔

لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں) یعنی ان پر دائمی عذاب ہوگا کہ اس کے انقطاع کا وہم اور گمان تک بھی نہ ہوگا۔ جیسے تم ایک باعزت انسان کو کہتے ہو۔ اَعَزَّكَ اللّٰهُ (اللہ تجھے عزت دے) اس سے تمہارا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اسے باعزت انسان اللہ تعالیٰ تمہیں عزت پہ رکھے اور اس میں برکت دے۔

فائدہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جہنمیوں کو جہنم کی آگ روزانہ ستّر بار عذاب پہنچائے گی جب وہ ایک بار جل جائیں گے تو حکم ہوگا کہ پھر ویسے ہی ہو جاؤ جیسے تم پہلے تھے۔ تو پھر پہلی حالت پر لوٹ آئیں گے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کہ ایک کافر کا چمڑا چالیس گز ہوگا۔ اور اس کی ایک داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی۔ اس کا نچلا ہونٹ لٹک کر ناف تک پہنچے گا اور اس کے گوشت اور چمڑے کے درمیان وحشی گدھوں کے برابر کیڑے ہوں گے۔ اس کے گوشت اور چمڑے کے درمیان دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے اور اُس کی سزا کے لئے بجی اونٹوں کی طرح سانپ اور خچروں کی طرح بچھو ہوں گے۔

سوال قیامت میں کافر کی اصلی تخلیق پر اضافہ کر کے معصیت کے بغیر عذاب میں مبتلا کرنا ہے؟

جواب یہ تو ظاہر ہے کہ اصلی صورت سے بڑھ کر بوجھل یعنی موٹا ہو جانا . انسان کی تخلیق میں شامل ہے ۔ البتہ اب اُس کی ثقالت اُس کے لئے عذاب ہے تو یہ عذاب بھی منجملہ دوسری سزاؤں کی طرح یہ بھی ایک سزا ہے جیسے کہ اُس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جائیں گی اور گلے میں لوہے کا طوق پہنائیں گے اور بچھوں اور سانپوں سے اُس کو عذاب دیا جائے گا ۔

سوال آیت میں کفار کے عذاب کو ذوق سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ۔ جبکہ ذوق کہتے ہیں ہر اُس شئے کو جو معمولی طور چکھی جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کو عظیم ترین سزا کی بار بار خبر دی ہے اب ان کے عذاب کو ذوق سے تعبیر کرنے کا کیا معنیٰ ؟

جواب ذوق سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر بار عذاب کی ہر بات کا احساس پائیں گے جیسے چکھنے والا شئے کی لذت کو محسوس کرتا ہے ۔ اس سے بتلانا یہ ہے کہ اُن کے عذاب میں کمی نہ ہوگی اور نہ ہی وہ منقطع ہوگا وہ ہر وقت جلتے رہیں گے اور وہ عذاب ہر وقت انہیں چمٹا رہے گا ۔

نکتہ تبدل جلود میں ایک حکمت یہ ہے کہ کفار کو جہنم کی آگ کے جلانے کا عذاب ہر آن محسوس ہو اس لئے کہ بسا اوقات چمڑے کے ایک دفعہ جل جانے سے دوبارہ تکلیف کا احساس نہیں ہوتا اب جب ایک دفعہ جل جائے گا تو فوراً دوبارہ چمڑے کے بدلنے سے عذاب محسوس ہوتا رہے گا ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ اس جلے ہوئے چمڑے میں بھی عذاب کا احساس پیدا کر دے ۔ لیکن چونکہ انسان فطرتی طور پر اس بات کو مانتا ہے جس کا اسے مشاہدہ ہو چکا ہو ۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیۡزًا (بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے) اُسے مجرمین کے عذاب دینے سے کوئی منع نہیں کر سکتا ۔ حَکِیۡمًا ۰ (حکمتوں کا مالک ہے) کوئی بھی اُس کی حکمت کے اجرا سے حائل نہیں ہو سکتا ۔

فائدہ عذاب اور چمڑوں کا تبدل جو کہ انسان کو آخرت میں ہوگا وہ اُسے دنیا میں بھی حاصل ہے لیکن وہ اس کے فلسفہ سے بے خبر ہے ۔ جیسے نیند کرنے والا جب وہ خواب میں اپنے آپ کو زخمی کر دیتا ہے لیکن اُسے اس وقت احساس ہوتا ہے جب وہ خواب سے بیدار ہوتا ہے اسی طرح ہم لوگ دنیا میں نیند میں ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے ۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر گامزن ہو اور نفس و شیطان کے خلاف زندگی بسر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اکسیر شرع سے اس کے صفات ظلمانیہ نفسانیہ کے تانبے کو صفات نورانیہ روحانیہ کا سونا بنا دے ۔

فائدہ صوفیانہ جب انسان نفس کی اصلاح کر کے شرع شریف کے احکام کی پابندی سے گناہوں کی آلائش سے پاک صاف ہوجاتا ہے تو قیامت میں جہنم کی آگ سے اُسے صفائی وستھرائی کی ضرورت نہیں رہے گی ورنہ اُس کے گناہوں کی آلائش کو جہنم کی آگ سے صاف ستھرا کیا جائے گا۔

مجرمین کی سزا کی تفصیل مروی ہے کہ تمام امتوں کے اہل ایمان کبائر کے مرتکب ہونے والے جب کبائر کے ارتکاب پر مرے لیکن توبہ نہ کر سکے۔ اور نہ ہی انہیں اُن سے ندامت کا موقعہ ملا تو وہ گناہوں کی سزا پائیں گے لیکن انہیں جہنم کے صدر دروازہ کے اندر رکھا جائے گا (تاکہ انہیں سخت سزا سے بچاؤ ہو) ۔ (چنانچہ) نہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور نہ اُن کے چہرے بگڑیں گے اور نہ ہی شیاطین کے ساتھ جکڑا جائے گا اور نہ انہیں بیڑیاں ڈالی جائیں گی اور نہ ہی انہیں جہنم کا گرم پانی پلایا جائے گا اور نہ ہی انہیں جہنم کے آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے ، بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کے اجسام اور چہروں سے اُن کے سجود کی برکت سے آتش جہنم کو حرام فرمائے گا۔

سزایافتگان کی چند قسمیں ① بعض کو قدموں تک آگ گھیرے گی۔
② بعض کو گھٹنوں تک۔
③ بعض کو گردنوں تک ۔ یہ سب کچھ اُن کے شامت اعمال اور گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہوگا۔
① بعض اُن میں وہ ہوں گے جو جہنم میں صرف ایک ماہ ٹھہریں گے۔
② بعض صرف ایک سال۔
③ سب سے بڑی مدت جہنم میں ٹھہرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو دنیا کی عمر کی مقدار میں جہنم میں ٹھہریں گے۔ یعنی عالم دنیا جب سے پیدا ہو کر فنا ہوا۔ اُس کے بعد ہر ایک موحد اہل ایمان کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

حکایت حضرت ابن السماک رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے نفس کو جھڑکیاں دیتے ہوئے فرماتے کہ " اے کمینہ تو باتیں تو زاہدوں جیسی کرتا ہے لیکن تیرے اعمال منافقوں جیسے ہیں پھر جنت کی لالچ کیوں۔ خبردار یہ بات تیرے لئے بہت دُور ہے اس لئے کہ جنتی لوگ اور ہیں جن سے تیرے اعمال کو کوئی واسطہ نہیں۔ اے کمینہ نفس تیرا لباس تو قیصر و کسریٰ اور فرعون کے مشابہ ہے لیکن تمنا یہ کہ بہشت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو۔

سبق اے سالک تو اپنے طور و طریق کو کتاب و سنت پہ ڈھال ۔ اگر تیرا طریقہ اولیاء اللہ سے ملتا جلتا ہے تو تجھے مبارک ہو۔ ورنہ اپنی بدبختی پہ ماتم کناں ہو ؎

① برادر زکارِ بداں شرم دار
که در روئے نیکاں شوی شرمسار

② نریزد خدا آبروئے کسے

کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

ترجمہ: ① اے برادر بُرے کاموں سے شرم کر اس لئے کہ نیک لوگوں کے سامنے شرمساری ہوگی۔

② اللہ تعالیٰ اس بندے کی عزت ریزی نہیں کرتا جو اس کے خوف سے آنسو بہاتا ہے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت یزید بن مرثد رحمہ اللہ تعالیٰ کے آنسو نہیں رُکتے تھے (ہر وقت گریاں رہتے) سبب پوچھا گیا تو فرمایا اگر اللہ تعالیٰ مجھے یُوں فرماتا کہ اگر تو نے گناہ کئے تو تجھے کھولتے ہوئے گرم حمام میں بند رکھوں گا تب بھی میرے لئے ضروری تھا کہ میں چشم گریاں رہوں۔ لیکن اب تو مجھے یُوں فرمایا کہ گناہوں کی وجہ سے دائمی طور اس جہنم میں جانا پڑے گا کہ جسے تین ہزار سال سُلگایا گیا۔ جس کی تفصیل یوں ہے کہ ایک ہزار سال تک سُلگائی تو سُرخ ہوئی۔ پھر دوسرے ہزار سال تک سفید ہوئی۔ پھر تیسرے ہزار سال سُلگائی تو سیاہ ہوگئی۔ اب جہنم کی آگ کی تاریکی سخت سے سیاہ شب سے بھی زیادہ سیاہ ہے۔

سبق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کسی فاجر و فاسق کی دولت و نعمت کو دیکھ کر رشک مت کرو اس لئے کہ اس کا موت کے بعد ایک طالب اور تلاش کرنے والا ہے یعنی جب جہنم کی آگ بجھنے کو آئے گی تو ملائکۃ اللہ اُسے اور گرمجوش بنادیں گے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

قلندراں حقیقت بہ نیم جو نخرند

قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ: اہل حقیقت اس کی قبائے اطلس ایک جو دے کر بھی نہیں خریدتے جو ہنر سے خالی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس کا مقصد اصلی صرف آخرت ہے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اسے خوشحال رکھے گا اور اُس کے دل کو غنی بنادے گا اور دنیا ذلیل وخوار ہوکر اُس کے قدموں میں گرے گی اور جس کا مقصد دنیا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے حالات پراگندہ کردے گا اور فقر و فاقہ اُس کی آنکھوں میں ہوگا۔ دنیا بھی صرف اتنا میسر ہوگی جتنا اُس کے مقدر ہوگی۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① آنکس از دزد بترسد کہ متاعے دارد

عارفاں جمع نکردند و پریشانی نیست

② ہرکرا خیمہ بصحرائے قناعت زدہ اند

گرجہاں لرزہ بگیرد غم ویرانی نیست

ترجمہ (۱) چور سے وہ ڈرتا ہے جس کا سامان ہو عرفاً نے نہ مال جمع کیا نہ انہیں کوئی پریشانی ہوتی ہے۔
(۲) جنہوں نے خیمہ قناعت کے جنگل میں لگایا اگر تمام جہاں ویران ہو تو انہیں ویرانی کا خطرہ نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن اور تمام آیات و معجزات پر ایمان رکھتے) . وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور جن اعمال صالحہ کے لئے حکم دیئے گئے ہیں انہیں بجالاتے ہیں) سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (ہم عنقریب انہیں ایسے باغات (بہشت) میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور اسمیں ہمیشہ رہیں گے کہ نہ تو وہ اُن سے نکالے جائیں گے اور نہ ہی اُن پر موت آئے گی) لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (اُن کے لئے اُن باغات (بہشت) میں عورتیں ہوں گی پاکیزہ یعنی وہ اُن دنیوی عورتوں کے حالات سے پاک وصاف ہوں گی) - یعنی امور بدنیہ (کہ جن سے طبعیت کو نفرت ہو جیسے حیض و نفاس وغیرہ اور عادات وخصال قبیحہ کہ جن سے جی اُکتا جائے جیسے حسد اور بغض و کینہ وغیرہ وغیرہ) سے منزہ اور پاکیزہ ہوں گی وَ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (اور ہم انہیں بہترین سایوں میں رکھیں گے) یعنی ایسے خوشگوار ماحول میں ہوں گے کہ جہاں ملال کا سوال ہی نہیں ہوتا اور وہ سائے بادلوں کے نہیں بلکہ باغات کے گھنے دار درختوں کے اور انہیں سورج کی کرنیں نہیں چھو سکیں گی اور نہ ہی مٹ سکیں گے۔ غرضیکہ بہار کا خوشگوار موسم ہوگا کہ جہاں نہ گرمی نہ سردی اور ایسے بہترین کمرے کہ جہاں نہ سختی نہ نرمی۔

حل لغات ظَلِیل" صیغہ صفت ظِل" سے مُشتق ہے اسے ظِلّ کے اندر تاکید کے معنے پیدا کرنے کے لئے لایا گیا ہے لَیلٌ اَلیَلَ (کالی سیاہ شب) اور یوم ایوم اسی طرح کی اور مثالیں۔

سوال جب سرے سے بہشت میں سورج ہی نہیں ہوگا کہ جس کی گرمی کی تکلیف دے سکے۔ پھر باغات کو ظِلًّا ظَلِیلًا کی صفت سے موصوف کرنے کا کیا فائدہ۔ علاوہ ازیں ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جہاں پر دائمی طور درختوں کے سائے رہیں اور وہاں کی سُورج کی شعاعیں نہ پہنچ سکیں تو وہاں کی ہوا بدبودار۔ فاسد اور مہلک ثابت ہوتی ہے۔ پھر بہشت کی ہوا کے ایسے اوصاف کہاں؟

جواب ظِلًّا ظَلِیلًا سے مطلق راحت مراد ہے اس لئے کہ دیار عرب نہایت ہی گرم ہے اس لئے ان علاقوں کو درختوں کے سائے نعمت عظمیٰ سمجھے اور راحت و فرحت کے بہترین اسباب مانے جاتے ہیں اسی لئے ظِلًّا ظَلِیلًا بول کر راحت و فرحت مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی السلطان ظِلّ اللّٰہ فی الارض (بادشاہ (عادل) زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے) میں سایہ سے مُراد راحت ہے۔ اس اعتبار سے جب ظل سے مراد راحت و فرحت ہے تو آیت میں بطور مبالغہ ظِلًّا ظَلِیلًا فرمایا ہے۔

فائدہ حضرت امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ میرا دل بھی مانتا ہے کہ ظل سے راحت و فرحت مطلوب ہے۔

بہشت کی نعمتوں کا بیان

حدیث ① حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہشت میں صرف ایک درخت ایسا ہوگا کہ جس کے سائے کے تلے اگر کوئی سوار ایک سال تک چلتا رہے تو بھی اس کی انتہا تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین** (جو بہشت میں آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی ہے اسے کوئی نہیں جانتا)۔ بہشت کا ایک ڈنڈا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز** (جو نارِ جہنم سے دور ہٹا دیا گیا اور بہشت میں داخل گیا تو وہ کامیاب ہوا)۔

حدیث ② حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشتی لوگ نوجوان اور گھنگھریالے بالوں والے۔ فالتو بالوں سے صاف ستھرے یعنی اُن کے بال صرف اور ابرو اور آنکھوں کی پلکوں پر ہوں گے۔ اور ان کے زیرِ ناف اور بغلوں کے بال نہیں ہوں گے۔ ان کے قد حضرت آدم علیہ السلام کے قد یعنی ساٹھ گز کے ہوں گے۔ ان کے جسم کا سفید اور لباس کا رنگ سبز ہوگا۔ بہشتی کے سامنے بہشتی دسترخوان چنا جائے گا۔ ابھی کھانے کو شروع نہیں ہوگا کہ پرندہ اُڑتا ہوا اس کے قریب حاضر ہوکر عرض کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ولی میں پرندہ ہوں کہ سلسبیل کے چشمہ سے پانی پیا اور جنت کے باغات (جو کہ عرشِ الٰہی کے نیچے سے ہیں) میوے کھائے ہیں اور فلاں فلاں بہترین پھل فروٹ میری غذا ہوئی ہے فلہذا میں اپیل کرتا ہوں کہ مجھے تناول فرمایئے۔ جب اُس کی اپیل قبول ہو جائے گی تو وہ پرندہ خود بخود اس کے دسترخوان میں آجائے گا جب بندہ اُسے ہاتھ لگائے گا تو پرندے کی ایک جانب کا گوشت اُبلا ہوا اور دوسری جانب کا گوشت بھنا ہوا ہوگا۔ اس میں سے جتنا جی چاہے گا کھائے گا۔ بہشتی انسان کی ستر (۷۰) پوشاکیں ہوں گی ہر پوشاک کا رنگ مختلف ہوگا۔

بہشت کے داخلے کا کورس

حضرت الفقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص بہشت کے ان مراتب کے حصول کا طالب ہے اس کو ذیل پانچ اُمور طے کرنے چاہئیں۔

① اپنے نفس کو جمیع معاصی سے روکے ؎

ونھی النفس بفرمود اللہ

بایدت ترک ہوی ترک گناہ

ترجمہ: نہی النفس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی لئے تجھے لازم ہے کہ گناہ چھوڑ دے۔

② دنیا کی معمولی شے پر راضی رہے اس لئے کہ بہشت کی قیمت ترکِ دنیا ہے ؎

ایں زن زانیۂ شوی کش دنیا را

گر علی وار طلاقش ندہم نا مردم

ترجمہ: اس عورت (دنیا) زانیہ شوہر کو قتل کرنے والی کو علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کی طرح طلاق نہ دوں تو میں نامرد ہوں گا۔

(۳) جملہ طاعات بجا لانے پر حریص ہو جس کا نام سُنے کہ یہ طاعات ہے اسے عمل میں لانے کی جدوجہد کرے ممکن ہے کہ وہی طاعت مغفرت کا سبب اور دخول جنت کا موجب ہو۔

عمل باید اندر طریقت نہ دم

کہ سُودے ندارد دم بے قدم

ترجمہ: طریقت میں عمل ضروری ہے صرف دعوی نہیں چاہیئے اس لئے کہ دعوای عمل کے بغیر بے کار ہے۔

(۴) نیک بختوں (اولیاء اللہ) نیک عمل والے بزرگوں سے محبت رکھے اور اُن کی صحبت و رفاقت کو غنیمت سمجھے۔

نخست موعظۂ پیر مجلس ایں حرفست

کہ از مصاحب نا جنس احتراز کنید

ترجمہ: پیر و مرشد کی پہلی مجلس کی یہ نصیحت تھی کہ ہمجنسوں کی صحبت سے دور رہو۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اہل اللہ نیک بخت بزرگوں کی صحبت اختیار کرے اس لئے کہ صحبت و رفاقت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا طریقۂ کرم ہے کہ جب ایک نیک بخت کو بخشش کا مژدہ بہار سنائیگا تو پھر اُس کے طفیل اُس کے دوستوں اور رفیقوں کو بھی معاف فرما دے گا۔

اُمید است از اناں کہ طاعات کنند

کہ بے طاعتانرا شفاعت کنند

ترجمہ: وہ لوگ جو نیکی کرتے ہیں اُمید ہے کہ ان کی شفاعت سے ہماری بخشش ہو گی۔

(۵) اللہ تعالیٰ سے بہشت کی طلب اور دعاؤ سوال کی کثرت کرے اور عرض کرے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

غنیمت شمارند مرداں دُعا

کہ جوشن بوَد پیش تیر بلا

ترجمہ: نیک لوگ دُعا کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ دعا تیر بلا کے لئے مضبوط زرہ ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو اُن کے اہل کے سپرد کردو)۔

شانِ نزول یہ آیت عثمان بن عبد الدار الحجی کے حق میں نازل ہوئی (یہ کعبہ معظمہ کا خادم تھا) اس کا سبب یہ ہوا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ شریف کے شہر میں داخل ہوئے تو عثمان مذکور کعبہ معظمہ کا دروازہ کا تالہ بند کرکے کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا۔ چابی مانگنے پر انکار کر گیا اور کہنے لگا کہ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبی نہیں مانتا۔ اگر مجھے اُن کی نبوت پر ایمان ہوتا تو میں اُن کے لئے کعبہ کا دروازہ کھول دیتا۔ حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ نے عثمان مذکور کا ہاتھ مروڑ کر اُن سے جبرًا کعبہ معظمہ کی چابی چھین لی اور کعبہ معظمہ کا دروازہ کھول کر کعبہ معظمہ کے اندر داخل ہوگئے اور حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی کعبہ معظمہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں تشریف لے جاکر دوگانہ (نفل) پڑھا۔ جب آپ کعبہ معظمہ سے باھر تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا حضرت! یہ چابی اب مجھے عنایت فرمائیے تاکہ سقایہ اور خدمت کعبہ معظمہ ہر دونوں کی سعادت ہمیں نصیب ہو جائے۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ چابی عثمان مذکورہ کو واپس دے دیں اور اس سے معذرت کریں۔ عثمان مذکور نے چابی لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ آپ کی عجیب چال ہے کہ پہلے جبر و اکراہ سے چابی چھین لی اور درد و تکلیف بھی پہنچائی۔ اب نرمی سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ بندہ خدا تیرے لئے تو اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک نازل ہوا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ عثمان مذکور کو پڑھ کر سنائی تو عثمان مذکور نے آیت مذکورہ سنتے ہی پڑھا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس کے بعد پھر جبریل نازل ہوکے اور حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ کعبہ معظمہ کی خدمت ہمیشہ عثمان اور اُس کی اولاد میں رہے گی۔ چنانچہ عثمان مذکور نے جب مکہ شریف سے ہجرت کی تو کعبہ شریف کی چابی اپنے بیٹے شیبہ کو دیدی۔ اور تاحال انہی کی اولاد میں چلی آتی ہے[1]۔

---

[1] حضرت مولانا توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دن حضور علیہ السلام نے اسی عثمان کو فتح مکہ سے ایک عرصہ پہلے فرمایا تھا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی چنانچہ وہ پیشگوئی آج پوری ہوئی۔ صاحب روح البیان کے زمانہ تک چابی اسی عثمان کے خاندان میں رہی لیکن ہمارے دور کی کہانی مولانا توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنیئے وہ سیرت رسول عربی صـ۳۴۸ میں لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی کنجی حضرت عثمان بن طلحہ کے خاندان میں رہی اب ابن سعود نجدی نے جو سلوک اس خاندان سے کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی مذکور حسب ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل سے اس فتنہ نجدیہ کا جلدی خاتمہ کردے (آمین ثم آمین)۔ (اُویسی غفرلہٗ)

وَاِذَا حَکَمْتُمْ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم فرمایا کہ جب تم فیصلہ جات کرو) بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (لوگوں کے درمیان تو عدل و انصاف سے فیصلے کرو) عدل بمعنے انصاف اور برابر کا سلوک کرنا۔ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ (بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی اچھی تمہیں نصیحت فرماتا ہے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیسی بہتر نصیحت فرماتا ہے۔ مثلاً حکم فرمایا کہ امانت اُس کے مستحق کو واپس لوٹا دو اور فرمایا کہ آپس میں عدل و انصاف سے کام لو۔

فائدہ نِعِمَّا میں ما نکرہ ہے بمعنیٰ شَیْءٌ اور یَعِظُکُمْ اس کی صفت ہے اور اس کی مخصوص بالمدح محذوف ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا (بے شک اللہ تعالیٰ سمیع ہے) یعنی خزانہ داروں کی بات سنتا ہے۔ بَصِیْرًا (امانت والوں کے ہر عمل کو دیکھتا ہے) یعنی اعمال اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کے وعظ و نصیحت کے مطابق ڈھالو۔ کیونکہ وہ تمام مسموعات و مبصرات کو جانتا ہے پھر تمہیں ہر اس عمل کی سزا دے گا جو تم سے صادر ہوگا۔

امانت کے احکام و مسائل (مسئلہ) امانت اس حق کو کہتے ہیں جو کسی پر دوسرے کے لئے واجب ہو کہ اُسے ادا کئے بغیر جان نہ چھوٹے۔

مسئلہ حق وہ شئے ہے کہ کسی کا کسی پر کوئی شئے واجب الادا ہو اور وہ اس لائق ہو کہ اُسے کہا جاسکے کہ تم فلاں کا حق ادا کرو۔

نکتہ چونکہ انسان فطرۃً چاہتا ہے کہ وہ حصول منافع اور دفع ضرر کے لئے جدوجہد کرے۔ اس سے فارغ البالی ہوتی ہے تو پھر دوسروں کے معاملات کی اصلاح میں دخل دیتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے امانت کا ذکر فرمایا پھر ادائے حق کا۔

قاعدہ تفسیریہ قصہ مذکور پر مسئلہ امانت منحصر نہیں۔ بلکہ رہتی دنیا تک ہر معاملۂ امانت میں اُس کے احکام جاری ہوں گے۔

فائدہ انسان کے معاملات یا تو اللہ تعالیٰ سے ہوتے ہیں یا بندوں سے یا صرف اپنے تک پھر انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر امانت ادا کرنے اور امانت کی ادائیگی کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مامورات کو بجالائے اور اُس کی تمام منہیات کو ترک کرے اور یہ وہ سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امانت ہر شئے پر لازم ہے وضو یا جنابت۔ نماز زکوٰۃ روزہ وغیرہ وغیرہ مثلاً زبان کی امانت یہ ہے کہ اُسے جھوٹ۔ غیبت اور چغلخوری اور کفر و بدعت اور فحش گوئی وغیرہ سے بچائے۔ دو آنکھوں کی امانت یہ ہے کہ انہیں حرام کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھے اور کان کی امانت یہ

ہے کہ ملاہی و مناہی کے سننے سے اُسے دور رکھے اور نہ ہی فحش اور جھوٹی باتیں وغیرہ سُنے - اسی طرح ہر عضو کی کیفیت کا قیاس کیجئے ۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

(۱) زباں از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگہ داندش حق شناس

(۲) گذرگاہ قرآن و پندست گوش
نہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

(۳) دو چشم از پے صنع باری نکوست
نہ عیب برادر بود گیرد دوست

ترجمہ (۱) زبان شکر و سپاس کے لئے ہے اے حق شناس اسے غیبت میں گندہ نہ کر۔
(۲) کان قرآن و پند و نصیحت کی گذرگاہ ہے اسے سے بہتان باطل سننے کی کوشش نہ کر۔
(۳) دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صفت دیکھنے کے لئے ہیں انہیں بھائی اور دوست کے عیب دیکھنے میں صرف نہ کر۔

خلق خدا کی امانات کی رعایت یہ ہے کہ اُن کی امانتوں کو صحیح و سالم لوٹانا ۔ اس میں مندرجہ ذیل مسائل داخل ہو جائیں گے ۔

(۱) کیل و وزن میں کمی نہ کرنا ۔

(۲) خلق خدا کے عیوب افشاء نہ کرنا ۔

(۳) اُمرا کا عوام رعایا سے عدل و انصاف ۔

(۴) علماء کا عوام سے عدل و انصاف یہ کہ انہیں دین و اسلام کی صحیح رہبری فرمائیں ۔ یعنی انہیں ان عقائد پر رہنے کی تلقین کریں جو اسلام کے عین مطابق ہیں ۔ اور انہیں ایسے اعمال صالحہ کی نصیحت فرمائیں جو انہیں دنیا و آخرت کے لئے مفید ہوں ۔

(۵) زوجہ کی اپنے زوج کی حفظ امانت یہ ہے کہ وہ اپنی فرج کو غیر سے محفوظ رکھے اور اپنے زوج کی اولاد پر غیر کے نطفہ کو جگہ نہ دے اور عدت طلاق و وفات کے ختم ہونے کی صحیح خبر دے

(۶) اسکے لئے امانت کے حفظ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اُمور کا ارتکاب کرے جو اس کے لئے مفید اور اُس کی دارین کی اصلاح کریں اور دین و دنیا میں اسے فائدہ پہنچائیں اور ایسے اعمال کا ارتکاب نہ کرے کہ جن سے اُسے آخرت میں نقصان پہنچا سکیں ۔

حدیث شریف حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا اس کا ایمان نا مکمل ہے جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا۔ اور اُس کا دین ناقص ہے جو عہد و پیمان پر پورا نہیں اُترتا۔

سبق سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی حسب استطاعت امانات کی حفاظت کرے اور حق کے مواعظ کا پابند رہے اور دوسروں کو بھی نصیحت کرے۔ اس لئے کہ وعظ و پند بہت بڑی تاثیر رکھتے ہیں اور وہ ہر آن اس پر کاربند رہے ؎

امروز قدر پند عزیزاں شناختم
یارب رواں ناصح ما از تو شاد باش

ترجمہ: آج مجھے بزرگوں کی نصیحت کی قدر معلوم ہوئی اے اللہ میرے ناصح کی روح تجھ شاد ہو۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

پند حکیم محض صوابست و محض خیر
فرخندہ بخت آنکہ بسمع رضا شُنید

ترجمہ: دانا کی نصیحت بالکل صواب اور محض خیر ہے وہ مبارک انسان ہے جو خوشی سے نصیحت قبول کرتا ہے۔

فائدہ کسی کو اللہ تعالیٰ حکومت و سلطنت نصیب فرمائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے پکڑے اور مستحقین کی امانات کو پورے طور ادا کرے۔

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حکام سے تین معاہدے فرمائے۔

(۱) خواہشات نفسانیہ کی اتباع نہ کریں۔
(۲) اللہ تعالیٰ اور خلقِ خدا سے ڈریں
(۳) دین کو معمولی قیمت پر نہ بیچیں۔

ظلم کی سزا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے اللہ تعالیٰ کا منادی ندا دے گا ظلم کرنے والے آج کہاں ہیں۔ انہیں ایک جگہ پر جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ کسی نے کسی کا قلم یا دوات کی مقدار ظلم کیا ہوگا اسے بھی حاضر کیا جائے گا۔ ان سب ظالموں کو جمع کرکے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

(۱) جہاں نماند و آثار معدلت ماند
بخیر کوش و صلاح و بعدل کوش و کرم

(۲) کہ ملک و دولت ضحاک مردماں آزار
نماند و تا بقیامت بر و بماند رقم

ترجمہ (۱) زندگی ختم ہوگئی لیکن انصاف وعدل کے نشاں باقی رہ گئے اسی لئے تم بھی خیر وصلاح عدل وکرم کی کوشش کرو۔
(۲) ظالم ضحاک کی دولت نہ رہی لیکن قیامت تک ظلم کا عذاب اس پر رہے گا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا جو کسی بادشاہ (یا حاکم) کو ظلم کا مشورہ دیتا ہے یا اسے ظلم کی رہبری کرتا ہے تو وہ ہامان کے ساتھ اٹھے گا قیامت میں سب سے زیادہ عذاب اس پر اور اس کے بادشاہ پر یا حاکم کو ہوگا۔

سبق ایمان کا تقاضا ہے کہ عدل وانصاف سے کام لیا جاوے اس لئے کہ عدل صلاح ونظام عالم کا بہترین سبب اور اجرائے شرع کا بہترین طریقہ ہے اور اس سے ہی رشوت سے محفوظ ہونا ممکن ہے۔ اس لئے کہ جو شخص رشوت لیتا ہے وہ کسی لحاظ سے بھی شرع کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

حکایت ایک دفعہ سلطان سکندر ایک شاعر پر ناراض ہوگئے تو آپ نے اس شاعر کو جیل میں ڈال دیا اور اس کا مال دوستوں پر تقسیم کر دیا۔ سکندر سے سوال ہوا کہ آپ نے اس طرح کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ شاعر کو جیل میں ڈالنا تو اس کے جرم کی سزا ہے اور مال کو اس کے دوستوں پر اس لئے تقسیم کیا کہ تاکہ وہ لوگ شاعر کے لئے سفارش نہ کر سکیں۔

سبق اس طرح معلوم ہوا کہ دنیا ودولت کس طرح پھنساتی ہے سکندر نے اشارہ کر دیا کہ اگر وہ سفارش پر ارادہ کریں گے تو انہیں مال و دولت واپس دینے کا خیال آئے گا۔ اس لئے وہ سفارش سے رک جائیں گے انہیں دنیا کی لالچ نے سفارش سے روک دیا۔

از تو گر انصاف آید در وجود

بہ کہ عمرے در رکوع وسجود

ترجمہ: تجھ سے کبھی عدل وانصاف کام ہوگیا تو ساری زندگی کے نفل دوگانہ سے بہتر ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

(اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو)۔

تفسیر عالمانہ اولی الامر سے امرائے حق اور شاہاں عدل (جیسے خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ بادشاہ جنہوں نے انکی اقتداء کی) مراد ہیں۔

فائدہ وہ بادشاہ اور حکام جنہوں نے رعایا پر ظلم کیا اور اطیعوا اللہ و الرسول پر عطف کے مستحق نہیں کیونکہ وہ تو شرعاً چور اور ڈکٹیٹر ہیں۔ کیونکہ وہ قہر و جبر اور ظلم کر کے لوگوں سے مال لیتے ہیں۔

سوال اولی الامر کی طاعت کا عطف اطیعوا الرسول پر کیوں نہیں ہے یعنی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر کے

بجائے واطیعوا اولی الامر کہا جاتا ؟

جواب اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے ادب کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ اس کے نام کے ساتھ غیر کے نام کا اجتماع نہ ہو۔

سوال بعض مقامات پر تو اللہ تعالیٰ کے اسم پر غیر اللہ کا عطف ڈالا گیا ہے ؟

جواب جہاں معاملہ مخلوق سے متعلق ہو تو ایسا عطف جائز ہے۔

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ

حل لغات النزع بمعنے الجذب یعنی کھینچنا ہے اور چونکہ جھگڑے والے ہر ایک اپنے بالمقابل کو اس کے مقصد کے خلاف کھینچتا ہے اس بنا پر اسے نزع سے تعبیر کیا گیا ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ جب تم اور تمہارے حکام کسی دینی معاملہ میں جھگڑا کرو فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ (تو اسے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرو وَالرَّسُوۡلِ (اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی طرف۔

اہل ظواہر اور غیر مقلدین وہابیہ کا استدلال اور اُس کی تردید

اس آیت سے اہل ظواہر نے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد و قیاس ناجائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تنازع کے وقت کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ہر زمانہ میں ہر نئے پیدا شدہ مسائل کے لئے تو نصوص آیات و احادیث نہیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف قرآن و حدیث کے اندر رکھی ہوئی امانات اور انہی کے مدلولات پر نظر رکھنے اور انہی کے مدلولات و مقتضیات کے مطابق عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اہل ظواہر (اسی طرح غیر مقلدین) کا یہ استدلال غلط اور بالکل غلط ہے بلکہ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو الٹا یہی آیت قیاس کے جواز پر حجت ہے اس لئے کہ آیت میں نو پیدا شدہ مسائل کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منطبق کرنے کا حکم ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ نو پیدا شدہ مسئلہ کو آیت و حدیث سے مماثلت ہو اور اس کا ثبوت کتاب و سنت پر مبنی ہو۔ ہمارے نزدیک اس کا نام قیاس ہے چنانچہ ہمارے دعویٰ کی تائید آیت کے سیاق و سباق سے ہوتی ہے کہ اولاً اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے اس کے بعد رجوع الی الکتاب والسنۃ کا ارشاد ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی منشا ہے کہ اپنے نو پیدا شدہ مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرو۔

قاعدہ آیت سے ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ کے اصول تین ہیں

① کتاب اللہ۔

② سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

③ وہ حکم جو ان دونوں سے قیاس کر کے ثابت ہو (اجماع بھی اسی قیاس کا دوسرا ہی نام ہے

جو اس سے اقویٰ ہوتا ہے جیسے اہل سنت کی تحقیق ہے[1]

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اگر تم اللہ اور یوم آخرت کا ایمان رکھتے ہو) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ و یوم آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا یہی ہے کہ ہر بات میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

سوال اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی بات تو حق ہے کہ رجوع الی کتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا لیکن یوم الآخرۃ پر ایمان لانے کا دارومدار اس پر موقوف کیوں؟

جواب اس لئے کہ جو شخص رجوع الی الکتاب و سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہے تو اسے یوم آخرت میں سزا ملے گی۔ اس سزا سے ڈراتے ہوئے یوم الآخرۃ پر ایمان لانے کی تصریح فرمائی ہے۔

ذٰلِكَ یہ رجوع الی الکتاب و سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَيْرٌ اختلافات میں تمہارے لئے بہتر اور موزوں تر ہے۔ وَاَحْسَنُ اور فی نفسہ نہایت ہی احسن ہے۔ تَاْوِيْلًا انجام بخیر اور نتیجہ کے لحاظ سے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ بادشاہوں اور حاکموں کی تابعداری واجب ہے بشرطیکہ وہ کتاب و سنت کی پیروی کریں۔ جب کتاب و سنت کے خلاف کریں تو ہمارے لئے اُن کی اطاعت ضروری نہیں۔

حدیث شریف ① حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم نے فرمایا خالق کی نافرمانی کرکے مخلوق کی کسی قسم کی تابعداری نہ کرو

حدیث شریف ② فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر حکومت کرے لیکن اس پر ظلم نہ کرے اور جو بات کرے تو جھوٹ نہ بولے اور اُن سے وعدہ کرکے خلاف نہ کرے تو یقین کرو کہ وہ مروّت اسلامی میں کامل و مکمل ہے اور اس کا عمل و انصاف صحیح ہوگیا اور اُس کی اخوتِ اسلامی ثابت ہوگی۔

سبق اُمراء یعنی حکام و سلاطین پر واجب ہے کہ خوف و خشیت الٰہی کو دل میں جگہ دیں کہ شریعت اسلامی و احکام شرعیہ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب طریقہ کے مطابق جاری کریں اس سے اُسے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ان کا رُعب اور ان کی ہیبت عوام کے قلوب پر چھا جائے گی اس طرح سے وہ نہ صرف اس سے ظاہری طور خوف زدہ ہوں گے بلکہ بطیب خاطرا در حقیقی طور ان کے غلام بے دام بن جائیں گے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رُعب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں روم کے بادشاہ نے ہدایا اور کچھ بہترین کپڑے اور اعلیٰ قسم کا جبہ ایک ایلچی کے ذریعہ

---

[1] اس کے متعلق مزید تفصیل فقیر کی "تفسیر اُویسی" میں دیکھئے ۱۲ (اُویسی رضوی غفرلہٗ)

روانہ کیا۔ جب ایلچی مدینہ طیبہ میں پہنچا تو لوگوں سے پوچھا کہ خلیفہ صاحب کا ایوان خاص کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارے خلیفہ کا نہ کوئی ایوان خاص ہے اور نہ بہترین بنگلہ اور کوٹھی بلکہ ایک مختصر سا جھونپڑا اور چھپر دار کوٹھڑی ہے چنانچہ رومی ایلچی کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قیامگاہ کا راستہ بتایا گیا۔ جب وہ رومی ایلچی سیدنا فاروق اعظم کی آرام گاہ میں پہنچا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی دیکھا تو وہ ایک معمولی سا جھونپڑا ہے اور اس کے دروازے عرصہ کثیر گذر جانے سے گردو غبار کی وجہ سے سیاہ ہو چکے ہیں۔ اس جھونپڑے میں تو چونکہ سیدنا فاروق اعظم سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی لہٰذا اُن کی قیام گاہ سے باہر اُن کی تلاش میں نکلا۔ لوگوں سے پوچھا تو اُسے جواب ملا کہ وہ غربا و مساکین کی ضروریات پورا کرنے کے لئے مصروف بکار ہیں۔ اور رعایا کی جانچ پڑتال کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ رومی ایلچی شہر سے باہر چلا گیا۔ کچھ آگے چل کر دیکھا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دیوار کے سایہ تلے دُرہ (چابک) سرہانے رکھ کر لیٹے ہوئے ہیں رومی ایلچی نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا اے خلیفۃ المسلمین تم نے عدل و انصاف کیا تو اب چین و آرام فرما ہیں اب آپ کو خطرہ لاحق نہیں جہاں چاہو سوتے رہو۔ ہمارے بادشاہوں نے تو ظلم کی انتہا کر دی۔ اس لئے وہ اب ڈر کے مارے گھروں سے باہر نہیں نکلتے بلکہ سپاہ کے پہرہ میں مضبوط قلعوں میں بند ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) پادشاہے کہ طرح ظلم وافگند
پائے دیوار ملک خویش میکند

(۲) نکند جور پیشہ سلطانی
کہ نیاید ز گرگ چوپانی

ترجمہ: (۱) وہ بادشاہ جو ظلم کا طریقہ جاری کرتے ہیں وہ اپنے ملک کی دیوار کو اکھیڑتے ہیں۔
(۲) بادشاہ ظلم کا طریقہ جاری نہیں کرتا اس لئے کہ بھیڑیئے کو نگہبانی سے کیا غرض

نکتہ اردشیر نے کہا کہ ملک کی بنیاد دین ہے اور اس کا نگران عدل و انصاف ہے جس مکان کی بنیاد نہ ہو وہ جلد تر گر جائے گا اور جس کا نگران کوئی نہ ہو تو وہ زود تر ضائع ہو جائے گا۔

حکایت نوشیرواں منقول ہے کہ نوشیرواں کے وزیر زراعت و خوراک نے نوشیرواں کو مشورہ لکھ بھیجا کہ آنجناب کے ملک کے اخراجات بہت زیادہ ہیں اور آمدنی کم۔ اگر اجازت ہو تو رعایا پر معمولی ٹیکس کا اضافہ کیا جائے۔ نوشیرواں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر وزیر مذکور نے اصرار کیا۔ نوشیرواں نے اس کے اصرار پر لکھا کہ میری خاموشی پر تیرے لئے بہتر تھا کہ تو مجھ سے ٹیکس کے اضافہ کے لئے تقاضہ نہ کرتا۔ اور نہ ہی تو ایسی بات کا مطالبہ کرتا کہ جس کا تو مامور نہیں ہے لیکن تو نے بجائے سکوت کے اصرار کیا ہے یہ بات دلالت

کرتی ہے تو اپنے بادشاہ کے معاملات میں دخیل ہو کر گستاخ ہوگیا - اس کی سزا یہ ہے کہ تو اپنا ایک کان کاٹ ڈال اور آئندہ پورا عزم بالجزم رکھ کر پھر تو کبھی ایسی ناشائستہ حرکت نہیں کرے گا - وزیر مذکور نے ایک کان کاٹ ڈالا اور پھر تادم زیست ایسے معاملہ کے درپے نہ ہوا -

سبق ظلم ایک ننگ و عار اور جہنم کا ایندھن بنتا ہے جو اس کا مرتکب ہوتا ہے - ہر ذی عقل و ذی شعور کو اس سے اجتناب کرنا واجب ہے نیز جس کا ظلم نہ کرنے کا پکا ارادہ ہو اسے چاہئیے کہ وہ کسی ظالم کے ہاں بیٹھنے تک کا روادار نہ ہو اور نہ ہی اُن کی اتباع کرے کیونکہ اتباع صرف اہل حق کی لازم ہے اور بس -

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اسی طرح جو میری نافرمانی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور جو شخص حاکم عادل کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے -

نکتہ یاد رہے کہ رعایا کے جیسے عمل ہوتے ہیں ویسے حاکم مسلط کئے جاتے ہیں یعنی اگر رعایا کے اعمال نیک تو حکام بھی نیک اگر رعایا کے اعمال برے تو اُن پر حکام بھی برے مسلط ہوتے ہیں -

حکایت منقول ہے کہ حجاج بن یوسف کو کسی نے کہا کہ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا عدل کیوں نہیں کرتا حالانکہ تو نے اُن کی خلافت کا زمانہ آنکھوں سے دیکھا اور اُن کی رعایا پروری کے حالات کا مشاہدہ کیا - اُسنے کہا تبا ذ رو العمر بکم" تم حضرت ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی) کی طرح (نیک ہو جاؤ) میں تمہارے لئے عمر (عادل) ہو جاؤں گا یعنی رعایا کو چاہیئے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور زہد و عبادت اختیار کر لیں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح عدل و انصاف سے کام لوں گا -

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جیسے تم ہو ویسے تمہارے اوپر تمہارے حاکم مسلط کیا جاتا ہے یعنی اگر تم نیک ہو جاؤ تو تمہارا حاکم بھی نیک ہوگا اگر تم برے ہو جاؤ تو تمہارا حاکم بھی برا مفسد ہوگا -

اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ

موسیٰ علیہ نے کہا الہ العٰلمین مجھے کیسے معلوم ہو تو کس وقت مخلوق پر راضی ہے اور کس وقت ناراض -

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) جب تم رعایا پر حاکم عادل دیکھو تو سمجھ لو کہ میں اس وقت مخلوق سے راضی ہو جب تم حکام کو برا پاؤ سمجھ لو کہ میں اس وقت ناراض ہوں -

تفسیر صوفیانہ اولی الامر سے درحقیقت وہ مشائخ کرام مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص ترین بندے ہیں جو ہر وقت مُریدین کی اصلاح میں لگے رہتے ہیں اس معنیٰ پر مُرید کا اولی الامر اُس کا اپنا شیخ ہوگا کہ وہ

باقی ص ۱۲۷ پر

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا
أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا
أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ○
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ
الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ○ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ
بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا
وَتَوْفِيقًا ○ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ
عِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ○ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا
لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ○ فَلَا وَرَبِّكَ لَا
يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا
مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا
يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ○ وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ
لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ○ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ○ وَمَنْ يُطِعِ
اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَ
الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا ○ ذَلِكَ
الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيمًا ○

ترجمہ کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے
اُترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ
انہیں دور بہکا دے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے

کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں کیسی ہو گی جب ان پر کوئی افتاد پڑے بدلہ اس کا جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا پھر اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اللہ کی قسم کھاتے کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا ان کے دلوں کی تو بات اللہ جانتا ہے تو تم ان سے چشم پوشی کرو اور انہیں سمجھا دو اور ان کے معاملہ میں ان سے رسا بات کہو اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے اور اگر وہ کرتے جس بات کی انہیں نصیحت دی جاتی ہے تو اس میں ان کا بھلا تھا اور ایمان پر خوب جمتا اور ایسا ہوتا تو ضرور ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے اور ضرور ان کو سیدھی راہ کی ہدایت کرتے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ (کیا ان کو نہیں دیکھا جو جھوٹ بولتے ہیں) زعم یہاں پر بمعنی کذب ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (کہ بے شک وہ آپ کی طرف نازل کردہ قرآن پر ایمان لائے ہیں۔ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (اور آپ سے پہلے نازل شدہ تورات و دیگر تمام سماوی کتب پر بھی) گویا یہاں سوال ہوا کہ ان کا کونسا غلط کردار تھا تو اس کے جواب میں فرمایا يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ (وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جائیں)۔

شان نزول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کا آپس میں جھگڑا ہوا تو یہودی نے منافق سے کہا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جائیں اس لئے کہ آپ حق فیصلہ کرتے ہیں اور رشوت بھی نہیں لیتے لیکن منافق کہتا تھا کہ کعب بن اشرف کے ہاں چلیں۔ اس لئے کہ وہ رشوت لینے کا عادی تھا چونکہ حق یہودی کا تھا اس لئے منافق کا اصرار تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہو بالآخر یہودی نے منافق کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضری پر مجبور کر دیا۔ یہودی و منافق نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اپنا اپنا بیان دیا۔ حضور علیہ السلام نے یہودی کے

حق میں فیصلہ فرمایا تو منافق اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور کہا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں چلتے ہیں جب وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے تو یہودی نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے لیکن یہ نہیں مانتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منافق سے کہا کیا یہی بات ہے منافق نے کہا ہاں! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔ آپ نے اندر جا کر تلوار اٹھائی اور واپس تشریف لا کر منافق کی گردن اڑا دی اور فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کا منکر ہے اس کا میرے ہاں یہی فیصلہ ہے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام یہی آیت لے کر نازل ہوئے اور فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق و باطل کا فرق واضح کر دیا اس لئے آج کے بعد ان کا نام "فاروق" ہے۔

فائدہ طاغوت سے کعب بن اشرف مراد ہے اور اسے طاغوت اس لئے کہا گیا کہ وہ طغیان (گمراہی) اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھرپور تھا اور اس شخص کو بھی طاغوت کہا جاتا ہے جو غلط فیصلے کرے اور باطل کا ہی خوگر ہو۔

وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ (حالانکہ انہیں حکم تھا کہ وہ اس سے علیحدہ رہیں یعنی انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت سے برأت کا اظہار کریں۔ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ (اور شیطان کا ارادہ ہے) اس سے کعب

بقیہ صفحہ ۱۲۴ سے

مُرید کی اصلاح جیسے چاہے گا مرید کو اُس کے امر کی پابندی لازمی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مُرید پر واجب ہوتا ہے کہ ہر واردات پر دل کو ٹٹولے اور ہر اشارہ و الہام یا حادثہ پر اپنے اعمال و احوال کو شیخ کی نظر کسوٹی سے پرکھے۔ جو بات اس کا شیخ اس کے لئے تجویز کرے یا اس کا اشارہ اور حکم فرمائے تو سر تسلیم خم کرے۔ اس کے اوامر و نواہی کو بجا لائے کیونکہ اس کا شیخ اُس کے لئے اولوالامر میں سے ہے۔

انتباہ مریدین کے اولی الامر تو مشائخ کرام ہیں لیکن مشائخ کے اولی الامر کتاب و سنت ہیں مشائخ پر بھی لازم ہے کہ انہیں جو واردات غیبی نصیب ہوں مثلاً مکاشفات و مشاہدات و اسرار و حقائق کسی وقت حاصل ہوں تو وہ اُن سے اپنی دکان نہ چمکائیں بلکہ ان مکاشفات وغیرہ کو حق سمجھیں ورنہ انہیں دیوار پر مار دیں اس لئے کہ اہل حق کے نزدیک کتاب و سنت کی پیروی کا نام ہے[1] (کذا ذکرہ الشیخ الکامل نجم الکبریٰ فی تاویلاتہ)

---

[1] اس سے موجودہ دور کے بعض گدی نشین پیر صاحبان سبق حاصل کریں کہ وہ اپنی من مانی منواتے ہیں اور شیخ کا دم بھرتے ہیں خواہ اُن کے فعل و قول و عمل کو کتاب و سنت سے دور کا واسطہ نہ ہو!!
(اُویسی غفرلہٗ)

بن اشرف یا شیطان کی حقیقت مراد ہے اس کا عطف یریدون پر ہے اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (کہ وہ انہیں بہت زیادہ گمراہ کر دیں یعنی ایسی گمراہی میں ڈال دیں کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو کہ پھر اُن کے لئے ہدایت کی اُمید بھی منقطع ہو جائے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ (اور جب اُن منافقین کو کہا جاتا ہے کہ تَعَالَوْا (آؤ) اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (اس طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے یعنی وہ احکام بجالاؤ جن کا اُس نے اپنی کتاب میں حکم فرمایا ہے وَاِلَی الرَّسُوْلِ (اور رسول علیہ السلام کی طرف) یعنی جو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم فرمائے) رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ (تو تم منافقین کو دیکھتے ہو)۔

سوال یہاں لفظ المنافقین کیوں لایا گیا ہے حالانکہ یہاں تو المنافقین کے بجائے ضمیر جمع مذکر (ھُمْ) لانا مناسب تھا؟

جواب اُن کی منافقت کی پختگی کا اظہار اور ان کی گندی عادات (منافقت) کی مذمت مطلوب ہے اور بتانا ہے کہ ان پر حکم مذکور صرف ان کی اسی منافقت کی وجہ سے ہے اگر وہ اس منافقت سے باز آجائیں تو حکم مذکور اُن پر لاگو نہیں ہوگا۔

فائدہ یہاں رؤیۃ بصریہ مراد ہے۔

یَصُدُّوْنَ عَنْكَ (اور وہ تمہیں روکتے ہیں) یہ جملہ المنافقین سے حال ہے صُدُوْدًا ؕ یعنی وہ تم سے ہر طرح روگردانی کرتے ہیں۔ فَكَیْفَ (پس اُن کا کیا حال ہوگا) یا وہ اُس وقت کیا کر سکیں گے جب وہ عاجز ہو جائیں گے اور بالکل کسی امر کی رکاوٹ نہ کر سکیں گے۔ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۢ یعنی مصیبت کے وقت کیا کر سکیں گے جب ان کی منافقت ظاہر کر کے انہیں رسوا کیا جائے گا۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ (اس وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے کمایا) بسبب ان کی ان غلطیوں کے جو ان سے سرزد ہوئیں منجملہ ان کے ایک یہی ہے کہ وہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جاتے ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوتے۔ ثُمَّ جَآءُوْكَ (پھر وہ آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تاکہ اپنی غلط پالیسیوں کی معذرت کریں اس کا عطف اِذَآ اَصَابَتْهُمْ پر ہے۔ یَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں) یہ جاؤک کے فاعل سے حال ہے۔ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا (ہمارا تو صرف احسان و مروت کا ارادہ ہے)۔ ہم طاغوت کی طرف صرف اس لئے فیصلہ کے لئے گئے تاکہ ہمارے مخالفین کو معلوم ہو کہ ہم متعصب نہیں بلکہ ہم صلح پسند ہیں۔ اس سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ ہم آپ کی مخالفت کریں اور نہ ہی ہمیں آپ کے فیصلہ سے کوئی ضد تھی اسی لئے اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے کئے پر مواخذہ نہ کیجئے۔

فائدہ اس میں منافقین کو وعید سنائی گئی کہ جو کچھ تم نے کہا تھا تمام غلط تھا۔ جس کا خمیازہ تم ضرور بھگتو گے اور شرمساری سوا۔ پھر وہ شرمساری تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی تمہاری عذرداری قابل قبول ہو گی۔

أُولَٰئِكَ (وہ لوگ) منافقین الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ (جن کے دلوں کے اسرار کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے) کہ وہ منافقت کے کتنا درجہ پر ہیں اسی لئے انہیں اپنی منافقت کو چھپانا غیر مفید ہے اور نہ ہی جھوٹی قسمیں انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکتی ہیں۔ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ (پس ان سے روگردانی فرمایئے) یعنی نہ ہی آپ ان کی معذرت قبول فرمائیں اور نہ ہی ان کے لئے دعا کر کے ان کی مشکلکشائی فرمائیں۔ وَعِظْهُمْ (اور انہیں نصیحت فرمایئے) وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ (اور ان کے نفوس خبیثہ اور قلوب جو شر و فساد سے پر ہیں) (جنہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے) کے متعلق انہیں خوب نصیحت فرمایئے یا یہ مطلب ہے کہ انہیں تنہائی میں نصیحت فرمایئے کہ اس وقت ان کے سوا اور کوئی نہ ہو۔ اس لئے کہ تنہائی میں کسی کو نصیحت کی جائے تو وہ زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ قَوْلًا بَلِيغًا (یعنی انہیں ایسا وعظ فرمایئے کہ ان کے دل پر اثر ڈالے اور ان کی مراد کی کنہ تک پہنچ جائے تاکہ وہ مقصود کو پالیں۔

فائدہ قول بلیغ کا طریقہ یوں ہوتا ہے کہ سامعین سے کہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے راز کو خوب جانتا ہے اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس سے باخبر ہے۔ فلہذا تم اپنی منافقت کو چھپا کر کیا کرو گے اب تمہارے لئے نہایت ضروری ہے کہ تم اپنی اصلاح اور اپنے قلوب کو پاک اور صاف کر لو۔ تاکہ تمہارے کفر کے تمام رذائل بالکل دھل جائیں اور ابھی سے منافقت کی بیماری کا علاج کرا لو۔ ورنہ جس طرح کفار و مشرکین پر آیات واضح طور نازل ہوئی ہیں تمہارے لئے بھی نازل ہونے لگیں گی تو پھر پچھتاؤ گے بلکہ ان سے بھی ذلیل تر ہو گے۔ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ انہیں سختی سے سمجھایئے ان پر آپ کی نصیحت اثر انداز ہو گی جس سے وہ دولت ایمان سے نوازے جائیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (اور ہم نے ہر رسول مطاع باذن اللہ بنا کر بھیجا ہے) یعنی رسولوں میں سے ہر رسول کو معاملات میں سے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن کے سبب سے مطاع بنایا گیا ہے کہ اس کی اطاعت اور اس کی ہر امر فرض ہے ان لوگوں پر جنکی طرف وہ مبعوث ہوئے کہ وہ لوگ اپنے رسول علیہ السلام کی اطاعت اور ان کی تابعداری کریں۔ اس لئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سمجھی جائے گی۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ (اور اگر انہوں نے اپنے نفوس پر ظلم کیا ہے کہ آپ کی طاعت چھوڑی اور آپ سے

رُوگردانی کر کے طاغوت کے ہاں فیصلے لے گئے تو اس طرح سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دی۔ جَآءُوْكَ (آپ کے ہاں منافقت سے تائب ہو کر حاضری دیں) فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ (پس وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کے لئے شفاعت کریں) وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ (اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کے لئے شفاعت کریں یعنی وہ توبہ و استغفار کے وقت رسول علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اُن کی مغفرت کا سوال کریں۔

سوال صحیح توبہ سے اُن کی مغفرت خود بخود ہو گی پھر اس کے ساتھ رسُول علیہ السلام کی سفارش کی شرط کیوں؟

جواب چونکہ اس وقت یہ منافقین رسول پاک علیہ السلام سے رُوگرداں ہو کر طاغوت کی طرف فیصلے لے جانے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کے علاوہ ان کی دل شکنی بھی ہوئی تو اُن کی دلجوئی بھی ضروری ہوئی اور قاعدہ عام ہے کہ جہاں پر ایسا معاملہ ہو تو اُس وقت حضور علیہ السلام کی شفاعت کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

لَوَجَدُوا اللّٰهَ (وہ اللہ تعالیٰ کو پائیں گے) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں پائیں گے) تَوَّابًا (بہت بڑا توبہ قبول کنندہ ہوگا)۔ رَحِيْمًا یہ توابًا سے بدل ہے یعنی اپنی مخلوق پر بہت بڑا رحم کرنے والا۔ فَلَا پس معاملہ یوں نہیں جیسے منافقین کے گمان میں ہے کہ وہ مؤمن ہیں یہ صرف ان کا خیال ہے ورنہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کر کے کیسے مؤمن ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد قسم یاد فرمائی کہ وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ (مجھے تیرے رب کی قسم کہ وہ مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کو فیصل نہ بنائیں) یعنی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ اس وقت مؤمن کہلانے کے حقدار ہیں جب وہ اپنے تمام معاملات میں آپ کو اپنا حکم مانیں اور ہر معاملہ کا فیصلہ آپ سے کرائیں۔ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (جن امور کا اُن کا آپس میں اختلاف ہے اور انہوں نے اپنے معاملات کو اس میں ملا دیا ہے شجر بمعنے ملانا اور شجرہ (درخت) کو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اُس کی ٹہنیاں آپس میں ملی ہوتی ہیں ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا (اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں۔ مِّمَّا قَضَيْتَ (اس سے جو آپ نے فیصلہ فرمایا ہے) یعنی آپ کے فیصلہ سے بدل و جان راضی ہو جائیں یہاں تک کہ اس کے بعد اُن کے دل پر کسی قسم کی تنگی اور بوجھ محسوس تک بھی نہیں ہوتا۔ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (اور پورے طور مان لیں۔ یعنی ظاہرًا اور باطنًا ہر طرح سے سرِ تسلیم خم کریں۔

مسئلہ ان آیات سے ثابت ہوا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا ہے۔ شک کر کے یا سرکشی ہو کر تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ بتاتا ہے کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ سے زکوٰۃ روک گئی تو حکم ہوا کہ مانعین زکوٰۃ کو قتل

کیا جائے اور اُن کی اولاد کو قیدی بنایا جائے۔

مسئلہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع فرائض میں سے فرض عین اور فروض میں سے فرض کفایہ اور واجبات میں سے واجب اور سنن میں سنت وغیرہ وغیرہ ہے۔

مسئلہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے دولت اسلام چھین لی جاتی ہے ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ: جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کرتا ہے وہ منزل کو ہرگز نہ پہنچیگا۔

نکتہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کے رہبر اعظم ہیں اور رہبر اعظم کی مخالفت شدید ترین گمراہی ہے حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

بکوئے عشق منہ دلیل راہ قدم
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام ونشد

ترجمہ: اپنی رائے کو عشق میں امام نہ بنایئے تو اس کا بڑا اہتمام کیا لیکن مقصد نہ پا سکا۔

فضائل اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم

① حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی بھی مومن نہیں جبتک اس کے خواہش اُس کے تابع نہ ہوجائے جسے میں لایا ہوں۔

② فرمایا کہ جس نے میری سنت کو ضائع کیا یعنی میری سنت پر عمل نہ کیا گویا اُس نے میری سنت کو ضائع کردیا اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ میری شفاعت سے محروم ہوگا۔

③ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری سنت پر محافظت کرتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ چار خصلتوں سے نوازے گا۔

① نیک لوگوں کے دلوں میں اس کے دلوں میں اس کے متعلق محبّت پیدا کردے گا۔

② فجار کے دلوں میں ہیبت۔

③ رزق میں وسعت۔

④ دین میں وثوق۔

نکتہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی اُمتی وہی ہے جو آپ کی تابعداری کرتا ہے۔

نکتہ آپ کی تابعداری اُسے نصیب ہوتی ہے جو دنیا سے روگردانی کرتا ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی دعوت کا

خلاصہ یہی ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کے ہوکر ہر وقت آخرت ہی کی فکر میں رہیں اور دنیا کو سہ طلاق دے دیں اور حظوظ نفسانیہ سے دُور رہیں پھر جتنا قدر کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور آخرت سے دل لگی ہوگی اتنا قدر اُسے راہِ حق کا سلوک نصیب ہوگا۔ اور اتنا قدر اسے اتباع نبوی حاصل ہوگی اور یہ قاعدہ ہے کہ جتنا قدر کسی کو اتباع نصیب ہوتی ہے اتنا ہی وہ امت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا حقدار سمجھا جائے گا۔

سبق غور سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ صبح و شام تک ہماری زندگی کے اکثر لمحات حظوظِ نفسانیہ میں صرف ہوتے ہیں اور ہر وقت ہمیں دنیائے فانی کے حصول کی فکر لگی رہتی ہے باینمہ پھر بھی ہم اس تصور میں ہیں کہ کل قیامت میں ہم حضور علیہ السلام کے امتی اور آپ کے متبعین میں سے ہوں گے۔

علامت قیامت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ جس میں میری سنت پرانی ہوجائے گی اور بدعات کا دور دورہ ہوگا۔ اس وقت جو شخص میری سنت پر عمل کرے گا تو وہ لوگوں کی نگاہوں میں اجنبی ہوگا بلکہ اُن کے معاشرے سے دُور رکھا جائے گا اور بدعت (سیئہ) کرنے والوں کے درجنوں ساتھی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہمارے بعد بھی کوئی ہم سے مراتب[1] میں افضل و اعلیٰ ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں! پھر انہوں نے عرض کی کیا وہ آپ کی زیارت سے بھی مشرف ہوں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں پھر انہوں نے عرض کی کہ وہ ایسے پرفتن دور میں کیسے گذاریں گے آپ نے فرمایا وہ اُن میں ایسے مل جل کر رہیں گے جیسے پانی میں نمک۔ پھر عرض کی اُن کا اُن کے ساتھ گذارہ کیسے ہوگا۔ آپ نے فرمایا جیسے کیڑا سرکے میں ہوتا ہے۔ پھر عرض کی وہ اپنا دین کیسے محفوظ رکھ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا انگارہ کی طرح کہ اسے اگر چھوڑا جائے تو بجھ جاتا ہے اگر اسے ہاتھ پہ رکھا جائے تو جلاتا ہے (یعنی اس وقت دین بچانا مشکل ہوجائے گا۔

وعظ نبوی کا نمونہ

حضرت ابونجیح العرباض رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ ایک دن ہمیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا وعظ فرمایا کہ جس سے دل بہت گھبرائے۔ اور ہماری آنکھوں میں آنسو جاری ہوگئے۔ ہم نے عرض کی حضور! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کا یہ وعظ ایسا ہے جیسا کہ آپ ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔ ہمیں کوئی وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت اور اس کے احکام قبول کرنے کی وصیت فرماتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کرنے کے لئے تمہارے اُوپر کوئی غلام بھی امیر مقرر ہو تب بھی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ میرے بعد تم میں جو کوئی زندہ رہے تو عنقریب بہت بڑے اختلاف دیکھے گا فلہٰذا تمہیں لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کریں بلکہ انہیں بہت سخت مضبوط پکڑو اور بدعات (سیئہ) سے بچو اس لئے کہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

---

[1] یہ مرتبہ بحیثیت عمل کے ہے کہ ایسے دور میں اعمال صالحہ کی قدر و قیمت ہوگی ورنہ کہاں صحابہ اور کہاں ایسے دور والے۔

سبق مؤمن پر ضروری ہے کہ سنت نبوی کی پیروی کرے اور بدعت (سیئہ) سے دور رہے اپنے ظاہر کو شریعت اور باطن کو طریقت سے سنوارے تاکہ اُسے قیامت میں دولت شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وافر حصہ نصیب اور عذاب جہنم سے نجات حاصل اور بہشت میں نیک لوگوں کی رفاقت نصیب ہو۔

فائدہ مؤمن بہشت میں اس درخت کی طرح ہوگا جس کے میوہ جات نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ہی وہ باغ سے کاٹا جائے اور منافق سخت ہلاکتوں میں ہوگا۔ اس درخت کی طرح کہ جسے بار بار کاٹ کر آگ کا ایندھن بنایا جائے۔

حضرتِ فردوسی فرماتے ہیں ؎

(۱) درختیکہ شیریں بود بار او
نگردد کسے گرد آزار او

(۲) اگر زانکہ شیریں نباشد برش
نپای اندر آند ناکہ سرش

(۳) بماند بباغ آں و در آتش ایں
تو خواہی چناں باش و خواہی چنیں

ترجمہ (۱) جو درخت پھل والا ہو اس کے درپئے آزار کوئی نہیں ہوتا۔
(۲) اگر اس کا پھل میٹھا نہ ہو تو اسے جڑ سے اکھاڑتے ہیں نہ کہ صرف اس کا سر کاٹتے ہیں
(۳) پھل والا درخت تو باغ میں صحیح سالم رہتا ہے اور یہ دوسرا آگ میں جلایا جاتا ہے اب تیری مرضی ہے تو پھل والے درخت کی طرح ہو یا دوسرے کی طرح۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ (اور اگر ہم ان منافقین پر واجب یا فرض کر دیں) اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ (یہ کہ اپنی گردنیں خود اڑائیں یا اپنے گھروں سے نکل جائیں) جیسے ہم نے بنی اسرائیل سے کہا، جب انہوں نے ہم سے توبہ قبول کرنے کا عرض کیا۔ مَا فَعَلُوْهُ (تو جو کچھ ان پر فرض کیا جائے گا وہ عمل میں نہیں لائیں گے۔

سوال یہ ضمیرہ ما فعلوہ میں کس طرف لوٹتی ہے؟

جواب مکتوب کی طرف جو کتبنا علیہم سے مفہوم ہوتا ہے۔

اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ (مگر ان میں چند ایک عمل کریں گے جو ان میں مخلصین ہیں) وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ (اور وہ اس پر عمل کرتے جس کا وہ حکم دیئے جاتے ہیں (یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع د

اطاعت اور اُن کے جھنڈے مبارک تلے جمع ہونے اور اُن کی رائے گرامی کو ترجیح دے کر اس کے کاربند ہوتے ہیں جس طرح وہ بھی حکم فرمائیں ظاہرًا اور باطنًا ہر طرح سے اُن کی نیازمندی و غلامی اختیار کریں۔

سوال اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو مواعظ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟
اس لئے کہ اوامر و نواہی وعدہ وعید اور ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہوتے ہیں۔

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (تو ان کے لئے بہتر تھا) (وہ انہی مواعظ پر عمل کرتے) کیونکہ اُن کی عاقبت اور دارین میں انجام بخیر اسی میں تھا۔ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۙ (اور ان کے ایمان کی زیادہ ثابت قدمی اور ایمان کے اضطراب کا بچاؤ انہی مواعظ پر عمل کرنے سے نصیب ہوتا) وَّإِذًا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ اگر منافقین اللہ تعالیٰ کے مواعظ پر عمل کر لیتے تو انہیں کیا فائدہ ہوتا تو اُس کے جواب میں فرمایا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا ہم انہیں اپنی طرف سے عنایت فرماتے أَجْرًا عَظِيمًا (بہت بڑا اجر یعنی انہیں آخرت میں اتنا کثرت سے ثواب نصیب ہوتا کہ جس کے انقطاع کا وہم و گمان تک نہ ہوتا) وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا (اور ہم انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے کہ اس پر چل کر عالم قدس میں پہنچ جاتے اور ساتھ ہی اُن کے لئے عالم غیب کے دروازے کھل جاتے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اپنے پڑھے پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے وہ علم (لدنی) عطا فرماتا ہے جس کا اُسے پہلے علم نہیں تھا۔

تفسیر صوفیانہ قتل نفس سے اس کی خواہشات کو مٹانا مُراد ہے جو کہ یہی خواہشات اس نفس کی زندگی اور اُس کے صفات مذمومہ کی باقی رکھنے کا سبب ہیں اور خروج دیار سے اُن مقامات سے نکلنے کا نام ہے جن مقامات میں قلوب کا لیپ اور انہی سے ان کا لگاؤ ہے جیسے صبر و توکل و رضا و تسلیم وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے کہ یہی امور توحید اور فنا فی الذات کے لئے حاجب ہیں۔

حکایت حضرت منصور مرحوم جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرت منصور نے پوچھا کہ آج کل آپ کا کیا حال ہے تو حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا کہ میں ایسے جنگلوں اور ویرانوں میں رہتا ہوں نہ وہاں پانی ہے نہ درخت اور نہ زمین اور نہ بارش۔ میرا حال توکل سے گذر رہا ہے۔ حضرت منصور نے فرمایا۔ اگر تمہاری زندگی ایسے ہی باطن کی تعمیر میں ختم ہو گئی تو پھر تجھے فنا فی التوحید کے مراتب سے کچھ نصیب نہ ہوگا۔

① جان عارف دوست را طالب شدہ
نورِ حق با ہستیش غائب شدہ

② پرتو ذات از حجاب کبریا
کردہ اورا غرقہ بحرِ فنا

ترجمہ (۱) عارف کی جان ہی محبوب کی طالب ہوتی ہے اس کی ہستی پر نورِ حق کا غلبہ ہوتا ہے۔
(۲) حجاب کبریا سے ذات کا پرتو اسے بحرِ فنا کے لئے مغرور کیا ہوا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں کوہِ لبنان میں گیا تو ایک نوجوان کو دیکھا جو کھڑا کہہ رہا ہے اے وہ ذات جس کی طرف میں شوقمند اور اس کا بدل وجان عاشق ہوں اور میرا نفس اس کا نوکر اور غلام ہے اور میں از سرتا پا تیرے ارادہ و مشیت میں کلی طور فنا ہوں اس عذر سے تیرے سوا مجھے کون نجات دے سکتا ہے۔ میں نے اس نوجوان سے پوچھا کہ اے عزیز بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی کوئی علامت بھی ہے اس نے کہا ہاں وہ اس طرح کہ بندے کو اس کے دیدار کی خواہش زوروں پر ہو پھر میں نے سوال کیا کہ اس کے مشتاق کی کیا نشانی ہے اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے مشتاق کا یہ نشان ہے کہ اسے شب و روز نہ سکون ہو نہ قرار۔ وہ ہر وقت اپنے رب کے شوق میں رہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ فانی فی اللہ کسے کہتے ہیں اس نے کہا کہ فانی فی اللہ وہ ہوتا ہے جسے اپنے اور پرائے کا امتیاز تک نہ ہو اور نہ ہی اسے کڑوے اور میٹھے کا پتہ ہو۔ صرف اس لئے کہ وہ اپنے جسم و نفس اور رسم کی قید سے چھوٹ چکا ہوتا ہے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ نوکر اور غلام کی کیا علامت ہے اس نے جواب دیا کہ ثواب سے اس کا قلب اور اس کے جملہ اعضا کو طمع ختم ہو جائیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن
که دوست خود روشِ بنده پروری داند

ترجمہ: گداگروں کی طرح عبادت مزدوری طور نہ کرو کیونکہ مالک بندہ پروری کے طریقے خوب جانتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اس گندے بندے کی طرح نہ ہو کہ وہ صرف ڈر کے مارے کام کرتا ہو اور نہ ہی برے مزدور کی طرح جسے کچھ نہ ملے تو کام سے ہاتھ اٹھالے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ وظائف و اوراد پر التزام کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انوارِ ملکوت اضعافاً طاعات میں ودیعت رکھے ہیں۔ پس جس سے کوئی اطاعت رہ گئی یا نفس کی شرارتوں سے کوئی بات اپنے اندر پائی تو وہ اس نور سے محروم ہوگیا۔ بہرحال وصالِ الٰہی اور فنا و بقا کا حصول سوائے عبودیت اور ترکِ ماسوا اللہ کے محال ہے۔

(۱) بشب حلاج را دیدند در خواب ؎
بریده سر بکف بر جام جلاب
(۲) بدو گفتند چونی سر بریده
بگو تا چیست این جام گزیده

③ چنیں گفت کہ سلطان بحو نام
بدست سر بریدہ میدہد جام
④ کسے ایں معنٰے میکند نوش
کہ کرد اوّل سر خود را فراموش

ترجمہ: ① حلاج کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ سر کٹا ہوا تھا اور ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا۔
② لوگوں نے اس سے پوچھا یہ کیا کہ سر کٹا ہوا ہے اور ہاتھ میں پیالہ ہے اس کا راز بتایئے۔
③ جواب دیا کہ بادشاہ حقیقی کا طریقہ ہے کہ سر کاٹ کر شراب کا پیالہ ہاتھ میں دیتا ہے۔
④ اس شراب کو وہی پیتا ہے جو پہلے اپنے آپ کو فراموش کر دے۔

نکتہ گرم اور سرد چکھے بغیر مقاصد کا حصول پھیکا پھیکا ہوتا ہے۔

سبق اے سالکِ راہ ہدیٰ اگر وعظ و نصیحت پہ تو عمل نہیں کر سکا اور نہ ہی تجھے خشیت الٰہی کی دولت نصیب ہوئی تو تمہیں یقین ہونا چاہیئے کہ تجھ سے بہت بڑا فائدہ ہاتھ سے نکل گیا بلکہ یوں سمجھئے کہ تو نے اپنے منافع خود گنوائے۔ اب تیرے لئے صرف ایک چارہ کار باقی ہے تو اپنے تمام گناہوں سے معافی مانگ۔ اور تمام برائیوں سے منہ موڑ کر اپنے مالک کی طرف رجوع کرکے اس کی طاعات و عبادات میں لگ جا یہاں تک کہ فنا عن الذات تک پہنچ جائے بشرطیکہ اس منزل کو طے کرتے وقت مُرشد کامل کی رہبری ہو اور وہ کامل بھی ایسا کہ تفرید و تجرید کی منزلیں طے کر چکا ہو تو پھر تمہارے لئے لازم ہے کہ تم ان کے جمیع احکام کو مانو اور اُن کی تمام نصیحتوں پر عمل کرو۔ بلکہ اپنے نفس کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ دے کر راہِ حق پر برگامزن ہو جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے)

فائدہ اطاعت سے جمیع اوامر و نواہی کے ساتھ مکمل فرمانبرداری اور پوری تابعداری مراد ہے۔

شانِ نزول حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے) ایک روز حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو غم سے آپ کا چہرہ متغیر تھا اور جسم کمزور پڑ چکا تھا۔ حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے پوچھا میاں ثوبان طبیعت ناساز کیوں ہے۔ عرض کی حضور! نہ تو مجھے کوئی جسمانی تکلیف ہے نہ کوئی اور غم۔ صرف اس فکر میں ہوں کہ اب دنیا جب بھی آپ سے محروم ہوتا ہوں اور آپ کی زیارت کا خیال گذرتا ہے تو فوراً حاضر ہو کر آپ کے دیدار سے مشرف ہو کر تمام غم و الم دور کر لیتا ہوں لیکن جب آخرت کو یاد کرتا ہوں تو جان لبوں پر آجاتی ہے اس لئے کہ نامعلوم آپ کی زیارت سے وہاں باریاب ہوں گا یا نہ۔ اس لئے کہ اگر مجھے بہشت میں جانا نصیب ہوا تو بھی آپ کہاں اور میں کہاں۔ آپ تو حضرات

انبیا علیہم السلام کے ہم مرتبہ بہشت کے بہت بلند مراتب پہ فائز ہوں گے۔ اگر خدانخواستہ میرا ٹھکانہ جہنم ہوا تو دائمی مفارقت کا داغ ہوگا۔ حضرت ثوبان کی تسلی کے لئے آیت ہذا نازل ہوئی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اسے اس کی جان اور اُس کے ماں باپ اور اس کے اہل اور آل و اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

فَاُولٰٓئِكَ (پس وہ) (اطاعت گذار) مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی اپنی نعمت کی تکمیل فرمائی ہے اسمیں اہل ایمان کو طاعات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ طاعت کا صلہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی رفاقت کا وعدہ ہے اور ساتھ ہی انہیں بہت بلند و بالا مراتب سے نوازا جائے گا مِّنَ النَّبِيّٖنَ منعم علیہم کو بیان کیا جارہا ہے یعنی وہ حضرات جو کمال علم و عمل سے سرشار ہیں بلکہ درجات کمال کے آگے نکل کر مراتب تکمیل تک پہنچے ہیں پہلے اُن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ وَالصِّدِّيْقِيْنَ اور بہت بڑے بزرگ جن کے افعال و اقوال میں صدق و اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جو حجج و دلائل میں بھی یکتا ہیں اور تصفیہ و تزکیہ اور ریاضات سے بھی عرفان کی انتہائی منزل تک انہیں رسائی ہے کہ اس عرفان کی بدولت انہیں اشیاء کے حقائق کا علم ہے جو انہیں ذاتِ حق سے عطا ہوا ہے۔ وَالشُّهَدَآءِ اور وہ شہید جنہیں جبلی حرص نے طاعات اور اظہار حق کے لئے ایسا اُبھارا ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جان دینے تک گریز نہ کیا۔ وَالصّٰلِحِيْنَ اور وہ نیک بخت حضرات جن کی زندگی اطاعت الٰہی میں صرف ہوئی اور جن کے مال اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ ہوئے۔

فائدہ معیت میں درجات میں تساوی مراد نہیں اس لئے کہاں وہ اور کہاں اطاعت گذار بندہ۔ اگر ایسا ہو تو پھر فاضل مفضول کا فرق کہاں رہا۔ حالانکہ اُن کے مابین فرق ضروری ہے۔ اور نہ ہی یہ مراد ہے کہ بہشت کے دخلہ میں انہیں اشتراک ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسے مقامات پر ہوں گے کہ وہ جب چاہیں گے تو ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ اگرچہ ان کے مابین کتنا بہت بڑا بُعد کیوں نہ ہو۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًاؕ (اور وہ لوگ اچھے رفیق ہیں)۔ یہ تعجب کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے گویا عبارت یوں ہوگی وَمَا اَحْسَنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًاؕ اُولئک کا اشارہ النبیین والصدیقین الخ کی طرف ہے اور لفظ رفیقًا تمیز ہے۔

سوال رفیقا واحد ہے اور اس کا ممیز النبیین والصدیقین جمع کے صیغے۔ تمیز اور ممیز میں مطابقت ضروری ہوتی ہے اور یہاں مطابقت کے متعلق کیا جواب ہے؟

جواب رفیق، صدیق اور خلیط اور رسول کی طرح ہے کہ یہ الفاظ اگرچہ صیغہ واحد ہیں لیکن معنےٰ واحد و جمع ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔

فائدہ الرفیق بمعنےٰ الصاحب رفق سے مشتق ہے بمعنےٰ نرم جانب اور قولاً و فعلاً معاشرہ میں نرمی برتنا۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ یہ مبتدا ہے اور یہ الفضل اس کی صفت ہے اور یہ اشارہ اس بہت بڑے اجر کی طرف ہے جو مطیعین کو نصیب ہوگا اور فضل سے اُن کا وہ عطیہ مُراد ہے جو انہیں ہدایت کے ذریعے اور منعم علیہم کی رفاقت کے طفیل نصیب ہوگا۔ مِنَ اللّٰهِ یہ مبتدا کی خبر ہے یعنی فضل مذکور صرف اللہ تعالیٰ سے ہوگا نہ کہ اُس کے غیر سے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے اُس کی جزا اور فضل اور اُس کے اہل کے استحقاق کو خوب جانتا ہے۔

مسئلہ یہ آیت ہر عمل کے لئے ہے اس لئے کہ خصوصی سبب حکم کے عموم کو مانع نہیں جو بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت کرے گا وہ ان درجات و مراتب عُلیا سے مشرف ہوگا۔

حکایت بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آگئی۔ دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہوگئی اور لوگوں کا حساب و کتاب شروع ہوگیا۔ اُس کے بعد بعض کو بہشت میں لے جارہے ہیں اور بعض کو دوزخ میں۔ میں نے بہشت کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ تمہیں بہشت کس عمل سے نصیب ہوئی انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی بدولت ہمیں بہشت عطا ہوئی اُس کے بعد میں نے دوزخ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا کہ اے دوزخیو! تمہارا جانا کس وجہ سے ہوا ؎

① کجا سر بر آریم زیں عار و ننگ
کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ

② نظر دوست تا در کند سوئے تو
چو در رُوئے دشمن بود روئے تو

ترجمہ: ① عار و ننگ سے کیسے سر اٹھائیں کہ شیطان سے ہماری دوستی رہی اور حق تعالیٰ سے جنگ۔
② دوست کی نگاہ تیری طرف کیسے جب تیرا مُنہ اس کے دشمن کی طرف ہو۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت کے تمام لوگ بہشت میں جائیں گے صرف وہ بہشت سے محروم ہوگا جس نے انکار کیا۔ عرض کی گئی وہ کون ہیں فرمایا جو میری اطاعت کرتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرتا ہے وہ سمجھو انکار کرتا ہے اور وہی بہشت میں نہیں جاسکے گا۔

سبق سالک پر ضروری ہے کہ وہ انبیاؑ و اولیاؒ کی اتباع کرے۔ اس لئے انبیاؑ وحی ربانی اور اولیا الہام حقانی سے نوازے جاتے ہیں۔ اولیاء کرام کی اتباع درحقیقت انبیاؑ علیہم السلام کی اتباع ہے۔

قاعدہ ہر شخص قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبّت ہوگی۔ اگر اُسے انبیاؑ وصدیقین اور شہداؑ وصالحین سے محبت ہوگی تو وہ بہشت میں انہیں کے ساتھ ہوگا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ مرتبہ صلاح سے دُور نہ ہٹے بلکہ لحظہ لحظہ اس کی تکمیل صلاح میں کوشش کرے اس میں ترقی کرتا ہوا شہادت سے صدیقیت تک پہنچے۔ نبوت وصدیقیت کے مابین اور کسی مرتبہ کا واسطہ نہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت سے نوازے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بندہ ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے بلکہ اس میں کوشاں ہوتا ہے کہ صرف سچ بولے تو اللہ تعالیٰ اسے صدیقین کے زُمرہ میں لکھ دیتا ہے اسی طرح جو بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ صرف جھوٹ بولے تو اُسے اللہ تعالیٰ کذابوں میں لکھ دیتا ہے۔

مسئلہ سچ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بولنے والے کی بات ظاہرًا و باطنًا برابر ہو۔

صادق وصدیق میں فرق صادق وہ ہے جس کے صرف اقوال میں صدق ہو۔ اور صدیق وہ ہے کہ جس کے جمیع واقوال واحوال میں سچ ہی سچ ہو۔

فائدہ حضرت جعفر خواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صادق وہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے بلکہ نوافل میں بھی کم ہمت نہ ہو اور سچ بولنے کے بہت فوائد ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حکایت حضرت ابوعمر زجاجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری والدہ کا انتقال ہوا تو مجھے اُس کی وراثت سے ایک دار ملی میں اسے پچاس دینار میں بیچ کر حج کو روانہ ہوگیا۔ جب میں بابل (مقام) پر پہنچا تو مجھے وہاں ایک قافلہ ملا اور مجھ سے پوچھا کہ تیرے پاس کیا ہے۔ میں نے کہا میرے پاس خیر ہی ہے یعنی پچاس دینار۔ قافلہ کے سردار نے کہا کہ مجھے دیجئے۔ میں نے تھیلی اُسے پکڑا دی۔ اُس نے تھیلی کھولی تو واقعی پچاس دینار تھے۔ اُس نے مجھے واپس کر دیئے اور کہا کہ تیری سچائی میرے دل پر اثر کر گئی ہے۔ اس لئے اب میں تیرا غلام بے دام ہوں۔ وہ سواری سے اُتر پڑا اور مجھے اُس نے سوار کرنا چاہا۔ میں نے جتنا انکار کیا اس نے نہایت عجز والحاح سے مجھے اپنی سواری پر سوار کر کے میرے آگے پیدل چل پڑا اور تہیہ کیا کہ آئندہ زندگی میرے ہاں بطور خادم بسر کرے۔ چنانچہ حج کی فراغت کے بعد میرے ہاں حاضر ہوگیا۔ لیکن افسوس کہ اسے زندگی نے وفا نہ کی کہ اسی سال فوت ہوگیا۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفت
کہ از دوع سیہ روی گشت صبح نخست

باقی ص۱۴۱ پر

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ خُذُوا۟ حِذْرَكُمْ فَٱنفِرُوا۟ ثُبَاتٍ أَوِ ٱنفِرُوا۟ جَمِيعًا ۝
وَإِنَّ مِنكُمْ لَمَن لَّيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ
ٱللَّهُ عَلَىَّ إِذْ لَمْ أَكُن مَّعَهُمْ شَهِيدًا ۝ وَلَئِنْ أَصَٰبَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ
ٱللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُۥ مَوَدَّةٌ يَٰلَيْتَنِى كُنتُ مَعَهُمْ
فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ فَلْيُقَٰتِلْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يَشْرُونَ ٱلْحَيَوٰةَ
ٱلدُّنْيَا بِٱلْءَاخِرَةِ وَمَن يُقَٰتِلْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ
نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَٰنِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ
ٱلْقَرْيَةِ ٱلظَّالِمِ أَهْلُهَا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَٱجْعَل لَّنَا مِن
لَّدُنكَ نَصِيرًا ۝ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟
يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱلطَّٰغُوتِ فَقَٰتِلُوٓا۟ أَوْلِيَآءَ ٱلشَّيْطَٰنِ إِنَّ كَيْدَ ٱلشَّيْطَٰنِ
كَانَ ضَعِيفًا ۝ ع

ترجمہ: اے ایمان والو ہوشیاری سے کام لو پھر دشمن کی طرف تھوڑے تھوڑے ہوکر نکلو یا اکٹھے چلو اور تم
میں کوئی وہ ہے کہ ضرور دیر لگائے پھر اگر تم پر کوئی افتاد پڑے تو کہے خدا کا مجھ پر احسان تھا کہ میں ان کے ساتھ
حاضر نہ تھا اور اگر تمہیں اللہ کا فضل ملے تو ضرور کہے گویا تم میں اس میں کوئی دوستی نہ تھی (یہ بات) اے کاش میں
ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا تو انہیں اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیئے جو دنیا کی زندگی بیچ کر آخرت لیتے ہیں اور جو
اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب آئے تو عنقریب ہم اسے بڑا ثواب دیں گے اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو
اللہ کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں
اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار
دے ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو شیطان کے دوستوں سے لڑو
بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے ۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ (اے ایمان والو! بیدار رہو اور دشمنوں سے بچو اور انہیں ایسا موقعہ نہ دو کہ وہ تم پر غالب ہو جائیں)۔ خذوا حذرکم۔ اخذ حذر مسے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بیدار ہو اور خوف دلانے والی شئے سے بچ کر رہے گویا اس نے اپنے خوف کو دشمن سے بچنے کے لئے اپنے نفس کا ہتھیار بنایا اور اسی سے اپنی روح کو محفوظ کر لیا فَانْفِرُوْا (پس دشمن سے جہاد کی طرف نکلو)۔ ثُبَاتٍ (متفرقہ جماعتیں بنا کر) کہ ایک سریہ (چھوٹی جماعت) پہلے روانہ ہو۔ اس کے بعد دوسرا اور وہ بھی مختلف جہات کو۔

فائدہ سریہ اس مختصر جنگی جماعت کو کہا جاتا جن کے ساتھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف نہ لے جاتے۔

فائدہ ثبات ثبۃ کی جمع ہے مردوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جو دس سے کچھ اوپر گنتی کے چند افراد ہوں اور اس کا محل نصب الحالیۃ ہے۔

اَوِانْفِرُوْا (یا جماعتیں بنا کر) دشمن سے لڑنے کے لئے جاؤ یعنی بہت بڑی جماعت تیار کر کے۔ لیکن بزدلی کا مظاہرہ نہ کرو تاکہ دشمنوں کے مقابلہ سے پسپا ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں نہ جا پڑو۔ یہ اس وقت ہے جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ جَمِیْعًا (اکٹھے)۔ وَاِنَّ مِنْكُمْ یہ خطاب حضور علیہ السلام کے لشکر کو ہے مؤمنین بھی اور منافقین بھی اور البتہ بعض تم میں لَمَنْ (اللہ تعالیٰ کی قسم وہ ہیں) لَیُبَطِّئَنَّ (جو تاخیر کریں گے) یعنی جنگ سے پیچھے ہٹیں گے۔ جنگ سے گریز کرتے ہوئے پیچھے پیچھے رہیں گے۔ یہ بطأ سے مشتق ہے بمعنیٰ لازم یا یہ معنیٰ ہے کہ جنگ سے دوسروں کو روکیں گے اور انہیں جہاد سے کنی کترانے کی تلقین کریں گے یہی عبداللہ بن ابی (منافق) کی عادت تھی کہ اس نے غزوۂ احد میں لوگوں کے ساتھ یہی طریقہ رکھا۔ لیکن ان دونوں معنوں سے پہلا زیادہ موزوں ہے یعنی پیچھے پیچھے رہیں گے کا معنیٰ موزوں تر ہے جیسے کہ آنے والا مضمون بتاتا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حکایۃً بیان فرمایا ہے یعنی یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ (کاش میں بھی اُن کے ساتھ ہوتا)۔ بہر حال لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ سے منافقین کا لشکر مراد ہے کیونکہ منافقت کر کے صرف وہی جہاد پہ جاتے۔ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ پس اگر تمہیں

(بقیہ ص۱۳۹ سے)

یعنی صبح سے پہلے صبح کاذب ہوتی ہے اور صبح کاذب کی علامت یہی ہے کہ اس کے اندھیری چھا جاتی ہے اور صبح صادق کی علامت یہ ہے کہ اس پہ نور ہی نور ہوتا ہے۔ اسی طرح جو سچ بولتا ہے اس سے نور ہی نور ظاہر ہوتا ہے۔

کوئی دکھ اور تکلیف دشمنوں سے پہنچے قتل یا شکست مثلاً قَالَ تو خوشی کے مارے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا جنگ سے پیچھے پیچھے رہنے والا کہے گا۔ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ بے شک میرے اُوپر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگیا بوجہ جنگ پر نہ جانے کے یا پیچھے پیچھے رہنے کے۔ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَعَھُمْ شَہِیْدًا جب جنگ میں حاضر نہ تھا ورنہ مجھے بھی اُن کی طرح کچھ کچھ ضرر پہنچتا یا مارا جاتا یا زخمی ہوتا۔ وَلَئِنْ اَصَابَکُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰہِ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا فضل نصیب ہو۔ مثلاً فتح و نصرت اور غنیمت سے نوازے گئے تو لَیَقُوْلَنَّ جنگ پہ نہ جانے اور گھر بیٹھنے پر ندامت کرتے ہوئے بوجہ دنیوی منفعت سے محرومی اور اُس سے حصّہ نہ پائے پر حسرت کرکے کہے گا کَاَنْ لَّمْ تَکُنْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہٗ مَوَدَّۃٌ گویا تمہارے اور اُن کے مابین کوئی تعلق اور واسطہ محبّت اور دوستی (وغیرہ) نہیں تھی۔ یہ جملہ معترضہ ہے یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ کاش میں بھی اُن کے ساتھ ہوتا فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا تو میں بہت بڑی کامیابی حاصل کرلیتا یعنی منافق کہیں گے کہ ہم بھی غنیمت کا بہت سا سامان حاصل کر لیتے۔

سوال لَیَقُوْلَنَّ اور اس کے مفعول کے مابین جملہ معترضہ کیوں لایا گیا ہے؟

جواب تاکہ مطلع کلام سے کسی کو وہم نہ ہو کہ منافقین کی تمنا مومنین کی رفاقت کے لئے اس لئے تھی کہ وہ اُن کی مدد کرتے یا اُن کی کامیابی کا سبب بنتے جیسا کہ لفظ مودّت کے ظاہری معنیٰ کا تقاضا ہے۔ جملہ معترضہ لاکر مذکورہ معنے سے ہٹ کر یہ معنیٰ متعین کرنا مطلوب ہے کہ منافقین کی مومنین کی رفاقت کے لئے تمنا اس لئے تھی کہ انہیں مال کے حصول کا حرص تھا جیسا کہ آنے والا کلام دلالت کرتا ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں مُوَدَّت اپنے حقیقی معنیٰ پر نہیں بلکہ مجازاً بطریق تہکم ہے۔

فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ (پس چاہیئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لوگ جنگ لڑیں جو دنیا کی زندگی دے کر آخرت خریدتے ہیں)۔ اس سے مومنین مراد ہیں فَلْیُقَاتِلْ میں فا جزائیہ ہے اس کی شرط مقدر (محذوف) ہے دراصل عبارت یوں تھی اِنْ بطاٴ ھٰؤلاءِ عَنِ الْقِتَال الخ یعنی اگر یہ لوگ جنگ سے پیچھے پیچھے رہتے تو چاہیئے لڑیں۔ وہ حضرات جو خالص مومن اور آخرت کی طلب میں جان دینے والے ہیں۔ یعنی وہ جو آخرت کی طلب پر دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔

فائدہ یہ فا تعقیب کی ہے یعنی ان لوگوں کو اپنے حال پر (مثلاً جنگ پہ نہ جانا یا پیچھے رہنا اور منافقت کرنا وغیرہ وغیرہ) رہنے دو۔

وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ اور وہ

جو اللہ تعالیٰ کے راہ میں لڑتے ہیں وہ شہید ہوں یا غالب ہم انہیں بہت بڑے اجر و ثواب سے نوازیں گے نہ اس کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کا علم ہے وہ مغلوب ہو جائیں یا غالب۔

فائدہ یہ جملہ اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب کے لئے فرمایا نیز منافقین کی اس قول کی تردید بھی ہے کہ انہوں نے کہا قد اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَھُمْ شَھِیْدًا۔

سوال "فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ" دو جملے کہنے کا کیا فائدہ؟

جواب تاکہ مؤمن کو تنبیہ ہو جائے کہ مجاہد کو جنگ میں ثابت قدم رہنا ضروری ہے اور اس کا مطمح نظر صرف شہادت ہو۔ اگر زندہ بچ جائے تو بھی اُسے فتحمندی اور غلبہ کا وافر ثواب نصیب ہو۔ اس کے سوا اُس کا کوئی مقصد نہ ہو اور نہ ہی اسے دل میں لائے۔ یعنی دنیوی طمع اور لالچ کا خیال تک بھی نہ ہو۔ بلکہ اُسے یہ تصور ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور دین کا چرچہ۔

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو شخص جہاد کے لئے صرف اس نیت سے نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند اور اس کے دین کا اعزاز ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے بہشت لازمی قرار دیتا ہے اگر وہ زندہ بچ کر واپس لوٹا تو اسے مالِ غنیمت کے علاوہ بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

حدیث شریف ۲ حضور سرورِ دین و دنیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین سے اموال و نفوس اور زبانوں سے لڑو۔

فائدہ زبانوں سے لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے حق میں رسوائی و ذلت اور شکست کی اور اہل اسلام کے لئے فتح و نصرت اور کامیابی کی دعا کرو اور جو جنگ کرنے کی طاقت رکھتے یا جنگی ضروریات پورا کر سکتے ہیں انہیں جہاد کے فضائل اور اجر و ثواب بتا کر انہیں جنگ و جدال پر اُبھارو۔

حدیث شریف ۳ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو غازی جنگی سامان کی مدد کرتا ہے سمجھو کہ اُس نے بھی جہاد میں حصّہ لیا اور جو غازی کے گھر کی نگرانی کرتا ہے تو وہ بھی جہاد کا ثواب پائے گا۔

فائدہ گھر کی نگرانی کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی گھریلو ضروریات پورے کرتا ہے۔

فائدہ جہاد کے فضائل ان گنت ہیں جنہیں ضبط کرنا مشکل ہے۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر مداومت کرے جس طریق سے بھی ہو۔

مسئلہ پہلی آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ الخ اگرچہ جہاد کے متعلق ہے لیکن حکم کے لحاظ سے عام ہے کہ ہر طرح کی نیکی میں مؤمن کو سبقت کرنی چاہیئے جس طرح بھی ممکن ہو کسی نیکی کو ہاتھ

سے نہ جانے دے ۔

مکن عمر ضائع بافسوس وحیف

کہ فرصت عزیزاست والوقت سیف

ترجمہ: زندگی حیف و افسوس میں ضائع نہ کر کیونکہ اس وقت تجھے گرانقدر فرصت حاصل ہے اور وقت تلوار کی طرح تیری زندگی کے لمحات تیزی سے کاٹ رہا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اعمال میں جلدی کر لو۔ اُن فتنوں سے پہلے جو سخت تاریک راتوں سے بھی سیاہ تر ہیں وہ ایسا نازک دور ہو گا کہ صبح کو انسان مومن ہوگا لیکن شام کو کافر۔ یا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر اس وقت دین کو دنیا کے لئے بیچ دینا معمولی کارنامہ ہوگا۔

حکایت حضرت زبیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم حجاج بن یوسف کے ظلم و تشدد کی شکایت لے کر حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ہمیں صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کل یوم ابتر کا دور دورہ ہوگا۔ اور ہر آنے والا زمانہ گزشتہ زمانہ سے سخت ہوگا ہاں تقویٰ اور پرہیزگاری سے کام لوگے تو بچ جاؤگے۔ میں نے ایسے ہی حضور نبی پاک سے سُنا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

روزے اگر غمی رسدت تنگ دل مباش

رو شکر کن مبادکہ از بد بتر شود

ترجمہ: اگر کبھی تجھے کوئی غم پہنچے تو اس سے ملال نہ کر بلکہ شکر کر کیونکہ خدا نہ کرے تیرے لئے آنے والا وقت بُرے سے زیادہ بُرا ہو۔

تفسیر صوفیانہ نفس و شیطان کے جہاد کے آلات اور ہتھیار ذکر الٰہی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان خواہشات سے نفس کی قید سے چھوٹ جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" وہ قوم جو ذکر الٰہی میں بیٹھے تو اُن کے ارد گرد ملائکہ کرام جمع ہو جاتے ہیں اور انہیں رحمت الٰہی میں ڈھانپ لیتے ہیں اور اُن پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ بھی انہیں یاد فرماتا ہے۔

حدیث شریف حضرت ابو واقد الحارث بن عوف اللیثی رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ہاں لوگوں کا ہجوم تھا اچانک تین آدمی حاضر ہوئے دو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ایک مل کر حضور علیہ السلام

کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ ان دونوں میں ایک مجلس کے اندر جگہ پاکر لوگوں کو پھلانگتا ہوا صف کے اندر بچی ہوئی جگہ میں بیٹھ گیا اور دوسرا وہیں مجلس کے باہر بیٹھ گیا تیسرا وہاں سے کھڑے کھڑے باہر چلا گیا جب حضور علیہ السلام مجلس کو ضروری ہدایات دینے سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہیں ان تینوں کے متعلق تفصیل سناؤں انمیں جو صف کے اندر بیٹھا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاں جگہ دی دوسرا جو صف کے آخر میں بیٹھا۔ اُس نے حیا کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُس سے حیا کیا ہے اور جو مجلس سے چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اُس سے روگردانی فرمائی ہے ؎

(۱) بذکرش ہر چہ بینی درخروش است
ولے داند دریں معنے کہ گوش است

(۲) نہ بُلبُل بر گلش تسبیح خوانیست
کہ ہر خارے بتوحیدش زبانیست

(۱) جسے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں فریاد کنندہ سنو لیکن یہ وہ سمجھتا ہے جسے حقیقت کے کان حاصل ہیں۔
(۲) یوں نہ سمجھو کہ صرف بُلبُل باغ میں تسبیح پڑھتی ہے بلکہ باغ کا تنکا تنکا ذکر حق میں مشغول ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا لَكُمْ اے مومنو! تمہیں کونسا معاملہ حائل ہے کہ تمہارا یہ حال ہے کہ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے یعنی تم جنگ کے تارک ہوگئے۔ جبکہ تمہیں کوئی عذر بھی نہیں) یہ استفہام توبیخی ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ کسی سے کسی قسم کی کوتاہی سرزد ہو۔ اور آنے والی غلطی پر نہیں بلکہ غلطی واقع ہو جاتی ہے تو پھر متنبہ کیا جاتا ہے وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ اور (کمزور مسلمانوں کے چھڑانے کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے) اس کا عطف سبیل اللہ پر ہے اس کا مضاف محذوف ہے در اصل فی سبیل المستضعفین تھا اس کا عطف لفظ اللہ پر نہیں اگرچہ لفظاً وہی قریب تر ہے اس لئے کہ کمزور لوگوں کی نجات اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے نہ کہ کمزوروں کا۔ اب عبارت یوں ہوگی "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فِيْ خَلَاصِ الَّذِيْنَ الخ یعنی ان لوگوں کو چھڑانے میں جہاد کریں کہ جنہیں کفار مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت نہیں کرنے دیتے تھے۔ اس بنا پر وہ کفار کے ہاں نہایت ذلیل اور کمزور تھے اور کفار انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔

سوال اس بارہ میں صرف کمزور مسلمان کی تخصیص کیوں حالانکہ ہر کار خیر فی سبیل اللہ کا حکم رکھتا ہے۔

جواب اس لئے کہ اس وقت ان حضرات کو کفار مکہ سے چھڑانا ہی افضل عبادت تھی اس لئے انہی کو خصوصی طور ذکر کیا گیا ہے۔

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ یہ مستضعفین کا بیان ہے یعنی کمزوروں میں سے مرد اور عورتیں

وریجے سبب ہیں اور ولدان ولد کی جمع ہے ۔

سوال بچوں کے ذکر میں کیا حکمت ہے؟

جواب ۱ یہ بتانا ہے کہ کفار کی درندگی اور بہیمیت حد سے متجاوز ہو چکی ہے کہ وہ نابالغ بچوں کے ظلم و ستم میں بے باک ہیں اس لئے کہ اُن کا خیال تھا کہ اہل اسلام بچوں کی تکالیف کو دیکھ کر اسلام سے منحرف ہو جائیں گے حالانکہ وہ بیچارے غیر مکلف تھے لیکن کفار کے بغض و عداوت کا کیا کہنا کہ وہ ان بے چاروں کے ناحق خون سے ہاتھ رنگنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے ۔

جواب ۲ دوسری وجہ یہ تھی کہ اہل اسلام اپنے بچوں کو اپنی دعاؤں میں شامل کر لیتے تاکہ وہ کریم اُن معصوموں کے ننھے ننھے ہاتھوں کے اٹھانے پر رحمت فرما کر انہیں کفار کے شدائد سے نجات عطا فرمائے ۔ جیسے یونس علیہ السلام کی قوم نے رحمتِ حق طلب کرتے وقت ننھے ننھے بچوں کو ساتھ ملا لیا تھا اور ہمیں بھی حکم ہے کہ استسقاء (بارانِ رحمت کی طلب) کے وقت چھوٹے چھوٹے بچوں کو دعاؤں میں شامل کریں ۔

مسئلہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب اہلِ اسلام کفار کی قید میں ہوں انہیں چھڑوانا واجب ہے ہم اپنی مقدور کو اُن کے چھڑانے میں صرف کریں جنگ کر کے یا مال دے کر ۔

اَلَّذِیْنَ یہ مستضعفین کی صفت ہے **یَقُوْلُوْنَ** یعنی وہ مستضعفین عرض کرتے ہیں جب ان غریبوں کا سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے اور کوئی سہارا نہ تھا تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر کہتے **رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا** اے اللہ ہمیں اس گاؤں یعنی مکہ سے باہر لے جا جس کے ساکنین ظالم یعنی مشرک ہیں اس لئے کہ سب سے بڑا ظلم شرک ہے اور پھر اہل اسلام کو تکالیف و شدائد میں ڈالنے سے بڑھ کر اور کونسا بڑا ظلم ہوگا ۔

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی ہمارا حامی کار بنا جو ہمارے دشمنوں پر ہمیں کامیاب بنائے ۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ دعا قبول فرمائی کہ ان کے بعض کے لئے فتح مکہ سے پہلے مدینہ طیبہ جانے کا سبب پیدا فرمایا اور باقیماندہ لوگوں کے لئے بھی ایسے اسباب بن گئے کہ وہ فتح مکہ تک آرام و چین سے زندگی بسر کرتے رہے پھر جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے مکہ معظمہ پر فتح یابی ہوگئی پھر تو اُن حضرات کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہوگئیں کہ عتاب بن اسید کو مکہ میں اُن کا حاکم فرما دیا ۔ انہوں نے ہر درد بھرے کی فریاد رسی فرمائی اور اہل حق کی عزت کی ۔ یہاں تک کہ مکہ میں اُن جیسا اور کوئی معزز و مکرم نہیں ۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ لوگ جو لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اُن سے

مؤمن مراد ہیں یعنی وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے دین حق (جو موصل الی اللہ ہے) اور علائے کلمۃ اللہ کے لئے لڑتے ہیں پس وہی اُن کا حامی کار اور مددگار ہے ۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ اور وہ لوگ جو کافر ہیں طاغوت کے حق میں لڑتے ہیں جو انہیں شیطان کی طرف پہنچاتے ہیں پس وہ اُن کا سوائے شیطان کے اور کوئی مددگار نہیں۔ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ یہ سوال مقدر کا جواب ہے ۔سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے دوست میرے راہ میں لڑتے ہیں اور شیطان کے دوست طاغوت کے راستہ میں لڑتے ہیں تو گویا پھر پوچھا گیا کہ اب اہل ایمان کو کیا کرنا چاہیئے تو جواب فرمایا اے اللہ کے دوستو! شیطان کے یاروں کے ساتھ لڑو ۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے)

حل لغات حیلہ کر کے حالات خراب کرنے کو کید کہتے ہیں یعنی شیطان کی وہ کارروائی جو اہلِ اسلام کے ساتھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر سے جو کافروں سے کرتا ہے نہایت کمزور ہے اور بالکل ناکارہ۔ فلہذا اے مسلمانو! شیطان کے دوستوں سے مت ڈرو اس لئے کہ انہیں ایک ناکارہ اور نہایت ہی کمزور شعلے پر اعتماد ہے اس لئے عرب میں یہ مقولہ مشہور ہے الحق دولۃ و الباطل جولۃ۔یعنی

فائدہ ایسے مقامات پر کَانَ محض تاکید کے لئے آتا ہے ۔اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جب سے یہ معاملہ شروع ہوا وہ بدستور الآن کما کان ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب سے شیطان کی کاروائی ضعیف و کمزور طریق سے شروع ہوئی تا حال ویسے ہی ضعف و کمزوری میں ہے ۔

تفسیر صوفیانہ اور شان اولیاء کرام حضرت امام (رازی) رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شیطان کی کارروائی اس لئے کمزور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے دوستوں کی مدد فرماتا ہے اور شیطان اپنے یاروں کی ۔اور ظاہر ہے کہ شیطان کی مدد اللہ تعالیٰ مدد کے بالمقابل لاشئے ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں (اولیاء اللہ) کا ذکر خیر رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ اگرچہ انہوں نے دنیا میں فقر و فاقہ اور ذلت و مسکینی سے گذارا۔ بخلاف بادشاہوں اور ظالموں اور جابروں کے جب مرے کوئی نام لینے والا تک نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی دُنیا میں اُن کا کوئی نشان ہوتا ہے اور نہ ہی اُن کی کوئی یاد منائی جاتی ہے ۔

فائدہ جہنم کو شہوات کے ساتھ گھیرا گیا ہے اور ہر نفس پر ایک شیطان مسلط کیا گیا ہے جو اسے شہوات کی طرف راہبری کرتا ہے اور اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو نفس کو بھلائی کی جانب بلاتا ہے شیطان کا کام ہے کہ نفس کے سامنے شہوات کی زیبائش و آرائش لاکر دھوکہ دے اور فرشتہ اُن سے روک کر نیکی کا راستہ دکھاتا ہے انہیں جو بھی غالب ہو جاتا ہے نفس اُس کا غلام بے دام بن جاتا ہے اس لئے فرمایا اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔

نکتہ نفس کتے کی طرح ہے کہ اُس کا اگر مقابلہ کرو تو کپڑے پھاڑتا ہے اور چمڑہ چیر لیتا ہے اگر اس سے ہٹ کر رجوع الی اللہ کرو تو اللہ تعالیٰ اسے دفع فرماتا ہے اور شیطان کو بندوں کا دشمن اس لئے بنایا ہے تاکہ بندے اس سے ہٹ کر رجوع الی اللہ ہوں۔ اسی طرح نفس کو بھی اُن پر اس لئے سوار کیا ہے تاکہ اس سے نفرت کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر جب دونوں مل کر بندے پر حملہ کریں تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ سے زیادہ گڑگڑانا چاہیئے بلکہ ہر وقت عجز و نیاز سے اُس کے حضور میں اُن سے فریادی ہونا لازمی ہے۔

روحانی نسخے حضرت احمد بن سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کے چار دشمن ہیں۔

(۱) دنیا اس کا ہتھیار خلق خدا سے میل جول رکھنا ہے اس دشمن کو قید کرنا ہو تو خلقِ خدا سے روگردانی اختیار کرو۔

(۲) شیطان کا ہتھیار سیر ہو کر کھانا ہے۔ اُس دشمن کو قیدی کرنا ہو تو بھوکے رہو۔

(۳) نفس اس کا ہتھیار نیند ہے اس دُشمن کو قیدی بنانا ہو تو بیداری اختیار کرو۔

(۴) خواہشات اس کا ہتھیار کلام بسیار ہے اسے قیدی کرنا ہے تو خاموشی اختیار کرو۔

نکتہ حقیقی طور پر شیطان کا حیلہ نہایت ہی کمزور ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنے دوستوں کی مدد فرماتا ہے یعنی اس کی امداد کا ظہور شواغل دنیویہ سے بچاؤ تزکیۂ نفوس و تصفیۂ قلوب سے ہوتا رہتا ہے اور نُورِ توحید سے اُن کے اسرار یا باش رہتے ہیں اور شیطان ظلمانی ہے اسے لازماً جلوۂ نورانی سے بھاگنا پڑتا ہے۔

حکایت فاروق اعظم ایک روز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا آپ کے ہاں قریشی عورتیں بیٹھی ہیں اور آپ کے سامنے زور شور سے چلا کر بول رہی ہیں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ کو آتے ہی دیکھ کر بھاگ کر پردے میں چھپ گئیں۔ اُن کی کیفیت کو دیکھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسنے لگے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کیوں ہنسے۔ آپ نے فرمایا مجھے ان عورتوں سے تعجب ہوئی کہ میرے ہاں زور زور سے بول رہی تھیں لیکن جب تمہاری آمد سُنی تو بھاگ کر پردے میں چھپ گئیں۔ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہی اس شان کے لائق ہیں کہ وہ آپ سے ڈریں۔ اُس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے نفس کی دشمنو! تم خدا کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ڈرتی اور مجھ سے کیوں ڈرتی ہو۔ انہوں نے اندرون پردہ سے کہا کہ تم زیادہ سخت اور سخت گیر ہو۔ بعد ازاں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابن الخطاب رضی اللہ

تعالیٰ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جس کوچہ سے تمہارا گذر ہوتا ہے شیطان اسے چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لیتا ہے۔

حکایت حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا راہب عبادت میں معروف تھا شیطان کا ارادہ ہوا کہ اسے گمراہ کرے لیکن اسے گمراہ کرنے کے جتنے جتن کئے بالآخر ناکام رہا۔ شہوت و غضب کی تمام باتیں پیش کیں لیکن راہب نے ایک نہ سُنی۔ شیطان نے سوچا کہ اسے خوف کے ذریعے گمراہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ شیطان نے ایک بھاری پتھر پہاڑ سے اس کے اُوپر پھینکا۔ راہب نے ذکرِ الٰہی کی ضرب لگائی تو وہ پتھر اس سے ہٹ کر کہیں دُور جا کر گرا پھر شیطان نے سانپ کی شکل اختیار کی۔ راہب نماز پڑھ رہا تھا تو پاؤں کو لپٹتا ہوا اس کے تمام جسم کو چھوتا ہوا سر پر پہنچ گیا۔ جب وہ سر بسجود ہونے کے لئے جھکتا تھا تو شیطان جو اس وقت سانپ کی شکل میں تھا اس کے گلے کو لپیٹ جاتا لیکن راہب بلا خوف و خطر اُسے ہاتھ سے پکڑ کر گلا چھڑا کر سجدہ ریز ہو جاتا۔ جب راہب نماز سے فارغ ہوا تو سانپ اسے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کے بعد شیطان اپنی صورت میں راہب کے پاس حاضر ہوا۔ اور کہا کہ میں نے تیرے ساتھ ایسے ایسے وار کئے ہیں لیکن تم کسی طریق سے میرے قابو میں نہیں آسکے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ صُلح کر لوں بلکہ دوستی کا دم بھروں اور معاہدہ کروں کہ آئندہ میں تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ راہب نے کہا نہ مجھے تیری دوستی کی ضرورت ہے اور نہ ہی میں تجھ سے معاہدہ چاہتا ہوں شیطان نے کہا آپ کی مرضی۔ لیکن میں آپ کو عرض کروں کہ میں بنی آدم کو کس عمل سے زود تر اپنے جال میں پھنسا لیتا ہوں راہب نے کہا کہ ہاں یہ راز ضرور بتا دیجئے۔ شیطان نے کہا کہ بنی آدم کو زود تر پھنسانے کا عمل اُس کا اپنے کردار

① بخل
② تیزی
③ نشہ

ہیں اس لئے کہ انسان جب بخل اختیار کرتا ہے کہ ہم اُس کی نظروں میں کتنا زیادہ مال ہو تب بھی اُسے قلیل المقدار دکھاتے ہیں وہ اُسے بہت تھوڑا سمجھ کر حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہوا دوسروں کے مال پر ہاتھ صاف کرتا ہے ؎

کریما نرا بدست اندر درم نیست
خداوندانِ نعمت را کرم نیست

ترجمہ: کریموں کے ہاتھ میں درم نہیں نعمت والوں کو کرم اور سخاوت نہیں۔

بعض بزرگوں نے یوں فرمایا ہے ؎

باشد چو ابر بے مطر و بحر بے گہر

آنرا کہ با جمال نبود جود بار نیست

ترجمہ: جب بادل بارش کے بغیر اور دریا میں موتی نہ ہو ایسے ہی حسن و جمال ہو لیکن جود و سخا نہ ہو تو یہ سب بے کار ہے)

جب انسان تیز طبع ہوتا ہے تو ہم اُسے کٹھ پتلی بنا لیتے ہیں جیسے بچوں کے ہاتھ میں گیند گھومتی ہے۔ اگرچہ وہ صاحبِ کرامت ہو کر مُردوں کو زندہ کرتا پھرے لیکن وہ ہمارے لئے بے کار اور لاشیٔ انسان ہے ؎

① اگر آید ز دوستے گنہے

بگناہے نشاید آزردن

② ورز با نرا بعُذر بکشاید

بایدت خشم را فرو خوردن

③ زانکہ نزدیکِ عاقلاں بتراست

عفو ناکردن از گنہ کردن

ترجمہ ① اگر کسی دوست سے گناہ صادر ہو تو اس کے گناہ کی وجہ سے اس کا دل نہ دکھانا چاہیئے۔

② اگر وہ عذر کی زبان کھولے تو غصّہ کھالینا چاہیئے۔

③ اس لئے کہ عُقلاء کے نزدیک وہ بہت بڑا ہے گناہ کرنے سے معاف کرنا بہتر ہے۔

جب وہ نشہ آور شئے کا استعمال کرتا ہے تو ہم جہاں چاہیں اسے کانوں سے پکڑ کر کھینچ لے جائیں ؎

① مے مُزیلِ عقل شُد اے ناخلف

تا بچند اے میخوری در روزگار

② آدمی را عقل باید در بدن

ورنہ جان در کالبد دارد حمار

ترجمہ ① شراب عقل کو ضائع کرتا ہے اے نالائق زمانہ میں کب تک پیتا رہے گا۔

② انسان کو جسم میں عقل ضروری ہے ورنہ رُوح تو گدھے کے جسم میں بھی ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مُجاہدہ کرے۔ اس لئے کہ درحقیقت اس ضعیف رُوح کو جسے نفس نے کمزور کردیا ہے۔ یہی مجاہدہ تقویت پہنچا کر اسے نفس پر غالب بنا دیتا ہے نیز اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ صدق و ثبات سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز سے گڑگڑائے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس بدن سے نکالے جس کے ساکنین

(باقی صفحہ ۱۵۲ پر)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ
يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا
لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلٰى أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ
مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى قف وَلَا تُظْلَمُونَ
فَتِيلًا ○ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي
بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ
حَدِيثًا ○ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۖ وَمَآ أَصَابَكَ
مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۗ وَ
كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ○ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ ۚ
وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ○ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ز
فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۗ
وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَ
كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ○ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ ۗ وَلَوْ كَانَ
مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ○ وَإِذَا جَآءَهُمْ
أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهٖ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ
وَإِلٰٓى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهٗ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ○
فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ
عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَّ
أَشَدُّ تَنْكِيلًا ○ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۚ
وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ○ وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ

أَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

ترجمہ، کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں بعضے لوگوں سے ایسے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرے یا اس سے بھی زائد اور بولے اے رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا تم فرما دو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈر والوں کے لئے آخرت اچھی اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آئے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ حضور کی طرف سے آئی تم فرماؤ سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا اور کہتے ہیں ہم نے حکم مانا پھر جب تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں ایک گروہ جو کہہ گیا تھا اس کے خلاف رات کو منصوبے گانٹھتا ہے اور اللہ لکھ رکھتا ہے ان کے رات کے منصوبے تو اے محبوب تم ان سے چشم پوشی کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ کافی ہے کام بنانے کو تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ بعد میں کاوش کرتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے تو اے محبوب اللہ کی راہ میں لڑو تم تکلیف نہ دیئے جاؤ گے مگر اپنے دم کی اور مسلمانوں کو آمادہ کرو قریب ہے کہ اللہ کافروں کی سختی روک دے اور اللہ کی آنچ سب سے سخت تر ہے اور اس کا عذاب سب سے کڑا جو اچھی سفارش کرے اس کے لئے اس میں حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جب تمہیں کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو بے شک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے اللہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں وہ ضرور تمہیں اکٹھا کرے گا قیامت کے دن جس میں کچھ شک نہیں اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَھُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ (کیا تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا کہ جنہیں کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو)۔

شانِ نزول قبل ہجرت مکہ سے چند افراد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہمیں مشرکین سخت ستا رہے ہیں اور کہا کہ قبل از اسلام زمانۂ جاہلیت میں ہم بہت بڑے معزز و مکرم تھے لیکن اب اسلام کے بعد اہلِ شرک نے ہمارا ناک بند کر دیا۔ اگر اجازت ہو تو ہم ان مشرکین کو بستروں پر قتل کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ابھی اُن کے قتل کرنے سے رُک جاؤ۔

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) یعنی ابھی وہی حکم بجالاؤ جس کا تمہیں حکم ہے فی الحال مجھے اُن کے قتل کرنے کا حکم نہیں مکہ کی اقامت تک قتل نہ کرنے پر مامور ہے۔ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو بدر میں کُفار سے جنگ کرنے کا حکم نازل ہوا۔ تو ان میں سے بعض پس و پیش کرنے لگے اور انہیں جنگ کرنا شاق گذرا اس لحاظ سے نہیں کہ دین اسلام میں انہیں کوئی شک تھا اور نہ ہی اسلام سے روگردان تھے بلکہ کہتے کہ اس خطرہ میں ہم اپنی جانیں کیوں ضائع کریں موت سے ڈر کر جنگ سے گھبرائے جیسا کہ فطرۃ انسانی کا تقاضا ہے کہ زندگی سے پیار اور جنگ سے گھبراہٹ طبعی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ پس جب اُن پر جنگ فرض ہوئی إِذَا فَرِيقٌ تو یہ اذا مفاجاتیہ ہے اور مِّنْهُمْ فریق مبتدا کی صفت ہے يَخْشَوْنَ النَّاسَ یہ مبتدا کی خبر اور لَمَّا کا جواب ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ پس اچانک ایک گروہ کفار سے جنگ سے گھبراتا ہے۔ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ خشیہ مصدر ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف محلًا منصوب یخشون کے فاعل سے حال ہے یعنی یہ کفار سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے اہل مسلمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً اس کا عطف کخشیۃ اللہ پر ہے یعنی یا اہل خشیۃ سے بھی زیادہ خوفزدہ ہیں۔

فائدہ کلمہ او تنویع کے لئے ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ ان کے بعض اہلِ خشیۃ اللہ کی طرح ہیں اور بعض انہیں سے بھی زیادہ خوفزدہ ہیں۔

وَقَالُوا اس کا عطف لما کے جواب پر ہے یعنی جب اُن پر جنگ فرض کی گئی تو اچانک ایک گروہ کفار سے گھبرا کر کہتے ہیں رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ (اے اللہ اس وقت ہم پر تو نے جنگ کیوں فرض فرمائی) یہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض یا انکار کے طور نہیں بلکہ طریق تمنا کے عرض کیا کہ کہیں اس حکم کی تخفیف ہو جائے۔
لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ (تو نے ہمیں میعادِ قریب کی طرف کیوں مہلت نہ دی) اور ہمیں

(بقیہ صفحہ ۱۸۰ سے)
ظالم ہیں۔ یعنی نفس امارہ بالسوء کی خرابیوں سے پھرا سے ولایت عظمیٰ سے مقامِ رُوح ہیں اُسے مشرف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر فتوح کا دروازہ کھولدے۔ اے ہر دُکھ اور درد کو آسان کرنے والے ربِ کریم ہماری یہ دُعا قبول فرما۔

اس وقت تک چھوڑے رکھتا کہ ہم اپنی موت اور اپنے گھروں میں ہی مرتے گویا وہ لوگ کچھ مہلت چاہتے اور اُن کی خواہش تھی کہ وہ اس جنگ کی موت سے بچ جائیں جیسا کہ انسان کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ موت سے گھبرا کر زندگی کی بہار دیکھنا چاہتا ہے۔ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں اس چند روزہ زندگی کے لئے جنگ سے محروم رہ کر گھر بیٹھنے میں فانی زندگی سے رُوگردانی اور جنگ میں چلے جانے سے دائمی زندگی اور نعمت اُخروی کی رغبت کی تلقین فرمایئے۔ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ج (دنیا کا سازوسامان کچھ بھی نہیں) اس کا جتنا نفع اٹھاؤ سو آخر ختم ہوگا اور انجام فنا ہے اگرچہ تمہیں کتنی ہی مہلت مل جائے اور اگر تم جنگ میں حاضر ہو کر شہید ہو جاؤ تو تم دائمی زندگی پا جاؤ گے۔ پھر بھی فانی زندگی اس دائمی بقا میں ملے گی بلکہ وہاں ہمیشہ کی نعمتوں کے مزے ہی مزے ہیں وَالْاٰخِرَةُ اور آخرت کا مطلق ثواب منجملہ اُس کے یہ ثواب بھی جنگ کے صلہ میں نصیب ہوگا یعنی آخرت کا ثواب تمہارے لئے اس دنیا کے سازوسامان سے کئی درجہ بہتر اور اعلیٰ ہے کیونکہ وہاں کا ثواب ان گنت اور غیر منقطع اور ہر برائی اور خرابی سے پاک ہے۔ لیکن یہ اُسے نصیب ہوگا۔ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے) اس میں بندوں کو گناہوں سے بچنے اور اُمورِ شرعیہ کی ادائیگی میں خلوص کی تلقین ہے وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ (اور تم تاگے برابر بھی کمی نہیں کئے جاؤ گے۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اصل عبارت یوں تھی۔ تجزون ولا تُظلَمُوْنَ الخ یعنی تم جزا دیئے جاؤ گے اور تمہارے اعمال میں معمولی طور بھی کمی نہیں کی جائے گی بلکہ تمہیں پُورا پورا اجر و ثواب ملے گا۔ منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے کہ تم کفار کے مقابلہ کے لئے جنگ میں جدوجہد کر رہے ہو فلہٰذا اُس سے رُوگردانی نہ کرو۔

دنیا و آخرت کی نعمتوں کا مقابلہ

دنیا کی نعمتوں سے آخرت کی نعمتیں بہتر و اعلیٰ ہیں۔ اس کی چند وجوہ ہیں:

(۱) دنیا کی نعمتیں قلیل ہیں اور آخرت کی ان گنت

(۲) دنیا کی نعمتیں ختم ہو جائیں گی اور آخرت کی نعمتیں دائمی۔

(۳) دنیا کی نعمتوں میں غم و الم اور پریشانیاں اور دُکھ اور تکالیف ہیں اور آخرت کی نعمتیں ان تمام خرابیوں سے پاک ہیں۔

(۴) دنیا کی نعمتیں مشکوک ہیں اور دنیوی نعمتوں کے عیش اُڑانے والے کو ہمیشہ خطرہ رہتا ہے کہ نامعلوم انجام کیا ہوگا۔ واللہ اعلم یہی عیش تادمِ زیست نصیب رہے گا کہ چھن جائے گا اور آخرت کی نعمتوں میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ وہ شے اختیار کرے جو ہر وجہ سے بہتر و اعلیٰ ہو یہ آخرت کی نعمتوں میں پایا جاتا ہے نہ کہ اُن چیزوں کو اختیار کرے جو ہر طرح سے بُری ہی بُری ہوں اور یہ دنیوی نعمتوں

میں ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے اپنے بعض قصائد میں فرمایا ہے ؎

① عمارت باسرائے دیگر انداز
کہ دُنیا را اساسے نیست محکم

② فریدوں راسر آمد پادشاہی
سلیمان را برفت از دست خاتم

③ وفاداری مجواز دھر خونخوار
محالست انگبین درکام ارقم

④ مثال عمر سر برکردہ شمعیت
کہ کوتاہ باز می باشد دما دم

⑤ ویا برفے گدازاں بر سر کوہ
کزو ہر لحظہ جزئے می شود کم

ترجمہ: ① دنیا کے علاوہ کسی دوسری سرا میں مکان بنا اس لئے کہ دنیا کی اساس مضبوط نہیں۔
② فریدوں کو بادشاہی دائم رہی سلیمان علیہ السلام سے انگوٹھی چلی گئی۔
③ زمانہ خونخوار ہے اس سے امید وفا تلاش نہ کر کیونکہ سانپ کے منہ سے شہد کا ہونا محال ہے۔
④ عمر کی مثال شمع کی موم کی ہے کہ وہ لحظہ بہ لحظہ کم ہو رہی ہے۔
⑤ یا ایسے پہاڑی برف سمجھو کہ وہ بھی ہر لحظہ گھٹتی رہتی ہے۔

حکایت کسی نے بلڈنگ خریدی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے عرض کی کہ آپ اُس کا بیعنامہ لکھ دیں آپ نے اس پر لکھا کہ ایک فریب خوردہ دوسرے فریب خوردہ سے بلڈنگ خرید کر غافلین کے کوچہ میں داخل ہوگیا اور یہ ایک ایسی بلڈنگ ہے جس کے مالک کو آخر فنا کے گھاٹ اُترنا ہے اس لئے کہ اس بلڈنگ کا ایک کنارہ موت سے ملا ہوا ہے دوسرا قبر سے تیسرا حشر سے۔ چوتھا جنت یا جہنم سے۔ جب آپ کا لکھا ہوا بیعنامہ بلڈنگ کے خریدار کے سامنے پڑھا گیا تو اُس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بلڈنگ خریدنے سے باز آگیا بلکہ بلڈنگ کا تمام سرمایہ راہِ خدا میں لُٹا دیا اور زاہد بن کر یادِ الٰہی میں مصروف ہوگیا۔

عارفین کی حقیقتِ حال یونہی ہوتی ہے۔ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا کا قبضہ دے کر تصریح فرمائی کہ قلیل شے ہے۔ لیکن جب اُس سے اگرچہ کھجور کے معمولی سے ٹکڑے کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا کثیر المقدار ثواب لکھ دیتا ہے۔ اس کریم کا لُطف و کرم اس سے بڑھ کر

اور کیا ہو۔

فائدہ محبت کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اپنے لئے کثیر شے کو قلیل سمجھے اور محبوب کے لئے سب کچھ لٹا کر بھی کچھ نہ سمجھے۔ جب سب کو معلوم ہے کہ دنیا کی قیمت کچھ بھی نہیں پھر اس سے خسیس ترین اور کون ہو سکتا ہے جو نفیس کو چھوڑ کر خسیس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

اعجوبہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اوّلاً دنیا سے نفرت دلا کر آخرت کی ترغیب دلائی چنانچہ فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنیا قلیل الخ پھر فرمایا کہ ان ہر دونوں سے ذات حق ارفع و اعلیٰ ہے فلہٰذا اس کے وصال کے لئے جد وجہد کرنی چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا وَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (اللہ بہتر اور ہمیشہ ہے)۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ اعلیٰ منازل کی طرف ترقی کرے اور اس کی جد وجہد میں کسی قسم کی سستی و کاہلی نہ کرے حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست

ہر کجا می رسی باللہ مایست

ترجمہ: اے برادر یہ درگاہ بے نہایت ہے جہاں پہنچو تو وہاں نہ ٹھہرو بلکہ آگے بڑھتے رہو۔

فائدہ مجاہدہ کا ثمرہ تو کسی طریق سے بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ ہر نفس کو اعمال کا اجر و ثواب ملتا ہے۔

نکتہ دارِ آخرت کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کی جزا کا گھر اس لئے مقرر فرمایا کہ دورِ دنیا میں وہ وسعت نہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آخرت کی ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازے گا۔ آخرت کی نعمتوں سے دنیوی نعمتوں کو صرف لفظی مشابہت ہے اور بس۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ اپنی اعلیٰ و بالا نعمتیں اس فانی دنیا میں بندوں کو عطا فرمائے۔ چنانچہ فرمایا وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (اور وہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر اور دائمی ہے)۔

قبول عمل کی نشانی دارِ آخرت میں اعمال کی قبولیت پر جزا ملے گی۔ اس کی قبولیت کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ عبادت کرتے وقت لذت محسوس کرے اور مزید عبادت کرنے اور اس کا شکر کرنے کو جی چاہے جس کی عبادت میں یہ بات نہیں۔ سمجھو اس کی عبادت بے کار ہے اس لئے کہ آخرت کی جزا کا دارومدار قبولیت پر ہے اور قبولیت الٰہی وجوہ پر منحصر ہے۔

فائدہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر زمانہ کے بادشاہوں کو ہمارے متعلق معلوم ہو جائے کہ ہم ان کے قوانین سے کتنا انحراف کر رہے ہیں تو وہ ہمیں گولیوں سے اُڑا دیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے تمام کرتوت معلوم ہیں لیکن وہ کسی بندے کو اس کی غلطی سے گرفت نہیں فرماتا بلکہ ہم سب کے گناہوں کو چھپاتا ہے اور اُمید ہے کہ وہ قیامت میں اپنے لطف و کرم سے معاف فرمائے گا۔

فائدہ ہر نیکی کے بالمقابل ایک عقبہ ہوتا ہے جس کے مقابلہ کے وقت صبر لازمی ہے جو اس کی شدت پر صبر کرتا ہے تو راحت و آسانی میسّر ہوتی ہے اس عقبہ کا نام مجاہدۂ نفس ہے اس کے بعد مخالفت خواہشات بعد ازاں ترکِ دُنیا کا دُکھ اور درد پھر لذات و نعمتوں کا ترک۔

نکتہ (۱) ہر بندہ اپنے قربِ الٰہی کی مقدار اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔
(۲) جو شخص یہ دیکھنا چاہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کیا مرتبہ ہے اُسے اپنے قلب پر نگاہ رکھنی چاہیئے کہ اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت ہے اور کتنا بغض و عداوت۔

حکایت کسی سے کسی بزرگ نے فرمایا کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے وہ غصہ میں آکر فرمانے لگے کہ اگر میں اُسے نہ پہچانوں تو پھر اس کی عبادت کرنے کا کیا فائدہ۔ پھر سائل نے کہا کہ اگر اس کی معرفت نصیب ہے تو پھر اُس کی نافرمانی کیسی۔ یعنی آئندہ تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم کسی ایک گناہ کا بھی ارتکاب نہ کرنا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

(۱) عمرے کہ میرود بہمہ حال سعی کن
تا در رضائے خالق بیچوں بسر بری

(۲) پیر بودی و راہ ندانستی
تو نہ پیری کہ طفل کتابی

ترجمہ: (۱) عمر گذر رہی ہے ہر حال میں سعی کر تاکہ تو خالق بیچوں کی رضا میں زندگی بسر کر سکے۔
(۲) بوڑھا ہو گیا اور تا حال تجھے راہِ حق معلوم نہ ہو سکا تو بوڑھا کب ہے بلکہ تا حال طفل مکتب ہے۔

تفسیر عالمانہ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ (جہاں تم ہو گے تمہیں موت گھیر لے گی)۔

فائدہ موت سے اجل مقدر یا عذاب مُراد ہے۔ نیز لفظ ادراک سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے موت سے فرار کرتے ہیں اور وہ اُن کے پیچھے دوڑتی ہے یہ نیا جملہ ہے اس کے لئے اعراب کا کوئی محل نہیں۔

وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ (اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو)۔ یعنی ایسے مضبوط اور اونچے محلات میں زندگی بسر کرو جن کی اونچائی آسمان تک اور جنہیں سیمنٹ وغیرہ سے مضبوط اور پختہ کیا جائے کہ جس کی طرف اولادِ آدم کا پہنچنا عادۃً محال ہے۔

عجیب و غریب حکایت حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ دورِ سابقہ کا واقعہ ہے کہ ایک عورت بڑی مالدار تھی اُس نے کاروبار کے لئے ایک

ملازم رکھ چھوڑا تھا ایک دفعہ اس سے زنا کرایا۔ چند روز کے بعد اُسے لڑکی پیدا ہوئی۔ اپنے ملازم سے کہا کہ باہر کہیں سے آگ لے آؤ۔ جب ملازم گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ اُس کے دروازے پر ایک مرد کھڑا ہے۔ اس نے ملازم سے پوچھا کہ اس عورت کو کیا پیدا ہوا ہے۔ اُس نے کہا لڑکی۔ اس اجنبی مرد نے کہا کہ یہ لڑکی اپنی موت سے پہلے یکصد مردوں سے زنا کرائے گی اور آخر میں اپنے ملازم (یعنی زانی باپ) سے نکاح کرے گی۔ اور لڑکی کی موت مکڑی سے واقع ہوگی۔ ملازم (زانی باپ) نے دل میں سوچا کہ لڑکی میرے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے پھر نامناسب ہے کہ یہ سو آدمیوں سے زنا کا ارتکاب کرے بہتر ہے کہ میں اسے قتل کر دوں۔ چنانچہ اسی نے اُسی وقت چھرا لیا اور اُس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور فوراً ہی گھر سے نکل کھڑا ہوا اور دریا کو عبور کر کے کہیں دُور کے شہر میں مقیم ہوگیا۔ لڑکی کو چھرا گھونپا گیا وہ جان لیوا نہ تھا بلکہ ایک شدید زخم تھا جسے ڈاکٹروں اور جراحوں کی مرہم پٹی سے دُرست کر لیا گیا چند روز کے بعد وہ لڑکی تندرست ہوگئی۔ جب جوان ہوئی تو اسے زناکاری کی عادت پڑ گئی اور وہ اس بدفعلی میں مبتلا ہوئی۔ گھر سے نکل کر دریا کے کنارے سکونت اختیار کر لی اور اُس نے اپنے پیشہ زنا میں خوب شہرت حاصل کی۔

وہ ملازم (یعنی زانی باپ) جو کہ گھر سے نکل کر دریا کے پار چلا گیا تھا اُس نے کاروبار میں منافع بسیار کمائے وہ بھی پھرتا پھراتا اس دریا کے کنارے پہنچا جہاں اسی زانیہ لڑکی نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ ملازم مذکور نے کنارہ پر رہنے والے پڑوسیوں کی ایک عورت سے کہا کہ یہاں پر حسین ترین عورت کی نشاندہی کرو تاکہ میں اس سے شادی کروں اس عورت نے کہا کہ یہاں پر ایک بہت بڑی حسین عورت رہتی ہے لیکن زناکار ہے۔ اس ملازم مذکور نے کہا کہ اُس سے ہی بات کرو چنانچہ اُس نے بات کی کہ ایک شخص یہاں تجارت کرتا ہوا آیا ہے جبکہ کثیر مال لایا ہے اور تیرے لئے نکاح کا کہا ہے اگر تم چاہو تو میں اس سے تیری بات چیت کر دوں۔ اُس نے نکاح پر آمادگی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر وہ میرے ساتھ نکاح کرے تو میں زناکاری سے تائب ہو جاؤں گی۔ چنانچہ اس رابطہ سے انکا نکاح ہوگیا وقت گذرتا رہا۔ ایک دن ملازم مذکور نے اپنی سرگذشت سنائی تو اس کی منکوحہ نے کہا کہ وہی لڑکی میں ہوں چنانچہ وہ داغ تا حال میرے پیٹ پر موجود ہے۔ چنانچہ جونہی پیٹ سے کپڑا ہٹایا تو وہ داغ صاف ظاہر نظر آگیا اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ میں اس وقت پورے یکصد مردوں سے زنا کرا چکی ہوں۔

یہ تمام باتیں سن سنا کر بیٹھے تو اسے بات یاد آئی اور کہا کہ بزرگ مرد نے مجھے یہ بھی فرمایا تھا کہ تیری موت مکڑی سے واقع ہوگی۔ اس عورت نے کہا کہ پھر تو میرا اتنا اونچا مکان بناؤ کہ جہاں کوئی آ جا نہ سکے اور ہو بھی سنگستان

جنگل میں تاکہ کسی کو میرے متعلق معلوم نہ ہو۔ چنانچہ ایسے ہی جنگل میں بڑا قلعہ اور اس کے اندر بڑا مضبوط بلند و بالا مکان بنایا گیا۔ اور وہ اس میں رہنے سہنے لگی۔ ایک دن مکان میں بیٹھی تھی کہ اُسے چھت پر مکڑی نظر آئی۔ اُسے

خیال گذرا کہ یہی مکڑی میری موت ہے چنانچہ یہ کوشش شروع کردی کہ اُسے قتل کردے ۔ جب اس نے مکڑی کو نیچے سے کوئی شے ماری تو اُس نے ڈر کے مارے نیچے اترنے کی کوشش کی اور اس عورت کے پاؤں کے انگوٹھے پر آگر گری اور گرتے ہی اس عورت کے پاؤں کے انگوٹھے پر ڈس لیا ۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ عورت کے پاؤں کا انگوٹھا سیاہ ہو گیا اور اس سے وہ عورت مرگئی ۔ اس کی داستان عرب میں مشہور تھی اُس کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی ۔

مسئلہ تمام اُمت کا اجماع ہے کہ موت کے لئے نہ کسی کو سن معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی میعاد کا علم ہوتا ہے اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ فلاں مرض سے موت واقع ہوگی ۔ تاکہ انسان اُس کی تیاری میں لگا رہے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ لذتوں کو مٹانے والی یعنی موت کو بہت زیادہ یاد کرو ۔

فائدہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ کلام مختصر اور وعظ ونصیحت اور تذکیر و تبلیغ کی جمیع ضروریات کا جامع ہے ۔ اس لئے کہ جو شخص موت کو یاد کرے گا اس کا لازمی طور زندگی کے لمحات منغص ہو جائیں گے بلکہ آئندہ کی لذات کی تمنا بھی مٹ کے رہ جائیں گی اور جتنا آرزو دل میں ہوگی وہ موت کے ذکر سے ملیامیٹ ہو جائے گی ۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ جن کے نفوس پر غفلت کے پردے پڑ گئے اور جن کے قلوب غفلت کے گڑھے میں غرق ہیں انہیں تو طویل بیان بھی مشکل فائدہ دیتا ہے بلکہ اُس کے لئے سخت سے سخت ڈراؤنی باتیں بھی کارآمد ثابت نہیں ہو سکتیں ورنہ جسے غور و فکر سے کچھ حصہ نصیب ہے اس کے لئے اَکْثِرُوْا ھَادِمَ اللَّذَّاتِ حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کافی ہے ۔ حضرت شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سپہر پر شدہ پرویز نیست خون افشاں
کہ ریزہ اش سر کسریٰ و تاج پرویز است

ترجمہ : آسمان پُر ہو گیا اور خون بکھیرنے والا خون بکھیرنے کو ہے وہ کہ جس کا قطرہ کسریٰ کے سر اور پرویز کے تاج پر پڑا ہے ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) جہاں اے پسر ملک جاوید نیست
زدنیا وفاداری اُمید نیست

(۲) نہ بر باد رفتے سحرگاہ و شام
سریر سلیمان علیہ السلام

(۳) بآخر ندیدی کہ بر باد رفت
خنک آنکہ بادانش و داد رفت

ترجمہ: (۱) اے عزیز یہ ملک ہمیشگی کا نہیں دُنیا سے وفا کی اُمید نہیں۔
(۲) سلیمان علیہ السلام کا تخت صبح و شام ہوا پر چمکتا تھا۔
(۳) لیکن بالآخر فنا ہوگیا فلہذا وہ خوش نصیب ہے جو سمجھداری سے دنیا سے رخصت ہوا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اے باطل پرستو! درویشوں فقیروں کے لباس پہن کر خواہشات نفسانیہ کے بیمار یو! تمہارے اُوپر خواہشات کا غلبہ اور تمہیں دنیا سے بے حد پیار اور محبت ہے اس لئے تم اللہ تعالیٰ کی طلب سے محروم ہو کر رہ گئے اور محبت دنیا میں ایسے محو ہو چکے ہو کہ بس اب تمہارا ملجا و ماویٰ بھی دُنیا ہے اور اُسی کو اپنا چین اور آرام سمجھتے ہو لیکن یاد رکھو کہ جہاں بھی تم ہو گے تمہارا موت پیچھا نہیں چھوڑے گی لامحالہ تم نے موت کا پیام قبول کرنا ہوگا۔ فلہٰذا اب تمہیں لازم ہے کہ اضطراری موت سے پہلے ہی اختیاری موت اختیار کر لو۔ اگرچہ تم بہت بڑے مضبوط قلعوں میں محفوظ ہو (اس سے اُن کے اجسام قویہ مراد ہیں) اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی فنا و بقا نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ (اور اگر انہیں کوئی نعمت (مثلاً اناج کی کثرت وغیرہ) حاصل ہو)۔ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی اس نعمت کے حصول کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب کرتے ہیں وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ (اور اگر انہیں کوئی تکلیف مثلاً قحط سالی وغیرہ پہنچے) يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ (تو کہتے ہیں یہ تیری وجہ سے ہے یعنی اسے نحوست سمجھ کر وہ (معاذاللہ تعالیٰ) حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (مثلاً یہودیوں نے کہا کہ (معاذ اللہ) جب سے (حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے مدینہ میں قدم رکھا ہے اُس وقت سے ہمارے علاقوں میں درختوں کے پھلوں میں کمی اور ہر شئے میں مہنگائی ہے)۔ قُلْ كُلٌّ (اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیے کہ ہر دونوں یعنی بھلائی اور برائی) مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں) وہی اپنے ارادہ پر رزق بڑھاتا گھٹاتا ہے فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ (پس کہاں سے انہیں یہ علم حاصل ہوا) یعنی یہودیوں اور منافقوں کو حالانکہ اُن کی حالت یہ ہے کہ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (اہلیت ولیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بات کو سمجھ سکیں)۔ یہ تو جانوروں کی طرح لاشعور ہیں ورنہ انہیں کچھ عقل و فہم ہوتا تو یقین رکھتے کہ ہر بھلائی اور برائی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

فائدہ الفقہ بمعنے الفہم عرف شرعی میں شرلعیت کے فتاویٰ کا نام ہے۔

مَآ اَصَابَكَ (اے انسان تجھ کچھ تمہیں پہنچے) مِنْ حَسَنَةٍ (بھلائی اور نعمت سے) فَمِنَ اللّٰهِ (تو سمجھ لے

کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں نوازا ہے اس لئے کہ انسان جتنا عبادات و طاعات بجالاتا ہے وہ اُس کی ایک نعمت کے بال برابر بھی نہیں چہ جائیکہ اُس کی ایک نعمت کا مکمل شکر کرسکیں سی طرح پھر تمام نعمتوں کا شکر یہ کیسے ادا کیا جاسکتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر بندہ بہشت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی داخل ہوگا نہ کہ اپنے اعمال پر بھروسہ کر کے حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کیا آپ کے متعلق بھی ہمارا یہی عقیدہ ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں مگر اتنا ضرور یاد رکھ لو کہ اُس نے مجھے اپنی رحمت سے سراپا ڈھانپ لیا ہے وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ (اور اگر کوئی مصیبت یا کوئی دیگر پریشان کُن امر پہنچے) فَمِنْ نَّفْسِكَ (وہ تیرے نفس سے ہے) اس لئے کہ اس مصیبت وغیرہ کا سبب تمہارا نفس ہے کیونکہ اگر وہ برائیوں کا مرتکب نہ ہوتا تو اُسے یہ سزا نہ ملتی۔

سوال پہلے فرمایا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اب فرماتا ہے فَمِنْ نَّفْسِكَ انمیں تو تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب ۱ کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ قل كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں فرمایا کہ ایجادًا وتخلیقًا ہر شے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔

جواب ۲ چونکہ نعمت ایک احسان و امتنان ہے اور برائی غلطیوں کی سزا اور اُن کا بدلہ اس لئے پہلے معنےٰ کے لحاظ سے كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فرمایا۔ اور دوسرے معنےٰ کے لحاظ سے فَمِنْ نَّفْسِكَ۔

حدیث شریف بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ سے مروی ہے کہ حضور سرور دنیا و دین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کو جو کچھ دُکھ اور تکلیف پہنچتی ہے (یہاں تک کہ کسی کو کانٹا چبھتا ہے یا جوتے کا تسمہ ٹوٹتا ہے) تو وہ اس کے گناہ کی شامت کا نتیجہ ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ اُس کی تو گنتی ہی نہیں۔

فائدہ بندوں کے اعمال کے چار مراتب ہیں۔ انمیں دو مرتبے اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں۔ انمیں بندے کو کسی قسم کا دخل نہیں۔

① تقدیر
② ایجاد و تخلیق

اور دو مرتبے ہیں جنہیں بندوں سے تعلق ہے۔

③ کسب
④ فعل

ان ہر دونوں یعنی کسب و فعل سے اللہ تعالیٰ منزہ اور پاک ہے۔ ان ہر دونوں کا تعلق بندوں سے ہے لیکن ان ہر دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ یہ ہر دونوں مخلوق ہیں اور ہر مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا)۔ اب مسئلہ واضح ہوگیا کہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

اللہِ کا یہی مطلب ہے کہ ہر شئے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہر شئے کی تقدیر اُسی کے ہاتھ میں ہے ہاں ان امور کا کسب اور فعل بندوں سے سرزد ہوتا ہے۔

سبق سالک کو لازم ہے کہ اس مسئلہ کو خوب یاد کرلے اس لئے کہ اصحاب شریعت اور ارباب حقیقت کا یہی مذہب ہے (التاویلات النجمیہ)۔

مسئلہ حضرت ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن مجید حفظ کرکے بھول جانا بھی شامت اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے اس پر آیت وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مصيبة فبما كسبت ايدِيكُمْ سے استدلال فرمایا اور فرماتے تھے کہ قرآن مجید کا بھولنا دنیا میں بہت بڑے مصائب میں سے ہے۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط اور ہم نے تمہیں تمام لوگوں کے لئے رسول پیغمبر (نبی) بنا کر بھیجا یہ نہیں کہ آپ صرف اہل عرب کے رسول ہیں بلکہ آپ تو عرب وعجم سب کے پیغمبر ہیں جیسا کہ آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (اور ہم نے تو تمہیں تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا) مضمون مذکور کی تائید کرتی ہے۔

ترکیب رسولا کاف ضمیر خطاب سے حال ہے اس سے آپ کی رسالت کے عموم کا اظہار مطلوب ہے اور للناس رسولا سے متعلق ہے اور اسے مقدم بھی اسی لئے کیا گیا ہے تاکہ اختصاص ثابت ہو۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (اور اللہ تعالیٰ آپ رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہے کہ اُس نے معجزات ظاہر کرکے آپ کی نبوت ورسالت کی تائید فرمائی۔

تفسیر صوفیانہ ہم نے اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ان لوگوں کے پاس بھیجا جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے مشاہدہ ومعاہدہ کو بھلا دیا تاکہ آپ تشریف لاکر انہیں اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچا دیں اور اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اوقات بسر کرنے کے ایام اور معاہدہ ومشاہدہ کی گھڑیاں یاد آجائیں اور آپ انہیں ہماری دعوت دے کر ہمارے ہاں پہنچنے کا راستہ بتائیں۔ آپ ان کے لئے سراج منیر بن کر چمکے تاکہ آپ کی سیرتوں کو اپنا کر اور آپ کے نقش قدم پر چل کر مراتب علیا کو حاصل کرسکیں اور اللہ تعالیٰ اپنے احباء واولیاء کے لئے کافی اور شاہد ہے تاکہ وہ صرف راحت پر اکتفا نہ کریں بلکہ وہ دیدار الٰہی کے لئے بڑھیں۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یوسف عزیزم رفت اے برادراں زحمن

کز غمش عجب دیدم حال پیر کنعاں

ترجمہ: اے برادر میرا عزیز یوسف جب چمن سے چلا گیا تو اس کی جدائی کے غم سے بوڑھے کا میں نے عجیب حال دیکھا۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ انسان ہر رنج وراحت منجانب اللہ سمجھے۔

حکایت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات سال تک داڑھ کے درد میں مبتلا رہے لیکن کسی سے اظہار نہ فرمایا ایک روز حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے اُن کی تکلیف کا عرض کر دیا۔ آپ نے حضرت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے اتنا عرصہ کسی کو بتایا تک بھی نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ عرض کی یہ تحفہ مجھے محبوبِ حقیقی سے نصیب ہوا ہے پھر شکایت کیسی۔

سبق اس سے سبق لینا چاہیئے بلکہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح نیک خصائل اپنے اندر پیدا کرنے چاہئیں اور یقین رکھنا چاہیئے کہ ہر بُرائی بھلائی منجانب اللہ ہوتی ہے اور رُسل کرام اس لئے بھیجے گئے تاکہ مخلوق ظلمت سے نکل کر نور کی طرف راہ پائے جو لوگ نبوت کے آداب اور سیرت نبوی اپناتے ہیں تو انہیں حقیقت محمدیہ کے دائرہ میں پہنچنے کا شرف عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

① دعوتش فرمود بہر خاص و عام
نعمت خود را برو کردہ تمام

② مبعث او سر نکوئی بے تاں
اُمت او بہترین اُمتاں

③ برمیاں دو کتف خورشید وار
داشتہ مہر نبوت آشکار

ترجمہ: ① آپ کی دعوت ہر عام و خاص کو شامل ہے اور تمام نعمتیں آپ پر مکمل فرمادیں۔

② آپ کی بعثت تمام محبوبوں کے حسن کا خلاصہ ہے آپ کی امت تمام امتوں سے بہتر ہے۔

③ دو کاندھوں کے درمیان خورشید کی طرح مہر نبوت ظاہر نظر آتی تھی۔

مُہرِ نبوّت کے متعلق نکتہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت شریف دو کاندھوں کے درمیان تھی اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ شیطان لعین کے وسوسہ سے ہر طرح سے معصوم تھے۔ اس لئے کہ خنّاس شیطان کا طریقہ ہے کہ وہ انسان کے اندر وسوسہ ڈالنے کے لئے دونوں کاندھوں کے درمیان سے گھُستا ہے پھر اپنی سونڈ دل کی جانب سے داخل کر کے وسوسہ ڈالتا ہے۔ جب کوئی انسان ذکر الٰہی سے رطب اللسان ہوتا ہے تو اُس کے دل سے سونڈ ہٹا کر پیٹھ کے پیچھے چلا جاتا ہے۔

فائدہ مہر نبوت شریف کے گرد چند سبز مائل بال مبارک تھے اور مہر نبوت پاک پر یہ عبارت لکھی ہوتی تھی "محمد نبی امین" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے علاوہ اور بھی عبارات کے متعلق صحابہ کرام سے روایات ملتی ہیں۔

عجیب تحقیق مہر نبوت شریف پر مختلف عبارات کے متعلق تطبیق کی دو بہترین تقریریں منقول ہیں۔
① حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر تجلیات وانوار الٰہی کے واردات مختلف طریق سے ہوتے تھے بنا بریں مہر نبوت شریف پر مختلف عبارات کا ظہور ہوجاتا تھا۔
② چونکہ مہر نبوت مبارک کے خطوط باریک تر تھے اس لئے دیکھنے والوں کی نگاہ مختلف تصور کرتی۔ اس تصور کو مختلف روایات سے بیان کیا گیا۔

ماہِ رمضان وماہِ میلاد اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ ماہ رمضان تمام مہینوں سے افضل ہے۔ اس کے بعد ربیع الاول شریف کو باقی تمام مہینوں پر فضیلت حاصل ہے۔ رمضان المبارک کی فضیلت قرآن پاک اور کے نزول کی وجہ سے ہے اور ماہِ میلاد کو اس لئے کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شریف اسی ماہ میں ہے۔

شب میلاد شریف کی فضیلت بعض کے نزدیک تمام راتوں سے لیلۃ القدر افضل ہے لیکن بعض نے لیلۃ القدر سمیت تمام راتوں پر شبِ میلاد کو افضل کہا[1] اس لئے کہ اگر حضور علیہ السلام تشریف نہ لاتے تو نہ لیلۃ القدر ہوتی اور نہ کوئی اور شے۔

صاحب روح البیان کا انتباہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امت پر لازم ہے کہ وہ ماہِ میلاد شریف کے دنوں اور راتوں کی تعظیم وتکریم میں جدوجہد کرے تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو اور آپ کے قرب کریمانہ سے نوازے جائیں۔

تفسیر عالمانہ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ج (وہ شخص جو رسول علیہ السلام کی اطاعت کرتا ہے تو بے شک اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی) اس لئے کہ حقیقی حاکم وآمر وہی ہے۔

وہابی نجدی دیوبندی منافقین کے نقش قدم پر مروی ہے کہ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو میرے سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور جو میری اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے یہ حکم سن کر منافقین نے کہا کہ نبی علیہ السلام مشرک ہوگئے اس لئے کہ وہ غیر اللہ سے روکتے ہیں اور پھر وہ خود خدا بننے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہمیں نصاریٰ کی طرح شرک میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنایا ہم انہیں بنالیں۔ اُن کے رد میں یہی آیت شریف اتری۔

---

[1] محدثین اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ مولانا عبدالحی اللکھنوی عن الشاہ عبدالحق المحدث الدہلوی قدس سرہ والتفصیل فی کتب الیسیر ۱۲ (اُویسی غفرلہٗ)

وَمَنْ تَوَلّٰى (اور جو شخص اُن کی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے) فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ (تو ہم نے آپ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا) کہ آپ اُن کے ہر عمل کی نگرانی اور محاسبہ کریں۔ آپ صرف تبلیغ احکام پر مامور ہیں باقی ہم جانیں اور وہ۔

فائدہ حَفِيْظًا ۔ اَرْسَلْنٰكَ کا کاف ضمیر خطاب سے حال ہے اور علیہم حفیظاً کے متعلق ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ (اور آپ جب کوئی حکم سناتے ہیں، تو اُس کے جواب میں کہتے ہیں طَاعَةٌ (ہم نے آپ کا ارشاد مانا) اور آپ کا ہر حکم ہمارے سر آنکھوں پر۔ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ (پھر جب آپ سے فارغ ہو کر باہر کہیں جاتے ہیں)، بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۝ (تو ایک گروہ اُس کی خلاف ورزی کرتا ہے جو آپ نے انہیں فرمایا، اس تقریر پر "تقول" خطاب کے معنیٰ میں ہوگا یا اُسے مؤنث کا صیغہ غائب مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ گروہ جو آپ سے وعدہ کر کے نکلا تھا اب وہ اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

نکتہ بیّت کا اشتقاق بیتوتۃ بمعنے رات گذارنا اور بَيْتٌ بمعنے گھر کا ماخذ بھی یہی ہے اور اُن کے غلط رویہ کو "بیتوتۃ" سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ عموماً انسان اپنی آئندہ پالیسی کے متعلق رات کو ہی سوچتا ہے وہ اس لئے کہ عموماً انسان کا دل رات کے وقت صاف وشفاف ہوتا ہے اور پھر مشاغل بھی اتنے نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے جو فکر صحیح اور مقصد کے عین مطابق ہو اُسے عربی میں "بتیا" کہتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ لکھ لیتا ہے جو کچھ وہ رات کو گذارتے ہیں) یعنی اُن کے نامۂ اعمال میں اُن کی جزا کے احکام ثبت فرماتا ہے فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (پس ان سے درگذر فرمایئے اور اُن کی باتوں کی پرواہ مت کیجئے وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۝ (اور اپنے جملہ اُمور خصوصاً ان منافقین کے بارہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے)۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ (اور اللہ تعالیٰ انہیں کافی ہے اور آپ کو اُن کے شر سے بچائے گا) اور اسلام غالب ہو جائے گا اور اہل اسلام کو پورے طور غلبہ نصیب ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان منافقین سے آپ کے پورے حقوق لے گا۔ الوکیل اُس ذات کو کہا جاتا ہے جسے جملہ اُمور سپرد کئے جائیں اور وہ ہر طرح سے اُن کے متعلق تدابیر جانتا ہو۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۝ (کیا وہ قرآن میں تدبّر نہیں کرتے) یعنی اس کے معانی میں تامل اور غور کریں کہ اس میں کیا اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔ دراصل تدبیر شے کے انجام کار اور اس کے نتیجہ پر نظر کرنے کو کہتے ہیں اب ہر قسم کے تامل و فکر کو تدبیر کہا جاتا ہے۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ (اور اگر وہ غیر اللہ سے ہوتا) یعنی یہ قرآن اگر کسی بشر کا کلام ہوتا جیسے کفار کا خیال ہے لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ تو اس میں بے حد اختلاف پاتے کبھی معانی میں تناقض ہوتا کبھی اُس کے الفاظ میں اختلاف ہوتا اور پھر اُس کے بعض الفاظ فصیح ترین ہوتے اور بعض نہایت ہی رکیک۔ اور بعض عبادات میں بہت زیادہ معارضہ ہوتا اور بعض میں معمولی طور اور پھر جتنا آئندہ کے متعلق

خبریں دی ہیں انمیں بعض صحیح ہوتیں اور بعض غلط۔ اسی طرح بعض احکام عقل کے موافق ہوتے اور بعض عقل سے ماورا جیساکہ استقراٗ کے طور انسانی تفکرات کے متعلق عموماً ہوتا ہے اس لئے کہ قوائے بشریہ میں کمی اور نقصان ہوتا ہے۔

مسئلہ کوئی شخص یہ کہے کہ کلام اللہ کا بعض حصّہ دوسرے بعض سے زیادہ بلیغ ہے ایسا کہنا شرعاً جائز ہے یا نہ اُس کے متعلق تفصیل ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتقان[1] میں لکھا ہے اگرچہ بعض حضرات نے ایسے کہنا جائز کہا ہے لیکن یہ ان کی غلطی ہے انہیں بلا غور و فکر جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

سوال بہت سے معتبر علمأ سے منقول ہے جو کہتے ہیں "هٰذَا الكلام اَبْلَغُ مِنْ هٰذَا۔ یہ کلام الٰہی کا موقعہ فلاں سے زیادہ بلیغ ہے" پھر تم کون لگتے ہو اُسے غلط اور ناجائز کہنے والے؟

جواب بزرگوں کے کلام کو سمجھنے کے لئے بھی عقل و فہم ضروری ہے اُن کے اس مقولے کا مطلب وہ نہیں جو تم نے سمجھا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کلام ایک ایسے موقعہ و محل پر واقع ہوا ہے کہ وہ اس موقعہ و محل کے لحاظ سے حسین و لطیف ہے۔ اور پھر دوسرا کلام دوسرے موقعہ و محل پر واقع ہوا ہے تو وہ اس موقعہ و محل کے لحاظ سے احسن و الطف ہے۔ یعنے موقعہ و محل کے وقوع ایک دوسرے سے بلیغ تر ہیں۔ لیکن کلام الٰہی میں موقع و محل سے قطع نظر ہر دونوں اپنے مقام پر ابلغ ہیں۔ اس تقریر کی بنأ پر اللہ تعالیٰ کے کلام کے کسی مقام کو دوسرے مقام کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اس سے ابلغ و اکمل ہے اس لئے اہل شرع نے روکا ہے کہ کہا جائے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ سب سے ابلغ ہے (دوسری آیت میں ابو لہب پر نقصان و خسران کی بددعا ہے) اس نقصان و خسران کی بددعا کا کوئی ابلغ و احسن اور کوئی کلام نہیں اور نہ مخلوق سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آیت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرنے میں بہت زیادہ بلیغ و حسین و لطیف ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا کلام نہ ہے اور نہ کسی سے بن سکتا ہے یہ دونوں کلام اپنے مقام و محل وقوع کے لحاظ سے بلیغ ترین و حسین و لطیف ترین ہیں۔ بلاغت کا عالم ان ہر دو نوں "تبت یدا ابی لھب" کو بددعا اور قل ھو اللہ احد کو توحید الٰہی کے بیان کے محل وقوع کو دیکھ کر بالکل نہیں کہہ سکتا کہ اُن میں ایک کلام اُس دوسرے کلام سے بلیغ تر ہے۔

مسئلہ بعض محققین کرام (رحمہم اللہ تعالےٰ) نے فرمایا جزوی طور کلام الٰہی کے ایک حصّے کو کسی دوسرے حصّہ سے افضل و اکمل کہنا جائز ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ "قل ھو اللہ احد" "تبت یدا ابی لھب" سے افضل و اعلیٰ ہے اس لئے کہ قل ھو اللہ میں فضیلت کی چند وجوہ ہیں۔

① ذکر کی فضیلت کہ یہ کلام خدا ہے۔

---

[1] اُصول تفسیر پر بہترین کتاب ہے ۱۲۔ (اُویسی غفرلہٗ)

② مذکور کی فضیلت کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے ۔
③ پھر اُس کی توحید کا بیان
④ اس میں اس کی صفات ایجابیہ وسلبیہ کا ذکر ہے ان وجوہ سے قل ھو اللہ احد کو تبت یدا الخ افضل و اعلیٰ کہنا جائز ہے کہ تبت یدا الخ میں صرف ایک فضیلت ہے کہ وہ کلام خدا ہے ۔

سوال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پہ فرمایا کہ فلاں سورہ افضل ہے وغیرہ وغیرہ؟

جواب امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواہر القرآن میں اُس کے متعلق جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ کلام الٰہی کی بعض صُورتیں اجر و ثواب کے لحاظ سے ایک دوسری سے افضل و اعلیٰ ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ کلام الٰہی کا کوئی ایک حصہ کسی دوسرے حصہ سے افضل و اعلیٰ ہے اس لئے کہ کلام الٰہی اس حیثیت سے کہ وہ کلام خدا ہے کہ وہ مرتبہ اور فضیلت کے لحاظ سے برابر ہے کسی قسم کی ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ہاں اجر و ثواب میں زیادتی و کمی ایک علیحدہ بات ہے اسے ہمارے موضوع سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔

فائدہ ہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایک دوسرے پر افضلیت کے اس لئے قائل نہیں کہ اس کا کلام قدیم اور ازلی و ابدی ہے اور ترکیب و ترتیب سے منزہ و پاک ہے اس میں تفضیل و ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[1]

فیصلہ از صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے کہ یہ آیت نہایت درجہ کی بلیغ ہے ۔ مثلاً قاضی بیضاوی نے " قبل یا ارض ابلعی ماءك ویاسماء اقلعی" کے متعلق لکھا ہے کہ ان ھذ الآیۃ فی غایۃ الفصاحۃ (بے شک یہ آیت انتہائی فصیح ہے) قاضی صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ طبقات فصاحت و مراتب بلاغت میں ایک آیت کو دوسری سے ترجیح دینا جائز[2] ہے مثلاً کسی شاعر نے کہا ہے

① دربیان و در فصاحت کے بود یکساں سخن
گرچہ گوینده بود چوں حافظ و چوں اصمعی

② درکلام ایزد بیچوں کہ وحی منزلست
کے بود تبت یدا مانند یا ارض ابلعی

---

[1] یہ مسئلہ ایک عرصہ معتزلہ کے ساتھ اہلسنت معرکۃ الآرأ رہا۔ اب اُس کی تفصیل و تشریح کی ضرورت نہیں اس لئے کہ معتزلہ رہے اور نہ مسئلہ۔ ہاں کسی کو شوق ہو تو علم کلام کا مطالعہ کرے ۱۲ (اُویسی غفرلہٗ)

[2] یہ صرف صاحب روح البیان کا خیال ہے ورنہ حق بات وہی ہے جو امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمائی۔ جس کی تشریح اس بحث کی ابتداء میں گذری ہے ۱۲۔ (اویسی غفرلہٗ)

ترجمہ ① فصاحت و بلاغت میں سخن برابر کیسے ہو سکتے ہیں اگرچہ بولنے والے حافظ شیرازی اور اصمعی جیسے ہوں۔
② کلام الٰہی جو کہ وحی منزل ہے اسمیں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "تبت یدا" یا "ارض ابلعی" ایک جیسی ہیں۔

فائدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت قرآن پاک سے تین وجوہ سے ثابت ہوئی۔
① قرآن پاک کے الفاظ فصاحت کی انتہائی منزل پر ہیں کہ جن سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہ کلام خدا ہے۔
② اسمیں ایسی غیبی خبریں ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا۔
③ اس کلام میں تناقض و تضاد بھی نہیں۔

فائدہ کلام الٰہی کے تناقض و تضاد سے صحیح و سالم ہونے کی ایک دلیل یہ ہے جسے علمائے متکلمین نے بیان فرمایا ہے کہ یہ قرآنِ مجید ایک مبسوط کتاب ہے جو مختلف فنون اور متعدد علوم پر مشتمل ہے۔ اگر یہ کتاب منزل من اللہ نہ ہوتی تو اسمیں متعدد غلطیاں ہوتیں اس لئے کہ اتنی بڑی کتاب میں غلطیوں کا ہونا لازمی بات ہے جب اس میں کسی قسم کی غلطی نہیں تو ثابت ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے نہ کہ کسی بشر کا۔ جب یہ بات مانی گئی تو ہم نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا اسی لئے جو حضور علیہ السلام کی اطاعت کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔

فائدہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انسان کو دینی و دنیوی منافع سے بھرپور کرتی ہے اور وہ دارین میں مشرف و مکرم ترین انسان سمجھا جائے گا جو اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں سرگرم ہے۔ دیکھئے ایک کتے نے محض طاعت الٰہی سمجھ کر اصحابِ کہف کی تابعداری کی تو اسے بہشت کا ٹکڑا مل گیا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پے مردم گرفت و مردم شُد

ترجمہ: اصحابِ کہف کے کتے نے نیک لوگوں کے قدم پکڑے تو وہ بھی آدمی (کیطرح بہشتی) ہوگیا۔

سبق جب اطاعت گذار لوگوں کی غلامی کا یہ حال ہے تو پھر خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی میں کتنا شان بلند ہوگا۔

نکتہ زکوٰۃ کے انکار سے نماز قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے لیکن والدین کی خدمت سے دُوری اور نفرت ہو تو پھر اس شخص کا کیا حشر ہوگا تو اطاعتِ الٰہی کو مانتا ہے لیکن اطاعتِ رسول کا منکر ہے تو یہی کہا جائے گا کہ منکرِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادت و اطاعت بیکار بلکہ وہی عبادت و اطاعت اُس کے منہ پر ماری جائے گی۔ (اس سے پرویزی و چکڑالوی اپنے انجام کا سوچیں)۔

تفسیر صوفیانہ: چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اوصاف کریمانہ کی وجہ سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ قائم مع اللہ اور حقیقی خلیفۃ اللہ تھے آپ جو بھی مخلوق سے معاملہ کریں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (تو نے کنکریاں نہیں ماریں جب ماریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ماریں) اور فرمایا إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (وہ لوگ جو آپ کی بیعت کرتے ہیں بے شک وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں)۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کا آپ وارث و مالک ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی آپ سے رُوگردانی کرے تو آپ اُس کے محافظ و نگران نہیں جب آپ کے وہ نگران و محافظ نہیں تو آپ ان کے لئے کیسے ذکر کرتے ہیں بلکہ انہیں یقین کرنا چاہیئے کہ وہ آپ سے روگردانی نہیں کر رہے بلکہ وہ مجھ سے دُور بھاگ رہے ہیں اب اُن کا حساب میرے سپرد ہے میں جانوں اور یہ۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ" زمیں دورِ حاضرہ جیسے اہلِ ارادت لوگ مراد ہیں کہ جب وہ اہل اللہ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو بزرگوں کی ولایت کے انوار کی شعاعیں اُن کے دلوں پر پڑتی ہیں تو ان کے ایمان کی رونقیں بڑھ جاتی ہیں اور اُن کی ارادت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور نہایت ہی غور و خوض کر کے اللہ والوں کی باتیں سنتے ہیں اور سُن کر آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں جب حق و عرفان کی باتیں اُن کے کانوں میں پہنچتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اللہ والوں کے ارشادات قبول کئے ہیں اور انہی ارشادات پر نہ صرف عمل کرتے ہیں بلکہ اُن کی اشاعت پر جان کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن جب وہ اللہ والوں سے دُور ہوتے ہیں تو خواہشات نفسانی اور حرص و ہوا کے دلدادہ ہوجاتے ہیں اور ولایت کے مرکز سے ہٹ کر نفس و شیطان کے احکام کے تابع بن جاتے ہیں پھر ان میں ایک گروہ تو وہ ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کرام کے ارشادات کی سراسر خلاف ورزی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس قوم کے حالات بگاڑتا ہے جن کے کردار غلط ہوتے ہیں اسی لئے آپ اُن سے درگزر کیجئے اور جیسے کرتے ہیں اُن پر سختی نہ کیجئے بلکہ اُن کے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے ممکن ہے اس طرح سے اللہ تعالیٰ اُن کے حالات دُرست فرمادے اور انہیں اُن کی غلطیوں کی سزا نہ دے اور اُن کا انجام بخیر ہوجائے اور اللہ تعالیٰ متوکلین کے حالات کی کفالت فرماتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اُن کے لئے بہتری کا سامان بناتا ہے بیماریوں کی خرابیوں کو بیان کرنے کے بعد اس کا علاج بھی بتایا ہے کما قال "افلا یتدبرون القرآن (تو کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے)۔

فائدہ: اگر سالکان راہ ہُدیٰ قرآن میں تدبر اور اُس کے معجزات کے آثار میں تفکر اور انوارِ ہدایات و نظم آیات اور کمال فصاحت و جمال بلاغت میں غور و خوض کریں اور توجہ کر کے دیکھیں کہ اس کے کتنے عظیم الشان الفاظ اور فخیم المراتب معانی اور بہترین سیاق و سباق ہے اور معلوم کریں کہ اس میں کتنے ان گنت اسرار و حقائق اور دقیق اشارات و لطائف اور امراضِ قلوب کے بہترین قسم کے علاج ہیں کہ اُن کے استعمال سے تمام گناہ دھل جائیں۔ بندوں کو مذکورہ بالا امور

بجالانے پر ہر بیماری کا علاج اور ہر مرض کی شفا اور ہر آنکھ کی ٹھنڈک اور ہر چہرہ کی رونق اور کاسۂ دل کو صاف تر پائیں اور دریا کے حقیقت کو پہنچ جائیں کہ جس کے عجائبات غیر منقطع ہیں اور ایسے جنگل میں پہنچیں کہ جس کے غرائب ختم ہونے والے نہیں اور ایسے روح سے مالا مال ہوں کہ جس کے بغض و حسد نہیں نہ ہی اسمیں خلاف ہے اور نہیں ایسی بہشت نصیب ہو کہ جس میں کوئی تناقص اور اختلاف نہیں اور انہیں معلوم ہو کہ اگر یہ غیر اللہ سے ہوتا تو اسمیں اختلاف کثیر پاتے اور نہ ہی اس میں کمی ہے اور نہ ہی نقصان[1]۔

① چوں تو در قرآن حقے بگریختی

باروان انبیاء آمیختی

② ہست قرآن حالہائے انبیاءٔ

ماہیانِ بحرِ پاک کبریا

③ ور بخوانی و نہٗ قرآن پذیر

انبیاءٔ و اولیاء را دیدگیر

ترجمہ: ① اگر تو حق کے قرآن کی طرف رجوع کرے گا تو تمہیں انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ میں حاضری کا موقعہ نصیب ہوگا۔

② کیونکہ قرآن انبیا علیہم السلام کے حالات ہیں وہی بحر کبریا کی مچھلیاں زیبراک ہیں

③ اگر تو اسے پڑھ کر قبول نہیں کرتا تو انبیاءٔ و اولیاء کو کیا دیکھ سکے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا جَآءَهُمْ (اور جب ان کمزور مسلمانوں کو پہنچا) اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ (کوئی امر امن یا خوف) یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکروں کی خبریں کہ انہیں فتح و نصرت نصیب ہوئی یا شکست یا تکلیف۔ اَذَاعُوْا بِهٖ[2] تو وہ اُسے عام پھیلا دیتے اور ہر ایک کو بتا دیتے ہیں۔ ناتجربہ کاری کی بنا پر کہ یہ خبر کسی کو بتانی ہے یا نہ اور نہ ہی انہیں اُمور فہمی کی لیاقت و اہلیت ہے اس لئے کہ اُن کے ایسے اُمور کو عام بیان کر دینے سے فتنہ اٹھتا ہے۔

حل لغات

اذاعَ السر و اذاع بہ کا ایک معنے ہے یہاں پر اِذَاعُوْا بہ میں بٔ زائدہ ہے وَلَوْ رَدُّوْهُ اور اگر وہ خبر پیش کرتے۔

اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ (رسول علیہ السلام اور اپنے میں سے تجربہ کار حضرات

---

[1] التاویلات نجمیہ۔ [2] انہوں نے راز فاش کر دیا۔

کے سامنے اغرضیکہ وہ ان اُمور کے درپے نہ ہوتے اور ان باتوں کو اُن سُنا سمجھ کر رسول علیہ السلام اور صحابہ کبار جیسے خُلفأ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے گرامی پر چھوڑ دیتے۔

فائدہ یا اولوالامر سے یہاں پر لشکروں کے امیر مراد ہیں۔ ہم نے کبار صحابہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ انہیں معاملہ فہمی اور مسلمانوں کے اُمور میں کافی ودانی سمجھ بوجھ تھی۔ وہی حقیقی اولی الامر تھے۔ اگرچہ انہیں بعض حضرات کو حکومت وسلطنت کا موقعہ بھی نہ ملا اُمرأ کو اس لئے اولی الامر کہا جاتا ہے کہ ان میں لوگوں کے معاملات میں فہم وادراک ہوتا ہے۔

لَعَلِمَهُ (تو وہ امور کو جانتے جیسے وہ ہیں اُن کی تدبیر کو صرف وہی جانتے ہیں۔ **الَّذِيْنَ** (یعنی حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولی الامر۔ **يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ** (جوانہیں سے اپنی تجربہ کاری اور غور وفکر کرنے کی اہلیت و صلاحیت کی وجہ سے جنگوں کے معاملات اور اُن کی ہیرا پھیری کو خوب جانتے ہیں۔ پھر اُن کے لئے تدبیری اُمور سے مکمل طور واقف ہیں۔

حل لغات استنباط" بمعنے اخراج النبط" یعنی کنوئیں سے وہ پانی نکالنا جو کنواں کھودتے وقت پہلا پانی نکلتا ہے چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں "انبط الحفار" یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی تک پہنچ جائے اور اہل عراق میں اُن لوگوں کو بھی نبط کہتے ہیں جو بطائح میں ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ زمین سے پانی نکالا کرتے تھے۔

شان نزول بعض لوگ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بعض اُمور سُن لیتے۔ مثلاً یہ کہ فلاں علاقہ میں فی الحال جنگ نہیں کرنی۔ اتنا عرصہ تک اُن سے امن کے ساتھ گذاریں گے اور فلاں علاقہ میں فلاں عرصہ تک جنگ کریں گے وغیرہ وغیرہ یہ باتیں سن کر بعض کچی طبیعت کے لوگ عام پھیلا دیتے جو رفتہ رفتہ ان دشمنوں کو معلوم ہو جاتا جن سے اسلام کا مقابلہ تھا۔ اس سے اہل اسلام کو تکلیف ہوتی۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرمائی ہے کہ ایسے اُمور کو بجائے عام افشأ کے اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے مخصوص یاروں کو بتادی جائیں اور پھر اُن کی رائے پر چھوڑ دیا جائے اور تم سُننے کے بعد ایسے ہو جاؤ گویا تم نے کچھ سُنا ہی نہیں۔ تو اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے اُمور کو وہ سمجھتے ہیں جنہیں جنگوں کی تدبیریں معلوم ہیں۔ وہ چاہیں تو عام افشا کی اجازت دیں چاہیں انہیں مخفی رکھیں۔

فائدہ آیت میں ہر لحاظ سے مستنبطین سے حضور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اولی الامر صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم مراد ہیں۔ اور **يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ** میں من تبعیضیہ یا بیانیہ یا تجریدیہ ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ افشائے اسرار ناجائز ہے۔

لطیفہ کسی ادیب سے پوچھا گیا کہ تم مخفی راز کو کس طرح چھپاتے ہیں تو اس نے کہا میں راز مخفی کے لئے بمنزلہ قبر کے

ہو جاتا ہوں۔ (یعنی جس طرح قبر کے اندر کی بات سے باہر عوام بے خبر ہوتے ہیں۔ ایسے ہی میرے اندرونی اسرار سے بھی کوئی واقف نہیں ہو سکتا)۔

نکتہ مقولہ مشہور ہے کہ صدور الابرار قبور الاسرار (بزرگوں کے سینے مخفی اسرار کی قبریں ہیں)
مثنوی شریف میں ہے۔

(۱) در بگوئی با یکے در الوداع
کُلُّ سِرٍّ جَاوَزَ الْاِثْنَیْنِ شَاعْ

(۲) نکتہ کان جست ناگہ از زبان
ہمچوں تیرے دان کہ جست آں از کمان

(۳) وآں گردد از رہ آن تیر اے پسر
بند باید کرد سیلے راز سر

ترجمہ (۱) اگر جب تم کسی کو راز بتاؤ تو قاعدہ ہے کہ راز جب دو کے درمیان آیا تو پھر پھیل گیا
(۲) وہ نکتہ جو اچانک زبان سے نکل گیا یہ اس تیر کی طرح ہے جو کمان سے نکلا۔
(۳) وہ تیر کیسے واپس آ سکتا ہے اسی لئے سیلاب کو شروع میں ہی بند کرنا ضروری ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ صاحبانِ سلوک پر جب کوئی راہ از باب اُنس و ہیبت یا حضور یا غلبۂ صفات جمال و جلال کے آثار سے کھل جاتا ہے تو وہ غیروں کو بتانے شروع ہو جاتے ہیں اگر ایسے موقعہ پر ان کا رجوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں اور اولی الامر کی سیرتوں کی طرف ہو یا در ہے کہ اولوالامر سے وہ مشائخ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے اور واصل باللہ ہیں (جس کا شیخ کامل ہو وہ ہی حقائق اشیاء کو پورے طور جانتا ہے) مشائخ ہی اوصاف بشریہ کے بحر میں غوطہ لگا کر علوم و فنون اور حقائق معرفہ کے جواہر اور موتی نکال سکتے ہیں ہم عوام ایسے اسرار سے یکسر خالی ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ (اور اگر تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی)۔
یہاں پر فضل اللہ و رحمتہ سے رسل کرام کو بھیجنا اور کتابیں نازل کرنا مراد ہے۔

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ (البتہ تم گمراہی و کفر میں شیطان کی پیروی کرتے) **اِلَّا قَلِيْلًا** ہاں بہت تھوڑے تم میں سے بچ جاتے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل کامل عطا فرمایا ہے کہ وہ شہوات نفسانی کی اتباع نہیں کرتے اور راہِ حق و صواب پر پہنچتے ہیں اور نہ ہی شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا زمانہ انہیں نصیب ہو سکا جیسے زید بن نوفل اور ورقہ بن نوفل اور دیگر وہ حضرات جو حضور

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دین پر تھے۔

حضرت شیخ نجم الدین قدس سرہٗ اپنی تاویلات میں لکھتے ہیں کہ اِلَّا

فضائل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قَلِیْلاً کے استثنا میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اس لئے کہ آپ حضور نبی پاک کی بعثت مبارکہ سے پہلے دین حق کے متلاشی تھے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنی ماں اور باپ کے متعلق یقین رکھتی ہوں کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل دین حق کے پابند تھے اور قبل از بعثت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر روزانہ صبح وشام تشریف لاتے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تھان کے دو گھوڑوں کی طرح تھے لیکن میں نے نبوت میں سبقت کر لی ہے اس لئے انہیں میری تابعداری کرنی پڑی اگر (خدانخواستہ) وہ سبقت کر جاتے تو مجھے اُن کی تابعداری کرنی پڑتی۔

فضائل حضور نبی پاک

آیت میں فضل اللہ ورحمۃ سے حقیقی طور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل آیات ہماری اس تقریر کی تائید کرتی ہیں۔

① هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا اِلٰی اِنْ قَالَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (وہ اللہ جس نے ان پڑھوں میں رسول بھیجا ... یہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

② وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (ہم نے آپ کو رحمۃ اللعلمین بنا کر بھیجا)۔

دیگر دلیل

اگر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لاتے اور نہ ہی اعلان نبوت فرماتے تو ہم گمراہی کے جنگل میں حیران رہ کر مر جاتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے یہ لوگ سب کے سب گمراہی میں تھے اور بیچے نابدار ہو کر جہنم کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ چونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا فضل و رحمت الٰہی بن کر تشریف لائے اس لئے آپ کے صدقے انہیں جہنم سے بچاؤ نصیب ہو گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر تھے تو اللہ نے تمہیں اس سے بچایا)۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

خویشتن را خواجۂ عرصات گفت

انما انا رحمۃ مہداۃ گفت

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے خود کو میدان حشر کا سردار اور رحمۃ مہداۃ کہا۔

اور ھدائیؒ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) سرمایۂ سعادت عالم محمد است
مقصود از یں طینت آدم محمد است

(۲) در صورت آدم آید اگرچہ مقدما
در معنٰی پیشوائے مقدم محمد است

(۳) اگرچہ ہدائی رسالت محترم است
محبوب حق محمد خاتم محمد است

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ: (۱) جملہ عالم کی سعادت کا سرمایہ محمد ہیں اس آب وگل کے جہان سے مقصود صرف محمد ہیں۔

(۲) اگرچہ بظاہر آدم علیہ السلام آپ سے پہلے تشریف لائے لیکن درحقیقت محمد اُن سے پہلے تھے۔

(۳) اے ہدائی (شاعر) رسالت محترم ترین عہدہ ہے لیکن محمد تو محبوب حق بھی ہیں اور خاتم الانبیاءؑ بھی (صلی اللہ علیہ وسلم)

تخلیق محمدی کا اجمالی خاکہ بعض حکماء سے منقول ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق یوں فرمائی کہ سر مبارک برکت سے آنکھیں حیاء سے اور کان پاک عبرت سے زبان پاک ذکر سے لب مبارک تسبیح سے چہرہ رضا سے اور سینۂ شریف اخلاص سے قلب اطہر رحمت سے فواد مبارک شفقت سے ہتھیلیاں شریف سخاوت سے اور مُوہائے مبارک (بال) بہشت کی انگوریوں سے اور لعاب دہن بہشت کے شہد سے جب آپ کو اُمور بالا سے مکمل فرمایا تو پھر انہیں اُمت کا رسول بنا کر بھیجا اور فرمایا اے لوگو! یہ میرا تحفہ ہیں جو میں تمہیں عطا کر رہا ہوں۔ فلہذا میرے اس بہترین تحفے کو پورے طور پہچانو اور اُن کی عزت وعظمت کو جانو۔[1]

ازالۂ توہم اور شان مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرح آسمان پر اس لئے نہیں اُٹھایا گیا تاکہ آپ زمین پر تشریف رکھ کر عالم دنیا کے باسیوں کی رہبری فرماتے رہیں اور آپ کی بدولت نظام عالم صحیح رہے اس لئے کہ آپ مظہر ذات اور طلسم کائنات ہیں۔ بنابریں جمیع کائنات کا نظام آپ کے وجود مسعود سے ہے (کذا فی الواقعات المحمودیہ ناقلا عن حضرت الشیخ الشہیر آفندی قدس سرہٗ)۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یہ فا جزائیہ اور جملہ شرط مقدار کی جزا ہے دراصل عبارت یوں تھی۔ اِنْ تثبط المنافقون وقصر الآخرون الخ اگر منافقین پیچھا چھڑانے کی کوشش اور دوسرے لوگ بھی کوتاہی کرتے

[1] زہرۃ الریاض۔

اور آپ کو اکیلا چھوڑ کر جانے تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اکیلے ہی اس راستہ میں لڑائی کریں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف لے جاتا ہے جسے جہاد سے تعبیر کرتے ہیں آپ اُن کی غلط کرداری کی پرواہ نہ کیجئے ۔ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ (صرف اپنے نفس کو ہی تکلیف میں ڈالئے) ۔ نَفْسَكَ لاتکلف (فعل مجہول) کا مفعول ثانی ہے اب مطلب یہ ہوا کہ اُن کی مخالفت اور اُن کا جہاد پر نہ جانا آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ فلہذا آپ جہاد کے لئے آگے بڑھئے ۔ اس لئے کہ آپ کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ لشکر ۔

فائدہ تکلف اُس فعل کو کہا جاتا ہے جو مشقت یا تصنع سے ہو اس میں وہ محمود ہے جو اوّلاً ہی مشقت سے کیا جائے پھر اُس سے اُنس ہو جائے تو محبت سے ادا کیا جائے کہ جسے عبادات الٰہی جو اللہ والے بجالاتے ہیں اور مذموم وہ ہے جو بطور ریا اور تصنع کے ہو ۔

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور اہل اسلام کو جہاد کی ترغیب دیں) اس کا ثواب بیان کریں اور تارکِ جہاد کو ڈرسنائیں یا انہیں فتح و نصرت کا وعدہ دیں اور مالِ غنیمت کے حصول کی خوشخبری سنائیں ۔ لیکن آپ صرف انہیں ترغیبی باتیں بتائیں لیکن آپ مامور نہیں کہ انہیں مجبور کریں ۔

شانِ نزول حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے بعد ابوسفیان سے وعدہ فرمایا کہ پھر تمہاری اور ہماری ملاقات بدر صغریٰ ذیقعد کے مہینہ میں ہوگی ۔ بدر صغریٰ ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دُور ہے اور اُسے حمراء الاسد بھی کہا جاتا ہے ۔ جب غزوۂ بدر مذکور کا دن آیا تو آپ نے اپنے صحابہ کو روانگی کا فرمایا اس پر بعض لوگوں کو ناگوار گذرا گویا جنگ پہ جانے سے کترانے لگے تو یہی آیت اُتری ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور ستر سوارے کر بدر کی طرف روانہ ہو گئے اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی چنانچہ فرمایا:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ (قریب ہے اللہ تعالیٰ روکے گا) ۔ بَأْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (ان لوگوں کا خطرہ جنہوں نے کفر کیا) ۔

حل لغات بأس لغت میں بمعنے وہ شے جو طبع کو ناگوار ہو ۔ عرفِ عام میں مقام جنگ اور قتال کو کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ (اور وہ محاذِ جنگ پہ نہیں آتے) ۔

فائدہ دربارہ عسیٰ لفظ عَسٰی اللہ تعالیٰ کے لئے مستعمل ہو تو وجوب کا فائدہ دیتا ہے اس لئے کہ در اصل لغت میں اسے دوسرے کو طمع دینے کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے اگر کریم طمع کی اُمید دلائے تو وہ اپنے عہد کو پورا فرماتا ہے چنانچہ اس موقعہ پر بھی ایسے ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے وعدہ فرمایا تو پورا کر کے دکھایا کہ اس جنگ میں کفار پر اہلِ اسلام کا رعب چھا گیا یہاں تک کہ وہ مرالظہران کے مقام سے ہی واپس چلے گئے ۔

فائدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر صغریٰ کے موقعہ پر حسبِ وعدہ تشریف لائے اور آٹھ راتیں مسلسل وہاں بسر

فرمائیں۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے پاس تجارتی سامان تھا۔ بدر صغریٰ کے بازار میں بیچا تو بہت نفع حاصل ہوا۔ جس کی تفصیل ہم نے سورہ آل عمران میں لکھ دی ہے۔

وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا (اور اللہ تعالیٰ جنگ کی تقویت دینے میں بہت بڑی طاقت رکھتا ہے) وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا ۝ (اور اسلام کے دشمنوں کو عذاب اور بڑی سخت سزا دیتا ہے۔ اور اس سزا اور عذاب کا مشاہدہ ہر اس شخص کو ہوگا جسے یہی سزا اور عذاب پہنچیں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ہر دونوں دنیا میں ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک دنیا میں ہو اور دوسرا آخرت میں پھر اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

① تمہیں جو کچھ جنگ وغیرہ سے تکالیف و شدائد پہنچتے ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت تر ہے اس لئے کہ تم سے دکھ اور درد اور تکالیف منقطع ہو جائیں گے پھر تم بہشت میں جاؤ گے اور کفار و منافقین جہنم میں رہیں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

② جب اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت تر ہے تو پھر اُس سے ڈرنا ضروری ہے اور جیسے اُس نے جنگ کا حکم فرمایا ہے اُس کے خلاف ہرگز نہ ہو اور یہ وعید ہے۔

③ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت تر ہے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب سے بچائے گا اور اس کا امر تمہیں کفایت کرے گا۔ اسمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وعدۂ خیر سے نوازا ہے۔

فائدہ جنگ پہ نہ جانے والوں کو بزدلی نے گھیرا انہیں خطرہ تھا کہ ہم کفار سے مغلوب نہ ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

فوائد عجیبہ
① قوت یقین دین کے مال کا راس المال ہے۔
② مومن کامل کے لئے موت تحفہ ہے بالخصوص جس کی زندگی جہاد میں گذرے۔
③ دنیا جلد تر مٹنے والی ہے اُس کی کوئی شے بھی باقی نہیں رہے گی۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مندرجہ ذیل اشعار بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ ؎

① لا شیئ مِمَّا نَرٰی تبقی بشاشتہ
یبقی الِاِلٰہُ ویردی المال والولد

② لم تغن عن ھرمز یوماً خزائنہ
والخلد قد حاولت عاد فما خلدوا

③ ولا سلیمان اذ اتجری الریاح لہ
والانس والجن فیما بینھما تردد

۴ این الملوک التی کانت لعزتھا
منْ کُلِّ اوب الیھاوفدلیفہ
۵ حوض ھنالک مَوْرُوْدبلاکذب
لابد من وردہ یومًاکماوردوا

ترجمہ: ۱ یہ تمام اشیاء جن کی رونقیں ہماری نگاہوں میں ہیں سب کی سب فنا ہو جائیں گی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو بقا ہے نہ ہمارے مال رہیں گے اور نہ اولاد۔
۲ موت سے ہُرمز کو نہ خزانے بچا سکے اور نہ ہی عاد کو اُس کی اپنی بنائی ہوئی خلد بچا سکی۔
۳ اور نہ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو موت نے چھوڑا کہ اُن کے جاہ وجلال کا یہ عالم تھا کہ آپ کو ہوا اُڑا کر لے جاتی تھی اور بے شمار انسان وجن بھی آپ کے ساتھ ہوتے۔
۴ بتاؤ وہ بہت بڑے بادشاہ کہاں ہیں کہ جن کی شان وشوکت کے آگے بڑے لوگ گردنیں جھکاتے تھے۔
۵ بہر حال قبر کے حوض میں ایک دن ہم نے ضرور داخل ہونا ہے جیسے ہم سے پہلے لوگ اسمیں داخل ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "فقاتل فی سَبِیلِ اللّٰہِ لا تکلف اِلاَّ نَفْسَکَ" معنی یہ ہے کہ طلب حق میں اپنے نفس کو مجاہدہ کے عادی بناؤ اس لئے طلب حق میں صرف اپنا نفس کام آئے گا نہ کسی اور کا۔ اس کی دوسری تقریر یہ ہے کہ جہاد میں کسی دوسرے کو اپنے لئے دکھ نہ پہنچائے اس لئے کہ حجاب تیرا اپنا نفس ہے نہ کہ کسی اور کا۔ نفس کو چھوڑ کر آگے بڑھتے چلو۔ تیرے لئے ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں انبیاء واولیا کے مابین حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اقدس کا ممتاز ہونا معلوم ہوگا۔ فانی النفس کی تو بات ہی کیا۔ اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باوجودیکہ وہ باقی النفس ہوں گے لیکن نفسی نفسی پکاریں گے اور ہمارے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُمتی اُمتی فرمائیں گے اس نکتہ کو پورے طور سمجھ (وَلاَ تَکُنْ مِنَ الوھابین) وحرِّضِ المؤمنین علی المُؤْمِنِیْنَ (یعنے اہل ایمان کو جہاد اصغر وجہاد اکبر کی ترغیب دیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہری وباطنی کافروں کے غلبہ کو تم سے روکے۔ ظاہری کافروں سے مراد کفار اور باطنی کافر سے مراد نفس ہے۔
واللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلاً۔ اللہ تعالیٰ تجلی صفت جلال کے وقت استیلائے سطوات صفات قہریں نفس پر کفار کے خوف وخطر سے زیادہ سخت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے

۱ اندریں رہ می تراش ومی خراش
تادمے آخر دمے فارغ مباش

۲) اے شہاں کشتیم با خصمی بروں
ماند خصمی زو بتر در اندروں

۳) کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست
شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

۴) سہل شیرے دانکہ صفہا بشکند
شیر آنست آنکہ خود را بشکند

ترجمہ ۱) اس راہ پر خوب چل آخر دم تک فارغ نہ بیٹھ۔
۲) اے بادشاہو مانا ہم نے بیرونی دشمنوں کو مار بھگایا لیکن سب سے بڑا دشمن تو اندر موجود ہے۔
۳) اس کا قتل کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں اور نہ ہی یہ شیر خرگوش کے قابو میں آسکتا ہے
۴) شیر صف شکن کو مارنا آسان ہے لیکن شیر وہ ہے جو خود کو کمزور کردے۔

تفسیر علمانہ مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّکُنۡ لَّهٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡهَا (جو شخص شفاعت حسنہ کرتا ہے تو اُسے بھی اُس سے حصّہ نصیب ہوگا۔ نصیب منہا سے سفارش کرنے کا ثواب اور وہ اجر مراد ہے جو اس خیر کا سبب بنا ہے۔ شفاعت حسنہ وہ ہے کہ جس میں مسلمان کے حق کی رعایت کے اُس سے شر کو دفع کیا جائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کو نفع پہنچایا جائے اور اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو اور اس سے کسی قسم کی رشوت نہ لی جائے لیکن وہ امر جائز بھی ہو۔ نہ تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں کسی حد کے متعلق ہو اور نہ ہی کسی مسلمان کے حقوق میں سے کوئی حق ہو۔

وَ مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَیِّئَةً (اور جو کسی کو بُری سفارش کرتا ہے (شفاعۃ سیئۃ شفاعت حسنہ کے برعکس ہوتی ہے۔ یَّکُنۡ لَّهٗ کِفۡلٌ مِّنۡهَا (تو اُسے بھی اس سے حصّہ ملے گا) یعنی جتنا کسی کے متعلق بری سفارش کرے گا اتنا قدر اُسے گناہ ہوگا اور جس کی سفارش کی ہے اس کے گناہ میں بھی کمی نہیں ہوگی۔

حکایت حضرت مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے لئے سفارش کی تو اُس نے ہدیۃً کوئی چیز آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہی اس پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہوتا کہ تو میرے ساتھ ایسے کریگا تو میں تیری سفارش نہ کرتا۔ اب یاد رکھ لے کہ آئندہ میں تیری کبھی سفارش نہیں کروں گا۔

فائدہ زمخشری کے بلاغات سے مقولہ مشہور ہے کہ اسلام میں دو چیزیں نہایت بُری ہیں۔

۱) شفاعۃ فی الحدود

۲) رشوت فی الاحکام

مسئلہ حدود اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام ہیں امام (حاکم وقت) پر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق سمجھ کر بندوں پر حد

قائم کرے تاکہ آئندہ اللہ کے بندوں کو نقصان نہ پہنچے۔

مسئلہ تعزیر کو شرعاً حد نہیں کہا جاتا اس لئے کہ اُس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس کی سزا زیادہ سے زیادہ انتالیس اور کم از کم تین کوڑے ہے۔

مسئلہ قصاص کو بھی حد نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ وہ خالص بندے کا حق ہے وہی قصاص کا مالک ہے وہ معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ معاف کر سکتا ہے۔

مسئلہ زانی غیر شادی شدہ کی حد سو کوڑا ہے اگر عبد مملوک ہو تو پچاس کوڑا۔

مسئلہ شراب کی سزا آزاد کے لئے چالیس اور مملوک کے لئے بیس کوڑے۔

مسئلہ حد زنا کی طرح شراب کی حد میں بدن کے مختلف حصّوں پر کوڑے مارے جائیں۔

مسئلہ حد قذف اور حد شراب کا ایک حکم ہے۔

مسئلہ جو شخص کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اُن کے مطالبہ پر بہتان تراش کو حد لگائی جائے کہ یہ حق العبد ہے کیونکہ ہر انسان اپنے سے ننگ و عار کو دفع کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

مسئلہ سرقہ (چوری) میں بھی حد کا مطالبہ مالک مال سے شرط ہے اگر وہ مطالبہ نہ کرے گا تو چور کو کوئی حد نہیں۔

فائدہ مذکورہ بالا حدود شرعیہ ہیں انمیں کسی کو سفارش کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ جب قاضی (حاکم وقت) کو یقین ہو جائے تو لازمی طور پر حد قائم کرے۔ فتوحات مکیہ شریف کے وصایا کے ترجمہ میں ہے کہ نزدیک حاکم در حدود اللہ شفاعت مکن "یعنی حاکم کے ہاں حدود اللہ کے بارے میں سفارش نہ کرنا۔

حکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عرض کیا گیا کہ فلاں شخص نے چوری کی ہے اور اس پر حد قائم ہونے والی ہے براہ کرم آپ حاکم وقت کو سفارش کیجئے تاکہ چور کو حد جاری نہ کرے۔ آپ نے فرمایا جو ایسی سفارش کرے اُس پر لعنت اور جو سفارش کو قبول کرے اس پر بھی۔ پھر فرمایا ہاں اگر حاکم کو اس کا علم نہ ہوتا اور تم پہلے کہتے تو مالک مال کو کہہ کر معاملہ رفع دفع کیا جا سکتا تھا۔

ازالۂ توہم چونکہ قصاص اور حدود میں فرق ہے اس لئے قصاص میں سفارش جائز ہے اس لئے کہ اس کے متعلق فضائل وارد ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ زبان کے صدقہ سے اور کوئی چیز افضل نہیں عرض کی گئی کہ زبان کا صدقہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی سفارش کہ جس سے کسی کا خون بچ جائے اور اُس سے دوسرے کو فائدہ پہنچے۔ اور کوئی بندہ خدا نقصان سے محفوظ ہو جائے۔ یہ حدیث شریف امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

فائدہ حدیث شریف کی فصاحت قابل ستائش ہے کہ انسان کی تھوڑی سی بات سے ایک بندہ خدا کو دنیاوی یا اُخروی منافع بے شمار حاصل ہوئے (یعنی قصاص معاف کرنے والے کو) اور دوسرے کو جان کی نصیب ہوئی اور بہت بڑے نقصان سے بچ گیا۔ (یعنی قاتل)

فائدہ فتوحات مکیہ شریف کے وصایا میں ہے کہ "جب کسی کی سفارش کرو تو اُس سے ہدیہ مت قبول کرو۔ اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے بھی سُود (ربا) میں شامل فرمایا ہے۔

حکایت حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ عرب میں کسی صاحب نے مجھے دعوتِ طعام پیش کی۔ میں نے قبول کی اور اُس کے گھر حاضر ہوگیا۔ جب اُس نے بہترین اور پُرتکلف دعوت تیار کرکے میرے پیش کی۔ میں کھانے کو تیار ہوا تو اُس نے عرض کی کہ مجھے فلاں بادشاہ سے کام ہے براہِ کرم آپ میری سفارش فرمائیں۔ وہ بادشاہ میری بات کو نہیں ٹالتا تھا۔ میں نے فوراً طعام سے ہاتھ اُٹھالیا اور اس سے وعدہ کیا کہ میں تیری سفارش کروں گا چنانچہ جاتے ہی بادشاہ سے اس شخص کے لئے کہا۔ بادشاہ نے اس کا کام کردیا جتنے اس شخص کے حقوق تھے اس نے تمام پُورے کردیئے لیکن یاد رہے کہ مذکورہ بالا حدیث شریف اس وقت میری نظر سے نہیں گذری تھی۔ میں نے صرف اپنی فطرت کے پیشِ نظر داعی کا طعام نہ کھایا۔ اور سمجھا کہ جسے میرے ہاں کام ہے تو یہ مروت کے خلاف ہے کہ میں اس سے کوئی فائدہ اٹھاؤں لیکن میرا ایسا کرنا مبنی بر فضل ربانی تھا۔

سبق مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ غرض انسان کے لئے صاحبِ حقوق سے سفارش کرے بلکہ اور یہ بھی حقوق اسلام میں داخل ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے عزت اور مرتبہ وجاہ بخشا ہو اور اس کی بات مانی جاتی ہو تو وہ صاحبِ غرض کے لئے سفارش کرے بلکہ حتی المقدور ضرورتمند کی ضرورت پُورا کرنے کے لئے جدوجہد کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① گر از حق نہ توفیق خیرے رسد

کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

② امید است ازانکہ طاعت کنند

کہ بے طاعتاں را شفاعت کنند

ترجمہ: ① اگر اللہ تعالیٰ سے توفیق نہ ہوتی تو بندے سے کب غیر کو خیر پہنچتی۔

② طاعت گذاروں سے اُمید ہے کہ طاعت نہ کرنے والوں کی سفارش کریں گے۔

مسئلہ یہ بھی شفاعت حسنہ میں سے ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے دُعا مانگے اس لئے کہ وہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں سفارش کر رہا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا مانگتا ہے تو اُس کی دُعا قبول ہوتی ہے پھر فرشتہ دُعا مانگنے والے کو کہتا ہے کہ تجھے بھی وہی نصیب ہوگا جو تو اپنے مسلمان بھائی کے لئے مانگ رہا ہے۔

مسئلہ ایسے ہی اُسے گناہ ہوتا ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے بد دُعا کرتا ہے۔

نکتہ غائبانہ دُعا اس لئے مستجاب ہوتی ہے کہ وہ دعا طمع لالچ اور ریا سے پاک ہے بخلاف اُس دُعا کے جو اپنے بھائی مسلم کے سامنے مانگی جائے کہ اسمیں طمع لالچ اور ریا کا شائبہ ہے اور غائبانہ تو صرف رضائے الٰہی کو مدِّ نظر رکھ کر دُعا مانگی جاتی ہے اس لئے مقبول ہوتی ہے۔

مسئلہ نماز میں یا ویسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کا تحفہ غائبانہ دُعا کے مشابہ ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے امت کا درود وسلام کا حکم فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے بھی امر فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ تاکہ اس دُعا کا بہترین صلہ بندے کی طرف لوٹے۔

نکتہ احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ہدیہ (فاتحہ) کا فتویٰ دیا ہے تاکہ اُمتی کو دعا نبوی کا بہترین صلہ نصیب ہو۔

سوال امام شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کے پیروکار فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی رُوح اقدس کے لئے فاتحہ دلانا ناجائز ہے اس لئے کہ اسمیں اُن کی شانِ اقدس کی بے ادبی کا شائبہ ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کے حق میں" رحمت کی دُعا کا اطلاق نہیں ہوتا یعنی انہیں رحمۃ اللہ علیہ نہیں کہا جاتا بلکہ علیہ السلام کہا جاتا ہے؟

جواب جب ہم نے پہلے عرض کر دیا کہ دُعا کرنے والے یا ہدیہ فاتحہ پیش کرنے والے کا ثواب اُس دُعا گو یا ہدیہ پیش کرنے والے کو واپس لوٹتا ہے پھر اس میں کونسا حرج ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ (اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے) اور بھلائی و بُرائی کی سزا دے سکتا ہے۔ مُقِيْتًا۔ اَقَاتَ عَلَى الشَّيْءِ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی شے پر قدرت رکھتا ہو۔ یا مُقِيْتٌ یا شَهِيْدٌ یا حَفِيْظٌ کے معنیٰ میں ہے۔

فائدہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اسماء حُسنیٰ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

① مُقِيْتٌ بمعنے خالق الاقوات ہے یعنی روزی پیدا کرنے والا پھر اُسے ابدان کی طرف پہنچانے والا یعنی انہیں طعام سے نوازنے والا اور دلوں کو معرفت سے منور فرمانے والا، اس اعتبار سے مقیت بمعنے رزاق ہوگا ہاں

رَزّاق "مُقِيتٌ" سے اعم ہے اس لئے کہ رزق قوت و غیر قوت ہر دونوں کو شامل ہے۔

فائدہ قُوۡتٌ اُس شے کو کہتے ہیں جو قوام بدن کے لئے مکتفی ہو۔

مُقِيتٌ بمعنے کسی شے پر قدرت یا غلبہ پانے والا

فائدہ یاد رہے کہ شے پر قدرت پانے کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب اُس پر پُورے طور غلبہ اور اس کا مکمل طور علم بھی ہو اس پر وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا دلالت کرتا ہے اس معنے پر مقیت بمعنے مطلع اور قادر کے ہوگا اس اعتبار سے مقیت کا رجوع علم و قدرت کی طرف ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ مقیت کو صرف قادر کے معنے میں لینے سے یہی معنے زیادہ موزوں ہے کہ اس میں قدرت کی صفت بھی پائی جاتی ہے اور علم کا وصف بھی اس سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جو کہا جاتا ہے کہ مُقِيتٌ اگر قادر کے معنے میں ہے تو اس سے اسمائے الہیہ میں ترادف پیدا ہوگیا اور اسمائے الہیہ میں ترادف نامناسب ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جس نے کسی دوسرے کے ساتھ بھلائی کی تو وہ بھلائی اُسے بھی نصیب ہوگی اس لئے کہ بھلائی کا قاعدہ ہے کہ وہ جانبین کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اسی طرح جو کسی دوسرے کو بُرائی پہنچاتا ہے تو وہی بُرائی اُسے بھی نہیں چھوڑے گی اس لئے کہ برائی کرنے والے کو برائی سے بھی حصہ نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا کہ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا (جو پاکیزہ شہر ہوتا ہے اُس کی زمین سے بہترین انگوری نہایت ہی بہترین نمودار ہوتی ہے اور جو گندگی سے پُر ہے اُس سے بمشکل چند دانے خارج ہوتے ہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ (اور اللہ تعالیٰ ازل سے ہے) عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا (ہر شے پر قادر ہے اور اسے اچھے اور بُرے کی پیدائش کا علم تھا) اسے ہر طرح کی قدرت ہے اور سب کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کا نگہبان ہے اور ہر ایک میں نیکی اور برائی کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کی ایسی استعداد کو کوئی بھی تبدیل نہیں کرتا (اسے پوری طور یاد کرلے) حضرت حافظ شیرازی رحمہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

نقش مستورے و مستی نہ بدست من و تست

آنچہ استاد ازل گفت بکن آں کردم

ترجمہ: نقش مستوری و مستی کا نہ میرے ہاتھ میں ہے نہ تیرے ہاتھ میں جو کچھ مالک ازل نے فرمایا کہ یہ کرو ہی میں نے کیا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست

نگاریدۂ دست تقدیر اوست

ترجمہ: تیری صورت حال بُری ہے یا اچھی اسی کی تقدیر کے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ (اور جب تمہیں السلام علیکم کہا جائے)۔ التحیۃ حیّی کا مصدر ہے جیسے تسمیۃ سمّی کا۔ دراصل تحییۃ تھا بروزن تفعِلۃ اور اس مصدر کا اصلی لفظ تحییی (تین یاؤں کے ساتھ) تھا۔ اس میں آخری یا حذف کر کے اس کے عوض تا تانیث لائی گئی۔ پھر پہلی یا کو دوسری یا میں ادغام کیا گیا لیکن اس کی حرکت نقل کر کے ماقبل (حا) کو دی گئی ہے۔

فائدہ تحیۃ دراصل درازئ عمر کی دُعا کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ بعد ازاں ہر دُعا میں مستعمل ہونے لگا۔ اس لئے کہ ہر نیک دُعا درازئ عمر کی قوت و کمال کا سبب بن جاتی ہے۔ یا اُس دُعا سے ہی اصلی مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

شانِ نزول اہل عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملاقی ہوتے تو کہتے حَیَّاكَ اللّٰہ (یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تا دیر زندہ رکھے اور تیری عمر میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے)۔ اور بعض کہتے عِشْ اَلْفَ سَنَۃٍ (خدا کرے تم ہزار سال زندہ رہو) شریعت مطہرہ نے ان تمام الفاظ کو ترک کر کے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا۔ فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ (اپنے بھائیوں کو السلام علیکم کہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں سلامتی نصیب ہو گی۔

مسئلہ نصاریٰ کا سلام منہ پر ہاتھ رکھنے سے ہوتا تھا اور یہودیوں کا انگلیوں کے اشارہ سے اور مجوسیوں کا سر جھکا کر۔

سوال اسلامی سلام کو عرب کے سلام پر فوقیت اور ترجیح کیوں۔ حالانکہ وہ بھی سلامتی کی دُعا مانگتے تھے اور تم بھی السلام علیکم کہہ کر سلامتی کی دُعا کرتے ہو۔ اس طرح سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے؟

جواب ① اسلامی سلام میں دینی اور دنیوی ہر دونوں کی آفات و بلیّات سے حفاظت کی دُعا مانگی جاتی ہے اس لئے کہ جب کوئی کسی کو کہتا ہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" تو وہ گویا اس کے لئے دارین کی بہبودی کا طلب گار ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ میں تجھے اپنی طرف سے سلامتی کی ضمانت دیتا ہوں اور تجھ سے سلامتی کا ذمہ لیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ وعدہ کر لو کہ تم مجھے ہر طرح کی امن و سلامتی سے نوازو گے اور یہ دُعا درازئ عمر کو بھی مستلزم ہے اور اگر صرف درازئ عمر کی دُعا مانگی جائے جیسے اہل عرب کے سلام میں ہے تو پھر مذکورہ بالا لوازمات اسمیں نہیں ملتے۔ بنا بریں اسلامی سلام کو عرب کے سلام پر فوقیت حاصل ہوئی۔

جواب ② اسلامی سلام کے اوّل میں لفظ اَلسَّلَامُ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک بھی ہے اور ظاہر ہے کہ جس امر کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے اسم مقدس سے ہو تو وہ باقی جملہ اُمور سے فضیلت رکھتا ہے۔ اب آیت کا معنےٰ یوں ہوا کہ جب تمہارے اوپر اہل ایمان کی طرف سے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہا جائے فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ (تو تم اُس کے جواب میں احسن طریق سے سلام کا جواب دو) مثلاً کہو "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" یہ اس وقت ہے جب وہ صرف اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے

اگر وہ بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو۔ خلاصہ یہ کہ تمہارے جواب میں "السلام" کا لفظ ضرور رہو اس لئے کہ یہ لفظ جمیع فنون مطالب کا جامع ہے یعنی اس میں جمیع آفات و بلیات سے حفاظت اور سلامتی کا پہلو پایا جاتا ہے اور اسمیں منافع ہی منافع ہیں اور مقاصد کا حصول بھی۔ یہی نکتہ ہے التحیات میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" کہنے کا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ والسلام نے فرمایا کہ جو تم میں کسی کو اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہتا ہے تو اس کے لئے دس بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو اس کے آگے وبرکاتہ کا اضافہ کرتا ہے تو اسے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

مسئلہ جو سلام میں پہل کرتا ہے تو وہ چاہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ" کہے چاہے سلام علیکم اس لئے کہ یہ لفظ تعریف و تنکیر کے ساتھ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اور فرمایا سلام علٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ لیکن تنکیر کے ساتھ بکثرت وارد ہوا ہے لیکن جائز ہر دونوں طرح ہے۔

مسئلہ نماز سے فراغت کے وقت اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ یعنی معرف باللام کہنا ضروری ہے اور اسمیں تمام فقہا کرام کا اتفاق ہے۔

نکتہ جمع کا صیغہ اس لئے ہے کہ جیسے وہ ایک مرد کو سلام کہہ رہا ہے ایسے ان دو فرشتوں پر بھی سلام مطلوب ہے جو اس کے کراماً کاتبین دائیں بائیں مونڈھے پر بیٹھے ہیں۔ پھر جب وہ فرشتوں کو السلام علیکم کہتا ہے تو وہ فرشتے بھی اسے سلام کا جواب دیتے ہیں اور ظاہر ہے جس پر ملائکہ السلام علیکم کہیں تو وہ عذاب الٰہی سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔

اَوْ رُدُّوْهَا (یا تم اس کی مثل جواب دو)۔

سوال تم نے مثل کا اضافہ کیوں کیا؟

جواب بعینہٖ اس سلام کا جواب تو محال ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اس کی مثل جواب دیا جائے اور مضاف کا حذف کرنا قرآن مجید میں مثلاً وَاسْئَلِ الْقَرْیَةَ "ای اهل القریة" بکثرت ہے۔

فائدہ کشاف میں لکھتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا گویا السلام علیکم کے کہنے والے کے قول کو مکرراً کہا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیك السلام ورحمة الله دوسرا حاضر ہوا تو اس نے عرض کی السلام علیك ورحمة الله آپ نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیك السلام ورحمة الله وبرکاته تیسرا حاضر ہوا اس نے عرض کی السلام علیك ورحمة الله وبرکاته آپ نے اس کے اس کے جواب میں صرف فرمایا وَعَلَیْكَ اس نے عرض کی حضور! یہ کیا ماجرا ہے کہ دوسرے جو کچھ عرض کرتے ہیں آپ اس پر اضافہ کر کے جواب دیتے اور آپ نے میرے لئے صرف وعلیك فرمایا ہے حالانکہ قرآن مجید میں احسن رد کا حکم ہے۔

آپ نے فرمایا کہ تو نے میرے لئے آگے کی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی اس کا یہی مطلب ہے حضور علیہ السلام کا وَعَلَیْکَ کہنا گویا یونہی ہوا کہ آپ نے فرمایا وَعَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ اس سے ثابت ہوا کہ السلام علیکم کے کہنے پر اس کی مثل جواب دینا چاہیئے۔

مسئلہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

سوال اگر سلام کا جواب دینا واجب ہے تو اَوْ رُدُّوْھَا میں اَو کیوں لایا گیا ہے جس میں تخییر کی طرف اشارہ ہے اور تخییر میں وجوب نہیں ہوتا۔

جواب اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ میں مطلقاً جواب دینا تو واجب ہے اس کے بعد کے الفاظ میں جواب دینے والے کو اختیار ہے خواہ آگے اضافہ شدہ الفاظ کہے یا نہ۔

مسئلہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کوئی کسی کو کہے کہ فلاں کو میرا سلام پہنچا دینا تو اسے اس کا سلام پہنچانا واجب ہے۔

مسئلہ خطوط میں جو السلام علیکم لکھا جاتا ہے اس کا جواب بھی دینا واجب ہے یہ دونوں مسئلے اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں[۱]۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا۔ یہاں پر الحسیب بمعنے المحاسب علی العمل ہے جیسے الجلیس بمعنے المجالس۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کا محاسب ہے۔ خصوصاً سلام کا جواب دینا وغیرہ کہ سلام کا جواب سلام کے مماثل دیتے ہو یا اس سے احسن طریق پر تمہارے اس عمل پر اللہ تعالےٰ تمہارا محاسبہ کر کے تمہیں جزاً عنایت فرمائے گا۔ فلہٰذا تمہیں چاہیئے کہ تم تحیات کی نگرانی کرو انہیں ویسے ہی ادا کرو جیسے تمہیں حکم ہے۔

مسائل السلام

① جمہور کا مذہب ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا سنت ہے۔
② سوار پیدل کو۔
③ گھوڑے کا سوار گدھے کے سوار کو۔
④ چھوٹا بڑے کو۔
⑤ تھوڑے افراد کثیر لوگوں کو۔
⑥ چھوٹے بچوں کو بھی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا جائز ہے بلکہ یہی افضل ہے بستان میں ہے کہ یہی

---

[۱] اعلیٰحضرت سیدی شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ ہر خط پڑھتے وقت ابتداً سلام کے جواب میں فوراً وعلیکم السلام پڑھ لیتے۔ ۱۲ (اُویسی غفرلہٗ)

ہمارا مذہب اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

(۷) جب گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو کہے السلام علیکم۔

(۸) گھر میں داخل ہوا اور وہاں پر کوئی بھی نہ ہو تو کہے السلام علینا وعلی عباد الصالحین اس کے جواب میں ملائکہ کرام وعلیکم السلام کہتے ہیں۔

(۹) جب کسی مجلس اہل اسلام میں داخل ہو تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔

(۱۰) جب اُن سے اُٹھ کر جائے تو بھی السلام علیکم کہے۔ جو شخص ایسے کرتا ہے تو وہ بھی اُن کے اس عمل خیر میں شریک سمجھا جائے گا جو اس کے چلے جانے کے بعد کرتے رہیں گے۔

(۱۱) امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غیر محارم نوجوان عورتوں کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ نہ کہا جائے اس لئے کہ اُن سے گفتگو سے شرِ شیطان اور خیانتِ نفس کا خطرہ ہے۔

(۱۲) محارم اور بوڑھیوں کو السلام علیکم جائز ہے۔

(۱۳) مسلمانوں میں سے واقف اور غیر واقف سب کو السلام علیکم کہے۔

(۱۴) جو کسی کھیل مثلاً تاش شطرنج نرد وغیرہ میں مشغول ہو اُس کو السلام علیکم نہ کہے۔

(۱۵) سرود وگانے والے

(۱۶) قضائے حاجات پھرنے والے۔

(۱۷) نہانے والے جب جسم پر پانی ڈال رہا ہو۔

(۱۸) ننگا نہلانے والے (اگرچہ غسل خانہ وغیرہ میں بھی ہو) کو السلام علیکم نہ کہے۔

فائدہ ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ غسل خانے میں ننگے نہلانے والوں کو السلام علیکم کہنا روا نہیں ہاں کپڑا باندھے ہوں تو جائز ہے اس لئے کہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ گناہوں میں مشغول اشخاص کو السلام علیکم کہنا ناروا ہے لیکن حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم شریف میں لکھا ہے کہ حمام میں داخل ہوتے وقت کسی کو السلام علیکم نہ کہے اگر کوئی السلام علیکم کہے تو اُس کا وعلیکم السلام سے جواب دینا اُس کو واجب نہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ خاموش رہے۔ اگر جواب دینا مناسب سمجھتا ہے تو لفظ السلام سے نہیں بلکہ کوئی اور کلمہ کہے۔ مثلاً عافاکَ اللہُ اللہ تعالیٰ تجھے بسلامت رکھے۔

(۱۹) حمام میں داخل ہوتے وقت ابتدا عافاک اللہ کہہ دے تو بھی جائز ہے۔

(۲۰) خطبہ۔

(۲۱) تلاوتِ قرآن مجید کے وقت جب بالجہر تلاوت کر رہا ہو۔

(۲۲) حدیث شریف کی روایت کے وقت۔

(۲۳) تعلیم و تدریس کے وقت۔
(۲۴) اذان کہتے ہوئے۔
(۲۵) اقامت پڑھتے ہوئے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔
(۲۶) قاضی یعنی حاکم وقت مدعی اور مدعی علیہ کے سلام کا جواب بھی نہ دے۔
(۲۷) نہ ہی اُن کو خود السلام علیکم کہے یہ اس وقت ہے جب اُن کے فیصلے کے لئے کرسئ فیصلہ پر ہو تاکہ ہیبت اور جاہ و جلال بحال رہے۔
(۲۸) یہ رسم عام چل نکلی ہے کہ حکام (آفیسران) جب کمرہ عدالت میں داخل ہوتے ہیں تو وہ کسی کو السلام علیکم نہیں کہتے ان کا اس طرح کرنا جائز ہے۔
(۲۹) تھانیدار یا اس طرح کا کوئی اور افسر بازار میں جاتے ہوئے عوام کو السلام علیکم نہ کہے تو جائز ہے تاکہ اس کی ہیبت میں کوئی فرق نہ آئے۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حکام و آفیسران کو السلام علیکم ہر حال میں کہنا چاہیئے اس لئے کہ السلام علیکم کہنا سنت ہے اور کسی مصلحت کے تحت ترکِ سنت مناسب نہیں۔
(۳۰) جب گداگر کوئی صدقہ لینے آئے اور صدقہ دینے والے کو السلام علیکم کہے تو صدقہ دینے والے کو اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔
(۳۱) جو شخص اوراد وظائف قرآنی وغیرہ میں مشغول ہے اس وقت کوئی اس کو السلام علیکم کہے تو اُس کا اُسے جواب دینا ضروری نہیں۔
(۳۲) جو شخص مسجد میں تسبیح پڑھ رہا ہے یا قرآن مجید پڑھ رہا ہے یا نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے تو اُسے کسی کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔
(۳۳) جب کوئی زائر مسجد میں داخل ہو اُس کے بعد کوئی اور آکر اُسے السلام علیکم کہے تو اُسے اس کا جواب دینا جائز ہے۔
(۳۴) جب مسجد میں داخل ہو اور وہاں سوائے نماز میں مشغول ہونے والے اور کوئی نہیں تو کہے: السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین السلام علیکم نہ کہے اس لئے کہ نمازی نماز میں مشغول ہے اسے اُس کا جواب دینا اگرچہ ضروری نہیں لیکن فراغت کے بعد ضروری ہے تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ اسے نماز کے بعد جواب دینا یاد نہ رہے یا اسے کوئی اور ضروری کام ہو وغیرہ وغیرہ) یہی وجہ ہے کہ ایسے نمازی کو سلام کا جواب دینا ضروری نہیں نہ نماز کے بعد نہ نماز میں۔ اور یہی صحیح مذہب ہے۔
(۳۵) ذمی (کافر وغیرہ) کو ابتدأ السلام علیکم کہنا ناجائز ہے۔ ہاں شدید ضرورت کے تحت یا اس سے

کوئی کام نکلوانا ہے تو جائز ہے (لیکن تقویٰ کے خلاف ہے)۔

مسئلہ کافر ذمی وغیرہ کے لئے دنیوی امور کی دعا مانگنا جائز ہے اسی لئے حضرت ابن الملک نے فرمایا کہ ذمی وغیرہ کے بدلے میں دنیوی دعا مانگنا میں کوئی حرج نہیں۔

معجزہ نبوی اور اختیار مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک یہودی نے اونٹنی کا دودھ پلایا تو آپ نے اس کے لئے فرمایا اَللّٰھُمَّ جَمِّلْہُ (اے اللہ تعالیٰ اسے حسین وجمیل بنا) آپ کی دعا کی برکت سے اس یہودی کے ستر سال تک بال سیاہ رہے (اور نہایت تروتازہ اور خوشنما نوجوان سا رہا)۔

مسئلہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہودی ودیگر اہل کتاب کے ساتھ سلام کی ابتدا حرام ہے اس لئے کہ السلام علیکم ایک اعزاز ہے اور کفار کا احترام اور اعزاز حرام ہے۔

(۲۶) حضرت علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مبتدع کو بھی ابتدا السلام علیکم نہ کہا جائے۔

(۲۷) اگر کسی غیر واقف کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ تو بدمذہب ہے تو کہے اِسْتَرْجَعْتُ سَلَامِیْ۔ میں اپنا سلام واپس کرتا ہوں تاکہ عوام کی نظروں میں اس کی تحقیر نہ ہو[1]

مسئلہ کافر کے ساتھ کھانا پینا صرف ایک دو دفعہ تالیف قلب کے لئے جائز ہے تاکہ وہ ہمارے ایسے خلق سے اسلام قبول کرلے لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے (نصاب الاحتساب)

مسئلہ جب کوئی مسلمان کسی ذمی کو اپنی بیع وشرا میں شریک بنالے۔ کیا اس مسلمان سے احتساب جائز ہے لیکن شرکت معاوضہ تو مسلمان اور ذمی کے مابین بالکل ناجائز ہے اس شرکت میں احتساب تصرف فاسد کو دفع کرنے کی غرض پر ہوگا اور شرکت عنان تو ویسے بھی مسلم وکافر کے مابین مکروہ ہے۔ (شرح طحاوی)

مسئلہ ذمی جب کسی مسلمان کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے تو اس کے جواب میں مسلمان صرف عَلَیْكَ (واؤ کے بغیر) کہے۔ معتبر علمائے کرام کے نزدیک یہی صحیح ہے یا کہے عَلَیْكَ مِثْلُہٗ "کشف میں لکھتے ہیں کہ یہودی کے جواب میں وَعَلَیْكَ (واؤ کے ساتھ) نہ کہنا چاہیئے اس لئے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم پر کوئی یہودی **السلام علیکم** کہتا ہے تو وہ چالاکی سے السام علیکم" کہہ جاتا ہے جس کا معنیٰ ہوتا ہے خدا کرے تم مرجاؤ" تو تم اس کے جواب میں صرف کہو عَلَیْكَ" یعنی خدا کرے وہی تمہارا کیا ہوا تمہارے لئے ہو۔

---

[1] دور حاضرہ کے صلح کلی غور فرمائیں کہ ہم حق بجانب ہیں یا نہ جبکہ ہم اہلسنت بدمذہبوں کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے اور ان کے سلام کے جواب دینے کے روادار نہیں ۱۲ فاعتبروا یا اولی الابصار (تفصیل فقیر کے رسالہ اسلامی سلام میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ)

حکایت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں ایک یہودی کا گروہ حاضر ہوا اور عرض کی کہ السام علیکم یا ابا القاسم آپ نے فرمایا "علیکم" بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہودیوں کو کہا۔ بل علیکم السام والذام حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عائشہ ایسا سخت کلام اور ترش جواب دینا ناموزوں ہو۔ اگرچہ کوئی دشمن بھی کیوں نہ ہو۔ بی بی نے عرض کی حضور! آپ نے نہیں سنا انہوں نے آپ کو کہا السام علیکم آپ نے فرمایا تو میں نے بھی انہیں ویسا ہی جواب دیا یعنی علیکم۔ لیکن یاد رہے کہ میری دعا مستجاب ہوگئی اور ان کی دعا ان کے منہ پر ماری گئی۔

مسئلہ السلام علیکم کو بالجہر کہنا سنت ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سلام کی سنت کو پھیلاؤ۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ سلام کے جواب میں جہر نہ ہو۔ ان کا یہ مطلب ہے سلام میں خواہ مخواہ زور نہ لگایا جائے کہ سننے والے کو ناگوار گذرے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک مولوی صاحب کے ہاں ایک سیاح حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم۔ مولوی صاحب نے اس کا جواب تو دیا لیکن دھیمی آواز سے۔ اس کے بعد دولتمند حاضر ہوا۔ اس نے السلام علیکم کہا تو مولوی صاحب نے اسے بلند آواز سے جواب دیا۔ سیاح کو یہ بات ناگوار گذری۔ اس نے مولوی صاحب کو ٹوکتے ہوئے کہا کہ مولوی صاحب فرمایئے سلام کتنے طریق سے دیا جاتا ہے مولوی صاحب نے فرمایا صرف ایک طریقہ سے۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے تو آپ کے ہاں دو طریقے دیکھے۔ غریبوں کو اور طرح اور امیروں کو دوسرے طور۔ اس سے مولوی صاحب شرمندہ ہوئے اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ میں اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا کہ جس کی بنا سنت پر نہیں رکھی گئی۔ اس کے بعد تمہارے اس گھر میں داخل ہو تو کیا وہ شخص اپنی قسم میں حانث ہوگا یا نہیں۔ چونکہ سیاح کی باتوں سے مولوی صاحب مرعوب ہو چکے تھے اس پر خاموش رہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب کے شاگردوں نے سیاح سے کہا یہاں سے چلے جایئے۔ آپ نے ہمارا وقت ضائع کر دیا۔ سیاح نے فرمایا تمہاری اور تمہارے استاذ کی مثال ان گمراہ لوگوں کی ہے کہ ایک گم کردہ راہ اپنی منزل کا پتہ دوسرے گمراہ سے پوچھے۔ تمہارا یہ استاذ خود گمراہ ہے تمہاری کیا رہبری کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ سیاح باہر نکل گیا۔ (روضۃ العلماء)۔

حضرت صائب فرماتے ہیں ؎

زبے دردال علاج درد خود جستن بآں ماند
کہ خار از پا بروں آرد کسے با نیش عقربہا

ترجمہ: بے دردوں سے درد کا علاج چاہنا ایسے ہے جیسے بچھو کے نیش سے کانٹا نکالا جائے۔

یہ تمام بیان حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا (یعنی احیاء العلوم سے یہ مضمون لیا گیا ہے۔

مسئلہ کسی گورستان سے گذر ہو تو کہے وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِمَ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَالْمُسْتَاخِرِيْنَ مِنَّا اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ وَاَنَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نسال اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ " اے مسلمانو! مومنو ویرانے گھر میں رہنے والے تم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے تم سے بعض یہاں دنیا سے پہلے جدا ہوئے اور بعض بعد کو ہم بھی تمہارے پیچھے آ رہے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں آ کر ملیں گے ۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے حُسنِ انجام کا عرض کرتے ہیں ۔

ثبوت سماع موتیٰ از حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی قبر سے گزرتا ہے تو جس قبر والے کو السلام علیکم کہا جائے تو وہ اگر دنیا میں تمہارا واقف کار تھا تو وہ تمہیں پہچان کر تمہارے سلام کا جواب دیتا ہے ۔

فائدہ ابن السیّد مل شرح شرعہ میں فرماتے ہیں کہ اُس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ سلام کا جواب زبانِ حال سے دیتا ہے نہ کہ زبانِ قال سے اس کی تائید اُن احادیث وآثار سے ہوتی ہے کہ جن میں وارد ہوا کہ قبر سے جب کوئی گذرتا ہے تو قبر والا اسے دیکھ کر افسوس کے ہاتھ ملتا ہے کہ ہائے ہم اعمال صالحہ کمانے سے محروم ہیں یہاں تک کہ وہ السلام علیکم کہنے اور اس کے ثواب کے حصول سے ترستے ہیں ۔

علم وسماع موتیٰ کی بہترین دلیل حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ احادیث وآثار اس پر شاہد ہیں کہ قبر کے اندر مُردہ باہر سے آنے والے زائر جب اُس کی قبر کے قریب آتا ہے اکو جانتا ہے اور اُس کے کلام کو سنتا ہے اور اُس سے اُنس پاتا ہے اور یہ صرف شہداء سے مخصوص نہیں ہر مُردہ کے لئے ہے جس نے اُسے صرف شہداء سے مخصوص کیا ہے وہ غلطی پر ہے اور یہی مذہب صحیح تر ہے ۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی اُمّت کو اموات کو ایسے " اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ " کا حکم فرمایا ہے جو ذی سماع و ذی عقل کو کہا جاتا ہے ۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک اور حاضر وناظر اور علم غیب کلی کی بہترین تقریر

ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ رُوح کے بدن کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے کہ (بعض) قبر والے قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں ۔ حالانکہ رُوح علیین میں ہے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہے ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ۔ کیونکہ ارواح اور ابدان کے حالات جُدا جُدا ہیں ۔ یہاں غلطی اس لئے پیدا ہوجاتی ہے (جیسے نجدیوں وہابیوں وغیرہ کو ہوئی) کہ غائب کو حاضر پر قیاس کرلیا جاتا ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ رُوح بھی بدن کی طرح ہے جب بدن ایک مکان میں ہو

تو دوسرے میں نہیں ہو سکتا۔ بعض حضرات نے اس کی مثال سُورج سے دی ہے کہ وہ آسمان میں ہے اور اُس کی شعاعیں زمین پر ہوتی ہیں جیسے کہ رُوح محمدی کی طرف سے ہمیشہ اس شخص کو جواب ملتا ہے جو آپکی قبر انور کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے حالانکہ آپ کی روحِ انور یقیناً اعلیٰ علیین میں ہے اور آپ اپنی قبر انور میں تشریف فرما ہوتے ہیں جیسے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری رُوح کو رد فرما دیا ہوتا ہے اس لئے میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اعتراض اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ آپ کو بار بار زندگی دی جائے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم برزخ میں زندہ ہیں کیونکہ یہ عادتاً محال ہے کہ کائنات میں دن رات میں کسی وقت کوئی بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجنے والا نہ ہو لہٰذا ردّ اللہ علی روحی کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برزخ میں حسی حیاۃ کا شعور بولنے اور سُننے کی قوت باقی رکھتا ہے۔ لہٰذا حسی اور شعور کلی رُوح محمدی سے جدا نہیں ہوتا آپ حِس اور کائنات سے غائب نہیں ہوتے کیونکہ آپ کائنات کی روح اور سِرّ ہیں۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے حضور نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں لکھا ہے۔

① خواجہ کز ہرچہ گویم پیش بوُد
در ہمہ چیزے ہمہ در پیش بوُد

② وصف او در گفت چوں آید مرا
چوں عرق از شرم خوں آید مرا

③ او فصیح عالم و من لال او
کے توانم داد شرح حال او

④ وصف او لائق ایں ناکسی است
واصف او خالق عالم بس است

⑤ انبیاً از وصفِ تو حیران شُدہ
سر شناساں نیز سرگرداں شُدہ

① ہمارا خواجہ ایسا ہے کہ جو کچھ کہتا ہوں ان کے سامنے ہے کیونکہ وہ تو ہر چیز کے سامنے (حاضر و ناظر) ہیں۔
② ان کی وصف مجھ سے کس طرح بیان ہو سکتی ہے شرم کے مارے مجھ سے پسینہ کی بجائے خون بہتا ہے۔
③ وہ جملہ عالم سے فصیح تر ہیں اور میں گونگا ہوں اسلئے ان کے حالات کو کس طرح بیان کر سکتا ہوں۔
④ میرے جیسے نااہل سے ان کی تعریف کب لائق ہے ان کا واصف تو خالق کائنات کافی ہے۔

⑤ جملہ انبیاؑ آپ کی وصف سے حیران ہیں راز شناس (اولیاؑ وغیرہم) بھی سرگرداں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب تم کو خیر و شر سے تحیہ ملے تو تم اس کی یوں جزا دو کہ خیر کا بدلہ اس سے بڑھ چڑھ کر ہو اور برائی کے بدلہ حوصلہ اور عفو ہے بلکہ ہو سکے تو اُلٹا اُسے بھلائی سے نوازو۔ (اَوْ رُدُّوْهَا) کا مطلب یہ ہے کہ محسن کے ساتھ احسان کرو اور بُرے کو برائی پہنچاؤ۔ لیکن اتنا کہ جتنا اُس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجزاء سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا اور برائی کی جزا اس کی مثل ہو۔ اور فرمایا وان تعفوا اقرب لِلتقویٰ (اور معاف تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

حدیث قدسی شریف [1] حضور علیہ السلام حضرت جبریل علیہ السلام سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" معافی دینے کا طریقہ اپناؤ اور دوسروں پر احسان کرنے اور اور جاہلین سے درگذر کرنے کی عادت بناؤ۔

حدیث [2] حضور علیہ السلام نے فرمایا" اس سے درگذر کرو جو تمہارے ساتھ ظلم کرتا ہے اور صلہ رحمی کرو جو تم سے قطع تعلق کرتا ہے اور جس نے تمہیں کبھی محروم کیا اس کو عطا کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے احسان و مروت اور عفو و دیگر اعمال سے مطلع ہے جو شخص ذرہ برابر نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بھی جانتا ہے۔ (التاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اللّٰہ یہ مبتدا ہے اس کی خبر" لا الہ الا ھو" ہے یعنی زمین و آسمان میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ قسم محذوف کا جواب ہے دراصل عبارت یوں تھی واللّٰہ لیحشرنکم الخ قسم بخدا اللہ تعالیٰ تمہیں قبروں سے اٹھا کر جمع فرمائے گا۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن" قیامت بمعنے قیام ہے اس میں تا مبالغہ کی ہے اس لئے کہ اس روز سخت سے سخت ہولناک حال ہوگا۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ یوم کے لفظ سے حال ہے ای حال کون ذلك الخ یعنی حال یہ ہے کہ اس یوم کے وقوع میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ضرور لا محالہ وہ دن آئے گا۔ یہ لَا رَيْبَ فِيْهِ مصدر محذوف کی صفت ہے کہ اصل عبارت جمعًا لا ریب فیہ تھی۔ یعنی مفعول مطلق ہے لَيَجْمَعَنَّكُمْ کا اور اور لَا رَيْبَ فِيْهِ اس جمعًا مصدر کی صفت ہے اس تقریر پر لا ریب فیہ کی ضمیر اس جمعًا محذوف کی طرف راجع ہوگی۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۰ (اور اللہ تعالیٰ سے کون زیادہ سچا ہے)

مسئلہ امکان کذب کی تردید یہ جملہ انکاریہ ہے یعنی اسمیں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی سچا نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کذب نقص اور عیب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔

حدیث قدسی شریف مع شرح

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بنی آدم نے میری تکذیب کی یعنی وہ میری طرف کذب کی نسبت کرتا ہے اور تکذیب اس کو لائق نہیں بلکہ یہ اُس کی کھلی عطا ہے اور اس نے مجھے گالی دی۔ عربی میں شتم اس وصف کو کہتے ہیں جس میں نقص اور عیب ہو اور اسے یہ بھی لائق نہیں۔ بندہ کی تکذیب یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبر سے اٹھا کر میدان حشر میں نہیں لائے گا۔ یعنی وہ اللہ کی قدرتِ احیاء و اماتت پر یقین نہیں رکھتا۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ میں نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ پھر میرے لئے دوبارہ لوٹانا کب مشکل ہے بلکہ دوبارہ لوٹانا تو اصل بنیاد سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ یہ بطریق تمثیل کے فرمایا ہے کہ جیسے تمہارے لئے نئی تعمیر سے تعمیر شدہ محل و مکان کو مرمت کرنا آسان ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو سہولت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اُس کے لئے تو ہر شے آسان ہی آسان ہے اور بندے کا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ اولاد کی نسبت کرنا اس لئے گالی ہے کہ اولاد میں کل سے اجزا کو علیحدہ کرنے کا مفہوم ہوتا ہے اور پھر اس میں بڑھنے گھٹنے کی بو آتی ہے اور یہ باتیں اس میں ہوتی ہیں جو مرکب ہو اور ہر مرکب دوسرے کا محتاج ہوتا ہے بنا بریں یہ لفظ گالی بن گیا کہ اللہ تعالیٰ کو بندے نے محتاج مانا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ واحد ہے یعنی اپنے صفاتِ کمال میں منفرد ہے اسے ہر طرح سے بقا ہے اور وہ منزہ ذات ہے۔ الصمد ہے الصمد بمعنے بے نیاز ہے یعنی وہ ذات کہ تمام حوائج کا مرجع و مقصد وہی ہے اور اللہ وہ ذات ہے کہ اس نے کسی کو نہیں جنا۔ یعنی وہ تشبیہ و تجنیس سے پاک ہے وَلَمْ یُولَد اور وہ کسی سے پیدا نہیں کیا گیا۔ یعنے یہ قدیم اور اولیت پر دلالت کرتا ہے وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ اور اس کا کوئی کفو نہیں۔ یہ جملہ پچھلے تمام مضمون کی تقریر ہے (مشارق الانوار لابن الملک)

فائدہ قیامت تین قسم ہے۔ ① صغریٰ یعنی بندے کی موت اُس کی قیامت ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ جو مرتا ہے اُس کے لئے قیامت قائم ہوجاتی ہے۔

② وُسطیٰ۔ پہلے صور پھونکنے پر تمام مخلوق کا مرنا۔

③ کُبریٰ۔ میدان محشر میں تمام مخلوق کو اُٹھا کر اسمیں جمع کرنا۔

حضرت مولانا رُومؒ قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

① سازد اسرافیل روزے نالہ را
جان دہد پوسیدۂ صد سالہ را

② ہین کہ اسرافیل وقتند اولیاء
مردہ را زیشاں حیاتست و نما

ترجمہ ① ایک دن اسرافیل آواز دیں گے وہ سو سالہ مردہ کو روح بخشیں گے۔

④ اولیائے کرام اپنے وقت کے اسرافیل ہیں انہی سے مردگان کو زندگی اور نشوونما ملتی ہے۔
یاد رہے کہ نفس کے صفات مٹانے کے بعد لقا باللہ نصیب ہوتی ہے اور نفس کے صفات مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر خلوص سے کیا جائے۔ پھر جب ذاتِ حق کے اسم کا مشاہدہ ہوگا کہ تمام عالم فانی نظر آئے گا بلکہ اس کا اپنا وجود بھی مٹا ہوا محسوس ہوگا اور اُسے بحرِ توحید میں استغراق حاصل ہوگا جب توحید میں محو ہو جائے گا تو ماسوی اللہ کو گم پائے گا۔ جیسے کوئی شخص پانی میں غوطہ لگاتا ہے تو اسمیں غیر نہیں دیکھتا۔

سبق حضرت بایزید بُسطامی فرماتے ہیں جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے لیکن اُس کا دل غافل ہو تو اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ جھگڑا کرتا ہے۔

حکایت ایک بزرگ ایک رات بروسہ کے شہر قبولیچہ میں داخل ہوئے تو ایک جگہ دیکھا کہ حوض پر چارپائی ڈالی گئی ہے۔ اس چارپائی پر جنوں کے بادشاہ کی لڑکی بیٹھی ہے اس کے ارد گرد جنات کی کثیر جماعت ہے اُن سے پوچھا کہ اس شہر کے پانی کا کیا حال ہے۔ شہزادی نے اپنی جماعت سے کسی ایک کو بھیجا تو جواب ملا کہ پانی ٹھنڈا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس جگہ کا پانی کیسے ٹھنڈا ہو سکتا ہے حالانکہ اس کا پانی گرم ہونا چاہیئے انہوں نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ ہم ہر ہفتہ یہاں پر اللہ کا نام لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی میں گرمی ہے اور وہ اُلٹا گرمی اور سختی پیدا کرتا ہے کہ لیکن برکات میں کسی قسم کا شک نہیں اور نہ کوئی اس کا انکار کر سکتا ہے بالخصوص ان کی زبانِ اقدس سے جو تزکیہ و تصفیہ کے مالک ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ذکرِ حق کن بانگ غولا را بسوز
چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے اُلّو کو جلا دے اس گدھ سے نرگس کی آنکھ سی دے۔

تفسیر صوفیانہ آیت اللّٰہ لَا الٰہ اِلَّا ھو میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازلی ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا ھو۔ اس کے ساتھ کوئی حامی مددگار نہ تھا کہ اُس نے مخلوق کو عدم سے وجود میں لانے کی مدد کی ہو۔ لَیَجْمَعَنَّکُمْ انہیں قیامت میں دوبارہ عدم کی طرف جمع فرما کر اُن کے گروہ بنائے گا۔

① بہشتی
② دوزخی
③ اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص مقرب ہوں گے۔

لاریب فیہ اس میں کسی طرح بھی شک کی گنجائش نہیں کہ تمہیں انہی منازل و مقامات کی طرف لوٹنا ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے دین و دنیا کے مفاد کی باتیں بیان فرمائے۔ اور تمہیں دنیا و آخرت میں نقصان سے مطلع کرے اور سیدھا راہ بتلائے اور ہلاکت سے بچائے (التاویلات نجمیہ)۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝
وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ
اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ
يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ
فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا
قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ
السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ
وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝

ترجمہ: تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کے کوتکوں کے سبب کیا یہ چاہتے ہو کہ اُسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز اس کے لئے راہ نہ پائیگا وہ تو چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک ہو جاؤ تو ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں پھر اگر وہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو دوست ٹھہراؤ نہ مددگار مگر وہ جو ایسی قوم سے علاقہ رکھتے ہیں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے یا تمہارے پاس یوں آئے کہ ان کے دلوں میں سکت نہ رہی کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں اور اللہ چاہتا تو ضرور انہیں تم پر قابو دیتا تو وہ بے شک تم سے لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور صلح کا پیام ڈالیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہ رکھی اب کچھ اور تم ایسے پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امان میں رہیں جب کبھی ان کی قوم انہیں فساد کی طرف پھیرے تو اس پر اوندھے گرتے ہیں پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح کی گردن نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور یہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں صریح اختیار دیا۔

تفسیر عالمانہ فَمَا لَكُمْ (پس اے مومنو! تمہیں کیا ہوگیا ہے) یہاں بعض مومنین مراد ہیں اور ما مُبتدا اور لکم دااس کی خبر ہے اور استفہام انکار و نفی کے لئے ہے ۔ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ (منافقین کے بارے میں) اس کا متعلق وہی ہے جو لکم کا ہے یعنی کونسا امر واقع ہوگیا ہے۔ تمہارے لئے منافقین کے بارہ میں فِئَتَيْنِ (دو گروہ ہوگئے ہو) یہ لکم کی مجرور ضمیر سے حال ہے۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ تمہارا منافقین کے متعلق مختلف ہونا نامونروں ہے اور نہ ہی اس کے جواز پر کوئی دلیل ہے بلکہ ان سے بالکل گفتگو ختم کر دو اس لئے کہ منافقین بھی کافر ہیں اور انہیں کفار کی طرح ہیں جو کھل کر کفر کرتے اور تمہارے ساتھ لڑتے رہتے ہیں۔ منافقین اور کھُلے کافر جمیع احکام میں برابر ہیں۔

شانِ نزول منافقین میں سے ایک گروہ کو مدینہ طیبہ کی ہوا راس نہ آئی اس لئے اجازت چاہی کہ وہ کہیں مدینہ سے دور جنگل میں بسر اوقات کریں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی تو وہ مکہ کے مشرکین کے ساتھ جاملے۔ اُن کے متعلق مسلمانوں کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک گروہ کہتا کہ وہ اگرچہ مشرکین کے ہاں چلے گئے ہیں لیکن پکے مسلمان دوسرے کہتے کہ وہ چونکہ کفار سے جاملے ہیں اس لئے وہ پکے کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پچھلے لوگوں کی تائید میں آیت نازل ہوئی ۔

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ (اور اللہ تعالیٰ نے انہیں لوٹا دیا) یہ جملہ المنافقین سے حال ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کفار کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اُن کے اور اُن کے احکام برابر ہوں گے۔ ذلت اور رُسوائی اور قیدی ہونا اور قتل کیا جانا وغیرہ وغیرہ ۔

حل لغات الارکاس بمعنے الرد اور الرجوع ہے۔ "رَكَسْتُ الشَّيْءَ وَاَرْكَسْتُهٗ" دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئی کو کسی طرف لوٹا دے یا کسی شئے کے آخر کو اوّل کی طرف لوٹایا جائے۔

بِمَا كَسَبُوْا (اُن کے غلط کردار کی وجہ سے) یعنی اُن کا مشرکین کے ہاں مُرتد ہو کر چلے جانے اور حضور سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دھوکہ بازی کرنے کی وجہ سے۔ اَتُرِيْدُوْنَ (کیا تم ارادہ رکھتے ہو) یہ خطاب ان ایمانداروں کو ہے جو ایمان و اسلام میں خالص و مخلص تھے ۔ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (یہ کہ انہیں ہدایت دو جنہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا) یعنی تم ان کو ہدایت یافتہ بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ انہیں زجر و توبیخ ہے جبکہ اُن کا بھی یہی گمان تھا کہ وہ ان منافقوں کو راہِ راست پر لائیں گے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ تم ایسے فعل کی کوشش کر رہے ہو جو بالکل محال ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دروازہ سے ہٹا دیا ہے پھر کیسے امکان ہے کہ وہ ایسے گمراہ کو راہ ہدایت دکھا سکے اس لئے کہ ایسے لوگوں کو مؤمن سمجھنا یا ہدایت یافتہ بنانا وہم و خیال ہے اس لئے کہ وہ ایمان و ہدایت سے کوسوں دُور ہیں۔ اُن کے لئے سعی و ارادۂ ہدایت خام خیالی ہے ۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ (اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے) یعنی جس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا کرتا ہے

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا۔ (پھر اس کے لئے کوئی راہ نہیں پاؤ گے)۔ یعنی وہ بے راہ رو ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ اسے ہدایت دے سکو۔ یہ خطاب ہر مخاطب کو ہے اس لئے کہ اُن پر ہر طرح سے راستہ نہ پانے کا حکم جاری ہو چکا ہے اور یہ جملہ تُرِیْدُوْنَ یا اَنْ تَھْدُوْا کے فاعل سے حال ہے اور حال و ذو الحال کے مابین رابطہ واو حالیہ ہے۔ وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ (وہ آرزو رکھتے ہیں کہ وہ کہیں تمہیں کافر بنا ڈالیں)۔ یہ اُن کے غلو کا اُن کے کفر تک پہنچ جانے کا بیان ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ وہ اُلٹا دوسروں کو کافر بنانے کے درپے ہیں۔ پہلے بتایا گیا کہ وہ منافقین کافر ہیں اور سراپا گمراہی میں غرق ہیں۔ اب بتایا جاتا ہے کہ نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا بنانے کے سعی لاحاصل میں ہیں۔ یہ لَوْ مصدریہ ہے اسے جواب کی ضرورت نہیں۔ اب مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے کافر ہونے کی آرزو رکھتے ہیں۔ کَمَا کَفَرُوْا (جیسے وہ خود کافر ہوئے) یہ جملہ منصوب ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی کفرًا مِثْلَ کُفْرِھِمْ اور لفظ کما کا ما مصدریہ ہے۔ فَتَکُوْنُوْنَ سَوَآءً (پھر تم اور وہ کفر میں برابر ہو جاؤ) اس کا عطف تَکْفُرُوْنَ پر ہے اب معنیٰ یہ ہے کہ اُن کی آرزو ہے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ پھر تم اور وہ گمراہی میں برابر ہو جاؤ۔

مسئلہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کسی دوسرے کے لئے کافر ہونے کی آرزو کرتا ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ اندرونی طور کافر ہے اگرچہ وہ لاکھ بار کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اس لئے کہ اس کے اور کفار کے اعتقاد میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں اور یہ انسان کا خاصہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ ہر انسان اُس کا ہم مذہب ہو اور اُس کے دین کو قبول کر لے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے"۔

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِیَآءَ (اُن سے کسی قسم کی دوستی نہ کرو)۔ یعنی جب اُن کا یہ حال ہے کہ وہ تمہیں بھی کافر دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو پھر اُن سے ہر طرح کی یاری اور دوستی ختم کر دو۔ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کریں) یعنی جب تک کہ وہ ہجرت کر کے پکے اور سچے مسلمان نہ ہو جائیں اور اُن کی ہجرت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا کی خاطر ہو۔ اس میں دنیوی غرض کا معمولی سا شائبہ بھی نہ ہو۔

فائدہ سبیل اللہ سے مراد وہ نیک امور ہیں جن کے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بجالانے اور اُن سے رُک جانے کا حکم فرمایا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا (پس اگر وہ اس سے روگردانی کریں) یعنی وہ ایمان جو کہ ہجرت کے ساتھ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سچی محبت وصحبت سے متعلق ہو اسے قبول نہ کریں۔ فَخُذُوْھُمْ (تو پھر انہیں گرفتار کرو)۔

اگر تم ان کی گرفتاری کی طاقت رکھتے ہو۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (اور انہیں قتل کر ڈالو جہاں انہیں پاؤ) حل میں ہوں یا حرم شریف میں اس لئے کہ قید اور قتل کرنے کے حکم ہیں یہ دوسرے مشرکوں اور کافروں کے حکم میں ہیں۔ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (اور نہ ہی انہیں تم کسی معاملہ میں اپنا متولی بناؤ اور نہ ہی حمایتی اور مددگار۔ یعنی اُن سے کُلی طور کنارہ کش ہو جاؤ۔ گویا اُن سے کسی قسم کی یاری اور دوستی اور حمایت قبول نہ کرو۔ اور ہمیشہ یہی دستور قائم کرو۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ جو حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ دنیا اور اہل دنیا سے پورے طور کنارہ کش ہو جائیں بلکہ اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ہر طرح سے بائیکاٹ رکھیں۔ یہاں تک کہ حرص و ہویٰ و شہوت نفسانی اور حُبِّ دنیا کو پورے طور ترک کرکے اُن کے ساتھ طلب حق میں گامزن ہو جائیں۔ اس آیت میں حکم ہے کہ گم گشتگاں کو مؤثر وعظ و نصیحت کرو اور انہیں قتل کرنے کا صوفیہ کرام کے نزدیک یہ معنیٰ ہے کہ شہواتِ نفسانیہ کو یکسر مٹا دو اور ان میں جو بھی صفات نفس پاؤ سب کو ختم کرانے کی جدوجہد کرو۔

تفسیر عالمانہ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (ہاں ان لوگوں کو کچھ نہ کہو جن کا تمہارے اور ان کے مابین معاہدہ ہو چکا ہے)۔ یہ فخذوهم واقتلوهم سے مستثنیٰ ہے جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہوا ہے کہ وہ نہ تمہارے ساتھ لڑیں گے اور نہ تم اُن سے جنگ کرو گے تو انہیں کچھ نہ کہو اس سے قبیلہ اسلمیہ کے لوگ مراد ہیں۔ اس لئے کہ حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت کرتے وقت میں مکہ میں ہلال بن عویمر الاسلمی سے معاہدہ فرمایا کہ نہ ہم تمہاری مدد کریں گے اور نہ ہی تم ہمارے خلاف کفار کے ساتھ مل کر کام کرنا اور جو بھی ہم سے بھاگ کر تمہاری پناہ لے گا ہم اُسے کچھ نہیں کہیں گے اُس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہوگا جو ہلال بن عویمر سے ہوگا۔ اَوْ جَآءُوْكُمْ (یا وہ تمہارے پاس آئیں) اس کا عطف يصلون الخ پر ہے۔ یعنی وہ لوگ جو تمہارے پاس اس معاہدہ کے ماتحت حاضر ہوئے ہیں کہ وہ نہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ ہی اپنی قوم سے لڑیں گے اس کا بھی کنارکو گرفتار اور قتل کرنے سے استثنا کیا گیا ہے اس استثنا میں دو گروہوں کا بیان ہوا ہے۔

1. جنگجو کفار کو چھوڑ کر اہل اسلام سے معاہدہ کرنے والوں سے تعلق جوڑنے والے۔
2. اہل اسلام کے پاس اس غرض سے آئیں کہ اب وہ ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ (حالانکہ ان کے سینے تنگ ہو چکے ہیں) یہاں لفظ قد محذوف ہے۔ اور یہ جملہ حالیہ ہے، دراصل وَقَدْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ تھا۔ اور حَصِرَتْ الحصر الفتحتین سے مشتق ہے بمعنے الضيق والانقباض، اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ (کہ تمہارے ساتھ لڑیں) یعنی اب بہت بڑے تنگ کہ وہ اپنی قوم کی

مدد کے لئے تمہارے ساتھ جنگ کریں اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ یا وہ تمہاری مدد میں اپنی قوم سے لڑیں۔ اس سے بنو مدلج کا قبیلہ مراد ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ تادم زندگی تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے ادھر انہوں نے قریش سے بھی معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ بھی نہیں لڑیں گے۔

فائدہ اُن کا سینہ اہل اسلام سے اس لئے تنگ تھا کہ اُن سے معاہدہ تھا یا اس لئے کہ لڑنے سے گھبراتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں اہل اسلام کا رُعب ڈال دیا تھا اور اپنی قوم سے اس لئے کہ وہ اُن کی برادری تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے کفار سے جنگ کرنے سے بھی روکا ہے کہ جب وہ معاہدہ کرنے والوں کی پناہ میں آگئے تو وہ گویا انہی کے حکم میں ہیں اسی لئے خون کی حفاظت میں وہ معاہدین کے حکم میں ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ (اور اگر اللہ چاہے تو بنو مدلج کو مسلّط کر دے)۔ عَلَیْكُمْ (تمہارے اُوپر) بایں طور کہ ان کے دلوں کو مضبوط بنا دے اور اُن کے سینے کھول دے اور تمہارا رعب ان کے دلوں سے نکال دے۔

سوال یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر مسلّط کر دے اور یہاں مسلّط کرنے کا فرما رہا ہے حالانکہ یہ تو اُس کی شان کے خلاف ہے؟

جواب یہ اپنے مقام حق ہے کہ وہ اہل اسلام کو کفار پر غالب رکھنے کے لئے اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب ڈال دیتا ہے۔ لیکن اگر کسی مصلحت کے تحت اگر چاہے تو مسلمانوں پر بطور آزمائش کفار کو مسلط کر دے تو کوئی حرج نہیں کہ کبھی کفار پر مسلمانوں کا رعب نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کفار اہل اسلام پر غلبہ پا جاتے ہیں اور اُن کے مقابلہ پر ہر وقت تُلے رہتے ہیں تسلط کا مطلب بھی یہی ہے۔

فَلَقٰتَلُوْكُمْ پس وہ اس صورت میں تمہارے مقابلہ میں تُل جائیں اور تمہارے مقابلہ سے انہیں کسی قسم کی گھبراہٹ نہ ہو۔ یہ لام لَوْ کا جواب ہے اور دوبارہ آنے میں میں حرج نہیں کہ بطور عطف کے واقع ہوئی ہے۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ (اگر وہ تم سے علیحدگی اختیار کر کے تمہارے ساتھ لڑائی کا ارادہ نہ رکھیں یعنی اُن کا اگر تمہارے ساتھ لڑائی کا ارادہ نہ ہو باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے اوپر غلبہ رکھتے ہیں وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ (اور تمہارے ساتھ صلح وصفائی بلکہ سر تسلیم خم کریں۔

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا (پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے اُن پر کوئی ایسا ارادہ نہیں) فرمایا کہ انہیں قیدی بناؤ یا قتل کرو۔ اگرچہ وہ اپنی قوم سے نہ لڑیں۔ تب بھی اُن سے جنگ نہ کرو اُن کا تمہارے لئے سر تسلیم خم کر دینا لازم کرتا ہے کہ تم اُن سے نہ لڑو۔ اگرچہ وہ تمہارے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی نہ کریں۔

فائدہ بعض کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اس کا ناسخ آیت القتال والسیف یعنی اقتلوا المشرکین الخ ہے بعض کے نزدیک آیت منسوخ نہیں اس لئے کہ ہم ایسے لوگوں کو معاہدہ کرنے والے میں شمار کرتے ہیں اس لحاظ سے یہ آیت غیر منسوخہ ہوگی۔

فائدہ جدادی فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے جنگ تو نہ کرنی چاہیئے البتہ اُن سے جزیہ لینا ضروری ہے یہ اس وقت ہے جب اہل اسلام کو اُن پر غلبہ حاصل ہو جب ایسی قوت اہل اسلام کو حاصل نہ ہو تو ضروری ہے کہ اُن کے سرتسلیم خم کا اعتبار نہ کریں اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی مجبوری سے سرتسلیم خم کر رہے ہوں پھر جب وہ مجبوری ختم ہو تو اہل اسلام پر حملہ بول دیں اور اُن کے اہل وعیال اور آل و اولاد کو نقصان پہنچائیں فلہٰذا ضروری ہے کہ اُن کی اس ٹیڑھی چال کا خاص خیال رکھیں۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ (عنقریب تم ایسی قوم کو پاؤ گے) يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ (اُن کا ارادہ ہوگا کہ کلمہ توحید ظاہر کر کے تمہیں بھی خوش رکھیں۔ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ (اور خوش رکھنا چاہیں گے اپنی قوم کو) اس سے قبیلہ اسد و غطفان کے لوگ مراد ہیں کہ جب وہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو وہ مسلمان ہو کر معاہدہ کیا کہ ہم اسلام سے پورے طور وفاداری کا ثبوت دیں گے لیکن جب واپس مکہ معظمہ پہنچے تو عہد شکنی کر کے کفر کو اختیار کیا تاکہ برادری کے لوگ ناراض نہ ہوں۔

كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ (جب انہیں فتنہ یعنی اہل اسلام سے جنگ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے) اُرْكِسُوْا فِيْهَا (تو وہ اُس کی طرف لوٹ آتے ہیں) بلکہ بہت غلط طریقے سے اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہ اس معاملہ میں سخت ترین شرارتی نظر آتے ہیں۔ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ (پس اگر وہ تم سے علیحدہ ہو جائیں) یعنی تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کسی وجہ سے رُک جائیں۔ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ (اور تمہارے سامنے سرتسلیم خم بھی نہیں ہوتے) بلکہ صاف لفظوں میں صلح وصفائی اور معاہدہ سے روگرداں ہیں وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ (اور تمہاری جنگ سے ہاتھ نہیں روکتے۔ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (پھر انہیں پکڑو اور جہاں تمہیں ملیں اور تم کو اُن پر غلبہ بھی حاصل ہے تو انہیں قتل کر دو۔ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (ہم نے اُن پر تمہاری کھلی اور واضح دلیل مقرر فرمائی ہے) یعنی ان پر تمہاری حجت قائم کی ہے تاکہ تم انہیں قتل اور قید کرنے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرو۔ اس لئے کہ اُن کی تمہارے لئے دشمنی کھل کر آگئی ہے اور اُن کے کفر اور دھوکہ بازی اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ پہلی آیت میں اشارہ ہے کہ اُمت ہوا کہ کیا منافقین کی ذلت اور خواری اُن کی اپنی شامت ہے یا اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اے مسلمانو! کیا ہو گیا ہے

کہ تمہارے منافقین کے حق میں دو گروہ ہوگئے ایک گروہ کہتا ہے کہ منافقین کی ذلت و خواری اُن کی منافقت کی وجہ سے ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کا کرشمہ ہے لیکن تمہیں یقین ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل فرمایا ہے تو اُن کے اپنے اعمال سے گویا دونوں گروہوں کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین کی یہ ذلت و خواری کے اسباب تو اُن کے اپنے اعمال ہیں لیکن ہوا سب کچھ قضا و قدر سے ہے اور اُن کے اعمال کا سرچشمہ اُن کی وہ منافقت ہے جو ان دلوں سے پیدا ہوتی ہے پھر جو بھی تباہ ہوا وہ اس منافقت کی نحوست سے ہوا۔

قضا و قدر میں فرق

قضا و قدر کے مابین فرق کے متعلق بطور مثال یوں سمجھا جاتا ہے کہ نقاش کسی صورت کو جب منقش کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے وہ اس صورت کو اپنے ذہن میں لائے گا پھر اس کے بعد منقش کرے گا اس ذہنی صورت کو قدر سمجھئے اور اُس منقش صورت کو قضا اُس کے بعد جب کسی استاذ کا شاگرد اس منقش صورت کے مطابق کوئی دوسری صورت تیار کرے گا تو استاد کی تیار کردہ صورت سے سرمو تفاوت نہیں کرے گا۔ اس شاگرد کی استاذ کی نقالی شاگرد کے اپنے اختیار اور کسب سے ہے لیکن با وجود اختیار و کسب استاذ کی صفت سے سرمو تفاوت نہیں کرتا اسی طرح بندہ اگرچہ اپنے اختیار سے عمل کرتا ہے لیکن اُسے قضا و قدر سے ہٹنے کی قدرت نہیں ہوتی لیکن قضا و قدر کے مابین متردد ضرور ہوتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ۔ اس مثال کی آیت سے مؤکد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ۔ اور فرمایا وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ" اسے دوسرے طور سمجھئے۔ وہ اس طرح کہ فعل کبھی سبب قریب کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی سبب بعید ہوتا ہے۔ قریب کی مثال ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے قطع السیف ید فلان (فلاں شخص کے ہاتھ کو تلوار نے کاٹا)۔ اور بعید کی مثال ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے قطع الامیر ید فلاں (امیر نے فلاں کا ہاتھ کاٹا) اس کی مثال قرآن یوں ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ دوسرے مقام پہ فرمایا" اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ پہلی آیت میں موت کی نسبت ملک الموت کی طرف فرمائی دوسری میں اپنی طرف۔ ابن بناتہ کہتا ہے۔

اذا ما الالٰہ قضیٰ امرہ

فانت لما قد قضا السبب

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو تم اس کی تقدیر کا سبب ہے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ جو یہ عقیدہ رکھتا ہے عمل میں بندے کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اس کا گمان غلط بلکہ وہ حقانیت کا منکر ہے۔

مسئلہ جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ بندہ اپنے فعل میں کلی طور پر خود مختار ہے تو وہ مشرک ہے۔

مسئلہ بندہ کا اختیار بین الجبر والقدر ہے اس لئے ہر فعل کا آغاز و انجام اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ بندہ ہر دونوں جانبوں سے تعلق رکھتا ہے یعنی وہ مختار بھی ہے اور مجبور بھی۔ اس مسئلہ پر غور اور سوچنے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ (التاویلات نجمیہ)

مسئلہ جبریہ فرقہ کہتا ہے کہ بندہ ہر طرح مجبور محض ہے اسے اپنے فعل کا کسی قسم کا اختیار نہیں اس کی ہر حرکت محتاج ہے۔ یہ ڈھیلے کی طرح ہے کہ ڈھیلے کو کوئی دوسرا حرکت دیتا ہے تو حرکت کرتا ہے ورنہ ساکن رہتا ہے۔

مسئلہ قدریہ کا مذہب ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے۔ وہ قائل ہیں کہ نہ کفر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور نہ ہی گناہوں کا تقدیر ربانی کہا جا سکتا ہے۔

مسئلہ اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے انسان جبر متوسط میں ہے یعنی کسب میں بندہ مختار ہے لیکن تخلیق اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے لیکن اہلِ حق صوفیا کچھ اور فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کے آثار کا مشاہدہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے پھر بھی جبر ثابت نہیں ہوتا۔

مثنوی شریف میں ہے۔

① گر بپرانیم تیراں بے زماست
ما کمان و تیراندازش خداست

② ایں نہ جبر ایں معنٰے جباریست
ذکر جباری برائے زاریست

③ زاری ما شد دلیل اضطرار
خجلت ما شد دلیل اختیار

ترجمہ ① اگرچہ ہم تیر پھینکیں تب بھی ظاہر ہے ہم سے ہے لیکن وہ حقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے۔
② جبر مذہب نہیں بلکہ جباری کو ماننا ہے اور جباری ہونا اظہار زاری کا نام ہے۔
③ ہماری زاری اضطرار کی دلیل ہے ہماری خجالت ہمارے اختیار کی علامت ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا
خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ
اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ
مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ
يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ
لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ
كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي
الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى
وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ
مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ع

ترجمہ: اور مسلمان کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کوئی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس

پر ایک مملوک مسلمان کو آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر وہ اگر اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک مسلمان کو آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خون بہا سپرد کی جائے اور ایک مسلمان مملوک آزاد کرنا تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے تیار کر رکھا ہے بڑا عذاب اے ایمان والو جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہتری غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم تحقیق کرنا لازم ہے بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور وہ کہ راہ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے جہاد والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے اس کی طرف سے درجے اور بخشش اور رحمت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ (اور مومن کے لائق نہیں) یعنی اس لئے نامناسب ہے اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا (کہ وہ کسی اہل ایمان کو ناحق قتل کرے) اس لئے کہ اسے ایمان ایسے برے عمل سے روکتا ہے اِلَّا خَطَـًٔا (ہاں بطور خطا کے ہو تو معذوری ہے) یعنی مؤمن کے شان سے کسی حالت میں بھی یہ ممکن نہیں ہاں کبھی خطا کے طور کبھی غلطی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ طاقت بشریہ سے جو بات خارج ہو تو اس سے احتراز ناممکن ہوتا ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ اس سے خطا کثیر کا صدور ہو۔ اور خطأً ہر وہ فعل ہوتا ہے جس میں قصد کو دخل نہ ہو یا خطأً وہ فعل ہے کہ جس سے کسی کو جان سے ختم کرنے کا ارادہ نہ ہو مثلاً کوئی شخص کفار کی طرف تیر پھینکے اور وہ کسی مسلمان کو جان سے مار دے اس کا اسے علم بھی نہ ہو کہ میں نے کسی مسلمان کو مارا ہے بلکہ اسے یہ خیال ہو کہ میں نے کسی کافر کو قتل کیا۔

حکایت عیاش بن ابی ربیع (ابوجہل کا مادری بھائی) مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ ہجرت کر کے حضور نبی کریم علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا۔ صرف اس خطرہ سے کہ میرے گھر والے مجھے تنگ نہ کریں۔ اور ہجرت سے قبل اُن کی والدہ نے قسم کھائی کہ مجھ پر کھانا پینا اور سایہ میں بیٹھنا حرام ہے جب تک عیاش بن ربیع واپس نہ لوٹے۔ ابوجہل حارث بن زید بن ابی انیسہ کو لے کر عیاش کو لینے کے لئے اس کے پاس آئے اور وہ پہاڑ پر رہتے تھے ابوجہل نے

پہاڑ کی چوٹی پر لے جاکر کہنے لگا کہ کیا تجھے محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں کہا ہاں۔ ابوجہل نے کہا تو تیری والدہ تیرے لئے پریشان ہے تم واپس چلو۔ ہم تمہیں دینِ اسلام سے پھرنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ وہ ابوجہل کے کہنے پر پہاڑ سے اتر کر اُس کے ساتھ ہو گئے۔ جب مدینہ طیبہ سے دور نکل گئے تو ابوجہل اور حارث نے عیاش کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔ اور ہر ایک نے اُسے سو سو کوڑا مارا۔ عیاش نے حارث سے کہا کہ ابوجہل تو میرا بھائی ہے اسے تو کچھ نہیں کہوں گا البتہ اگر وقت ملا تو پھر تیری خیر نہیں۔ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ اسے والدہ کے پاس لے آئے۔ والدہ نے کہا میں نے قسم کھائی ہے اس وقت اپنے ہاتھ سے بیڑیاں نہیں کھولوں گی جب تک تو دینِ اسلام کو ترک نہ کر دے عیاش نے ظاہری طور اسلام سے انحراف کا اقرار کر لیا لیکن اس کا دل مطمئن تھا چنانچہ بعد کو وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ بعدازاں حارث کو بھی دولتِ اسلام نصیب ہوئی اور وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ ایک دن عیاش نے موقع پاکر اُس کی گردن اُڑا دی لیکن انہیں حارث کے اسلام لانے کا علم اس وقت ہوا جب وہ اُس کی گردن اُڑا چکے تھے اُس کا انہیں بہت افسوس ہوا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام ماجرا سنایا۔ تو اُن کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا (اور جو کسی مؤمن کو بطور خطا کے قتل کر دے) فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ تو اُس پر لازم ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کر دے۔

نکتہ غلام کو رقبہ (گردن) سے تعبیر کرنا مجازاً ہے جیسے اسے کبھی راس (سر) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مُؤْمِنَةٍ یعنی غلام بھی وہ جو مسلمان ہو۔ اس سے اسلام کے مسائل اور اس کے ثمرات متحقق ہوئے ہیں یا نہ یعنے اس سے نماز و روزہ وغیرہ کی ادائیگی ثابت ہو یا نہ۔

مسئلہ ہماری اس تقریر سے ثابت ہوا کہ کفارۂ قتل خطأً میں ہر طرح کا غلام جوان ہو یا چھوٹا لڑکا۔ اسی طرح لونڈی بھی دی جا سکتی ہے۔

مسئلہ غلام آزاد کرنا یہ حقوق اللہ سے ہے یہ اس شخص پر واجب ہے جس نے مؤمن کو قتل خطأً کیا۔

نکتہ غلام کو مؤمن کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ بحالتِ غلامی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مواظبت نہیں کر سکتا۔ عبادت پر مواظبت اُس وقت ہو سکتی ہے جب وہ آزاد ہو جائے اور وہ اس مومن کا بدلہ بنا جو مومن مقتول ہو چکا ہے۔

وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اور ساتھ ہی مقتول کے ورثہ کو دیت بھی سپرد کرے (مقتول کے وارث اس دیت کو آپس میں تقسیم کریں گے)۔

مسئلہ اس دیت کو ورثہ اسی طرح تقسیم کریں جیسے مسئلہ میراث میں تقسیم ہوتی ہے کہ پہلے میت کا قرضہ ادا کریں

اگر اُس نے قبل از مرگ وصیّت کی تھی تو اسے پورا کریں۔

مسئلہ اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ دیت بیت المال میں داخل کی جائے اس لئے کہ بیت المال مسلمانوں میں تقسیم ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جس کے کوئی وارث حقیقی نہ ہو تو اُس کے تمام کلمہ گو بھائی وارث ہیں

حدیث شریف اَنَا وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ " میں اُس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ہاں اگر مقتول کے وُرثہ قاتل کو دیت صدقہ کے طور دیدیں۔ یعنی اس سے دیت معاف کردیں۔

نکتہ دیت کو صدقہ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ورثہ کو معلوم ہو کہ معاف کرنے میں ایسے ہی ثواب نصیب ہوگا جیسے ہمیں صدقہ دینے سے ثواب ملتا ہے اس سے دیت معاف کرنے کی فضیلت بتانا بھی مقصود ہے۔

حدیث شریف ہر نیکی صدقہ ہے۔

فائدہ دِيَةٌ مصدر ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں " ودی القاتل المقتول " یعنی قاتل نے مقتول کے وارثین کو وہ مال عطا کیا جو مقتول کے عوض قاتل ادا کر رہا ہے۔ اس مال کو دیۃ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے عموماً اُمور کو مصادر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فائدہ دیۃ کی تا واؤ محذوفہ کا عوض ہے جن مصادر (مثال وادی) سے محذوف کرکے آخر میں تا عوض کی لگائی جاتی ہے جیسے عدۃ کہ یہ دراصل وِعْدٌ تھا۔ اسی طرح دیۃ بھی دراصل وِدْیٌ تھا۔

مسئلہ دیت اگر سونے سے دی جائے تو ہزار دینار اور اگر چاندی سے دینی ہو تو دس ہزار درہم لازمی ہیں۔

مسئلہ قاتل کے قریبی رشتہ داروں سے وصول کی جائے اور وہ یہ ہیں۔

① بھائی
② بھائی کے لڑکے
③ چچے
④ چچوں کے لڑکے

مسئلہ ان سے لے کر مقتول کے وارثوں کو دی جائے۔

مسئلہ اگر قاتل سے وصول کی جائے تو پھر وہ مذکورہ بالا میں سے ایک یہ بھی شمار ہو اسے مستثنیٰ نہ رکھا جائے گا اس لئے قتل کا حقیقی فاعل تو یہی ہے۔

نکتہ دیت کو عقل اس لئے کہتے ہیں کہ عقل بمعنی روکنا۔ چونکہ اس کی ادائیگی آئندہ قاتل کسی کو قتل کرنے سے روک دیگی۔

اس لئے قاتل خیال کرے گا کہ پہلے بھی مجھ سے غلطی ہوئی تو بسیار خرابی کے بعد جان رہائی ہوئی فلہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے ۔

مسئلہ اگر قاتل کے عاقلہ یعنی قریبی رشتہ دار نہ ہوں تو اس کی دیت بیت المال تین سال تک ادا کرے ۔ اگر بیت المال نہ ہو تو قاتل کے مال سے ہی وصول کی جائے ۔

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ (پس اگر وہ مقتول تمہارے اس دشمن کی قوم سے ہے جن سے تمہاری جنگ چھڑی ہوئی ہے وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور مقتول مؤمن ہو جس کا قاتل کو علم نہ تھا کہ وہ واقعی مؤمن ہے اس لئے کہ قاتل نے جب دیکھا کہ وہ دشمن کی صف میں ہے اور وہ اسلام قبول کرکے ہجرت نہ کرسکا قاتل کو یقین ہوگیا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو وہ ضرور ہمارے ہاں ہجرت کرکے آجاتا حالانکہ وہ مسلمان ہوکر کفار کے ساتھ رہا یا وہ مسلمان تو ہو چکا تھا لیکن اسلامی امور سے بے خبر رہا لیکن قاتل نے بے خبری سے قتل کردیا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ تو بھی اسے ایک مؤمن غلام آزاد کرنا ضروری ہے یعنی ایسے مسلمان کو قتل کرنے پر کفارہ ہے دیت واجب نہیں اس لئے کہ اس کے دارالحرب میں رہنے کی وجہ سے اس پر وراثت کے قوانین کا اجرا نہیں ۔

وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ اور اگر وہ مقتول ایسی قوم کفار سے ہے کہ تمہارے اور ان کے مابین ہمیشہ کے لئے یا ایک مدت تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوچکا ہے فَدِيَةٌ تو قاتل پر دیت لازم ہے مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ (وہ دیت مقتول کے مسلمان وارثین کو دی جائے اگر اس کے وارثین اہل اسلام سے ہوں وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ اور ایک مومن آزاد کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ یہ بھی دوسرے کفارں کی طرح ایک کفارہ ہے ۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ ۔ پس جس قاتل کے پاس غلام نہیں کہ جسے وہ آزاد کرے نہ ہی اس کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ جس سے غلام خرید کرکے آزاد کرسکے ۔

مسئلہ غلام کی قیمت کا سوال اس وقت ہوگا جب اس کے ہاں اپنے اور اہل وعیال کے نان ونفقہ اور حوائج ضروریہ اور گھر بلو ضروریات مسکن وغیرہ سے زائد مال ہو ۔

فَصِيَامُ تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ (دو ماہ مسلسل)

مسئلہ تسلسل کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے دو ماہ کے درمیان کوئی ایک روزہ چھوڑ کر کسی اور روزے کی نیت باندھی تو اس پر کفارہ کے لئے از سرِ نو دو ماہ دیگر روزے رکھنے ضروری ہیں ۔

مسئلہ حیض ونفاس اور اس طرح کی وہ ضرورت کہ جس کے سوا چارہ نہیں تو ایسی مجبوری تسلسل کو قطع نہیں کرتی ۔

مسئلہ کفارۂ قتل خطا میں طعام کھلانے کو کوئی دخل نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا ارشاد باری تعالیٰ میں لفظ فا سے معلوم

ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ نے اس کفارہ میں گردن آزاد کرنے اور روزے رکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے بعض کو چھوڑ کر ہم اپنے قیاس سے طعام کو واجب نہیں کر سکتے۔

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ سے توبہ قبول کرنا ہے) توبۃ کا منصوب ہونا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ کفارہ اس لئے واجب فرمایا ہے کہ قاتل کو غلطی کے بعد امید ہو کہ میرا رب تعالیٰ میری توبہ قبول کر لے گا اس لئے خوشخبری سنائی کہ اگر قاتل توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

سوال جب یہ مسلم ہے کہ قتل خطأً گناہ نہیں تو پھر توبہ کا حکم کیوں ؟

جواب اس میں اشارہ ہے قاتل سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے کہ اگر وہ لاپرواہی نہ کرتا تو اس سے اتنی بڑی غلطی سرزد نہ ہوتی۔

نکتہ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ میں اس طرف اشارہ ہے کہ قاتل نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا اور اللہ تعالیٰ قاتل کے حال سے باخبر ہے کہ اس میں نہ اُس کا ارادہ تھا اور نہ اس نے یہ غلطی قصداً کی۔ حَكِيْمًا جتنے احکام صادر فرماتا ہے اس میں اس کی ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ میں اشارہ ہے کہ نفس کی تربیت اور اُس کا تزکیہ مال خرچ کرنے سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نفس کی تربیت کے لئے ترکِ دنیا سب سے اولین شرط ہے۔ اگرچہ نفس کی تربیت کے بہترین علاج، بھوک پیاس اور باقی مجاہدات ہیں لیکن ترکِ دُنیا اُن سب سے پہلے ہے۔ اس لئے دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ اور یہ وہ خار دار وادی ہے کہ جس سے وہی دامن بچا کر نکل سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عقل کامل عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ (الآیۃ) سالک کا سلوک میں پہلا قدم یہی ہونا چاہیئے کہ وہ دنیا کو یک لخت طلاق دیدے اور اس کے تمام تعلقات سے یکسر دُور ہو جائے اس کا دوسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ وہ نفس اور اُس کے صفات سے بالکل فارغ ہو جائے۔

حدیث شریف نفس کو طلاق دے کر بارگاہ حق میں حاضر ہو جا۔ نفس کو دنیا و آخرت کی دائمی لذات کی راہوں سے بچنا صرف عنایت ربانی اور اُس کی توفیق پر مبنی ہے کہ اس کی عطا سے اس کی قابلیت بھی ہو ورنہ مشکل ہے کسی شاعر نے فرمایا ہے ؎

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد حق

ترجمہ: عطائے الٰہی کو قابلیت شرط نہیں بلکہ شرط قابلیت یہی ہے کہ عطائے حق ہو جائے۔

حکایت ہارون الرشید کی اولاد زاہدانہ طبیعت رکھتی تھی۔ اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس نومولود کو ایک بڑے شیشہ میں بند کر دیا جائے وہاں پر ہی اُسے خوراک و پوشاک پہنچائی جائے اور تنعم و تعیش سے پالا جائے اور ہر وقت اُس کے سامنے سرود وغیرہ کی مجلس گرم رہے یہاں تک سلطنت چلانے کے لائق ہو جائے چنانچہ ایسے ہی ہوا جب وہ نومولود کچھ بڑا ہوا تو ایک دن گوشت کھا رہا تھا۔ گوشت سے ہڈی نکال کر باہر پھینکی تو شیشہ ٹوٹ گیا۔ اس کی زمین و آسمان پر نظر پڑی لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب ملا کہ یہ آسمان و زمین ہے شہزادے نے کہا کہ مجھے ذرا ان ہر دونوں کو اچھی طرح دیکھنے دو چنانچہ اسے اس بڑے شیشہ سے باہر لایا گیا۔ جب باہر نکلا تو اتفاقاً ایک مُردار پر اس کی نگاہ پڑ گئی۔ اس کے قریب ہو کر اس سے کلام کیا لیکن وہ نہ بولا۔ لوگوں سے پوچھا یہ کیوں نہیں بولتا جواب ملا کہ اس پر موت آ گئی۔ شہزادے نے کہا میرے اوپر بھی یہی کیفیت طاری ہو گی یا نہ انہوں نے کہا ہاں یہ بات سُن کر شہزادہ اُن سے بھاگ کر جنگل کو چلا گیا۔ نوکر بھی اُس کے پیچھے چل پڑے شہزادہ جونہی آگے گیا تو اسے پانچ گھوڑوں کے سوار ملے لیکن اُن کا ایک گھوڑا سوار سے خالی تھا اس پر اس شہزادے کو سوار کر کے نوکروں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے[1]

مسئلہ ہر قلب معرفت الٰہی کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسے ہر بدن کو خدمت کی اہلیت نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جانتا ہے جو اس کے جذبہ اور اُس کی خدمت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جناب صائب فرماتے ہیں۔ ؎

در سرِ ہر خام طینت نشۂ منصور نیست

ہر سفالے را صدائے کاسۂ فغفور نیست

ترجمہ: ہر خام طینت کے سر میں منصور کا نشہ نہیں اور نہ ہی ہر ٹھیکری والے برتن میں کاسۂ فغفور کی آواز ہے۔

نکتہ یہ صرف دعویٰ سے نہیں ہوتا بلکہ اُس کے لئے ایک کسوٹی مقرر ہے جس سے کھرے اور کھوٹے کا امتیاز ہو جاتا ہے نیز عالم حقیقت قیل و قال کا نہیں بلکہ اُسے ہر حال کی ضرورت ہے نیز یہ واضح امر ہے کہ اس فن کا سلطان اعظم ہمیشہ محویت میں رہتا ہے چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ بلقیس کے تخت کو اٹھانے کے لئے حضرت سلیمان علی نبینا و علیہ السلام نے آصف بن برخیا کو مامور فرمایا۔ ورنہ خود بھی تو نبوت کے بلند مقام پر فائز تھے وہ اس لئے کہ وہ عالم استغراق میں مستغرق تھے اس لئے اس سے نیچے مرتبے کی طرف تنزل کو پسند نہ فرمایا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے لئے ایک ایسا وقت ہوتا ہے

---

[1] پھر یہ شہزادہ بہت بڑا باکرامت ثابت ہوا۔

کردہاں نہ تو کسی نبی مرسل کو دخل ہوتا ہے اور نہ ہی کسی ملک مقرب کو اسمیں بھی اس مقام کی طرف اشارہ ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنی جناب اقدس کے واصلین اور ان لوگوں سے بنا جو تیرے قول اور انس سے بہرہ مند ہوتے ہیں (آمین)

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا (اور جو کسی مومن کو قتل کرتا ہے) مُتَعَمِّدًا (جان بوجھ کر) یعنی اسے قتل کرتے وقت اس کا قتل کرنا قصداً ہے نہ کہ خطاءً۔

شان نزول مروی ہے کہ مقیس بن صبابۃ الکنانی اور اس کا بھائی ہشام مسلمان ہو چکے تھے چند روز بعد مقیس نے اپنے بھائی کو بنی نجار کے محلہ میں مقتول پایا۔ اس نے حضور سرور عالم کی خدمت میں اپنے بھائی کے قتل ہوجانے کا واقعہ عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے اس کے ساتھ حضرت زبیر بن عیاض الفہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا یہ حضرت زبیر اصحاب بدر میں سے تھے انہیں فرمایا کہ بنی نجار کو جاکر کہو کہ مقیس کے بھائی کے قاتل کو مقیس کے سپرد کریں تاکہ وہ ان سے قصاص لے سکے۔ اگر اس کا قاتل معلوم نہیں تو اس کی دیت ادا کریں۔ انہوں نے کہا کہ حضور کا ارشاد گرامی بسر وچشم۔ لیکن ہمیں اس کے قاتل کا علم نہیں البتہ اس کی دیت ہم پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سب نے مل کر مقیس کے بھائی کی دیت ایک سو اونٹ پیش کر دیئے۔ حضرت زبیر اور مقیس ہر دونوں دیت کے اونٹ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں شیطان نے مقیس کو وسوسہ ڈالا کہ تو اپنے بھائی کی دیت قبول کرکے اپنے۔ لئے عرب کی گالی لیکر جارہا ہے تجھے لوگ عار دیں گے کہ مقیس اتنا کمزور تھا کہ بھائی قتل ہوگیا تو اس کے لئے صرف ایک سو اونٹ قبول کرکے بزدلی کا ثبوت دیا۔ یہ بات مقیس پر اثر کرگئی۔ شیطان نے پھر وسوسہ ڈالا کہ اس (حضرت) زبیر فہری کو قتل کردے۔ اس طرح تیرے بھائی کا بدلہ بھی ہوگا۔ اور ایک سو اونٹ دیت والے تجھے بچ جائیں گے۔ اسی طرح سے تیری بہادری کی داستان عرب میں مشہور عام ہوجائے گی وہ بدبخت (مقیس) اس وسوسہ سے مغلوب ہوگیا اور ایک پتھر اٹھاکر اچانک ہی حضرت زبیر فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر مارا جس سے حضرت زبیر فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تاب نہ لاسکے اور فوراً ہی جاں بحق ہوگئے وہ بدبخت (مقیس) ایک اونٹ پر سوار ہوکر بقایا کو ہانکتا ہوا مکہ معظمہ کو روانہ ہوا۔ اسلام سے منحرف ہوکر کفر کی لعنت میں گرفتار ہوگیا۔ وہ اس حالت میں یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔ ؎

قَتَلْتُ بہ فہرا وحملت عقلہ
سراۃ بنی النجار اصحاب فارع
دادرکت ثاری واضطجعت موسدا
وکنت الی الاوثان اول راجع

ترجمہ: میں نے اپنے بھائی کے بدلہ میں فہری کو قتل کرڈالا ہے اور بھائی کی دیت کا مال بھی میں نے شاہراہ نشین بنی نجار کے سرداروں سے وصول کرلیا ہے۔ اس لحاظ سے میں بہت سا مال پاکر اب آرام کی زندگی گذاروں گا۔ اور پھر

پہلے کی طرح بتوں کی پرستش میں مصروف رہوں گا۔

اس بدبخت (مقیس) کے اس فعل شنیع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ یہ وہی بدبخت (مقیس) ہے جس کے لئے حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا کہ آج ہر ایک کے لئے امان ہے لیکن مقیس (بدبخت) اگرچہ غلاف کو چمٹا ہوا ہو تب بھی اُسے قتل کر دو چنانچہ اسے اسی حالت میں قتل کر دیا گیا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہر کہ کند بخود کند

گر ہمہ نیک و بد کند

ترجمہ: جو کسی کے ساتھ کچھ کرتا ہے تو وہ اپنے لئے کرتا نیک کرے یا بُرا۔

فَجَزَآؤُهٗ پس اس کی جزا یعنی ایسا فعل کرے تو اس کی سزا جَهَنَّمُ جہنم ہے اور پھر خَالِدًا فِيهَا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ فعل مقدر سے حال مقدرہ ہے جیسا کہ کلام کا تقاضا ہے گویا یوں کہا گیا کہ ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے۔ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ جملہ کا شرطیہ ہونا دلالت کرتا ہے گویا کہ تقریرًا و تاکیدًا یوں کہا گیا ہے کہ ایسے شخص کا حکم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھی ہوگا۔ وَلَعَنَهٗ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھی یعنی ایسے شخص کو بطور سزا یوں ہوا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دھتکار دیا وَاَعَدَّ لَهٗ اور اس کے لئے جہنم میں تیار کیا ہے عَذَابًا عَظِيْمًا بہت بڑا عذاب ایسا کہ اس کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

قاعدہ ہمیشہ کلمہ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ اس کے خصوص سبب کا اور یاد رہنا چاہیئے کہ جو قتل کو حلال جان کر کسی کو قتل کرے تو اس معنے میں کلام حقیقی ہوتا ہے (یعنے ایسا قاتل دائمی طور جہنم میں رہے گا)۔

مسئلہ کوئی مؤمن کسی مؤمن کے قتل کو حلال جان کر قتل نہیں کرتا تو ایسا شخص کافر نہیں ہوتا نہ ہی وہ دائرہ ایمان سے خارج ہوتا ہے۔

مسئلہ اگر قاتل کو اس مقتول کے عوض قتل کر دیا جائے تو یہی قتل قاتل کے لئے کفارہ بن جائے گا۔

مسئلہ اگر قاتل کو مقتول کے بالعوض قتل نہیں کیا گیا لیکن وہ آئندہ ہمیشہ کے لئے سچے دل سے ایسے فعل کے ارتکاب سے تائب ہو جائے تب بھی یہ توبہ اُس کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ اس لئے کہ کفر سب سے بڑا گناہ ہے جب وہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو پھر یہ کیوں نہ معاف ہو۔

مسئلہ اگر ایسے قاتل سے نہ بدلہ لیا گیا اور نہ ہی وہ توبہ کر کے مرا ہے تو اللہ تعالیٰ چاہے بخش دے چاہے اُسے اُس غلطی کی سزا دے کر اسے جہنم سے نکال کر بہشت عطا فرما دے۔ جیسا کہ اس کا اہل ایمان کے لئے

وعدہ کریمہ ہے۔ لیکن اُس کے کرم میں ہے کہ مقتول کو ہر طرح راضی کر کے پھر قاتل کو معاف فرما دے۔

نکتہ قاتل عمد کے لئے بہشت اس لئے ملے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بہشت عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے وہ کریم اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔

سوال آیت میں خلود کا لفظ ہے اور لفظ خلود دوام غیر منقطع کا مقتضی ہے!

جواب مجازاً خلود بمعنے مکث طویل یعنی مدت دراز لی گئی ہے

نکتہ اللہ تعالیٰ کا کسی فعل پر جزا و سزا کی خبر دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اس فعل کے بالمقابل جزا سزا دے رہا ہے اگر یہی مفہوم ہے تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا اور اگر یہ مراد ہو کہ ہر برائی کی سزا اُس کے بُرے فعل کی وجہ سے مل رہی ہے تو یہ مفہوم صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویعفو عن کثیر (اللہ بہتوں کو معاف کرتا ہے)۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی کسی سے زجراً کہے کہ اگر تو نے یہ فعل کیا تو تیری سزا قتل ہے یا اتنے کوڑے مارے جائیں گے۔ اگر اس شخص سے وہ غلطی ہو جائے تو سزا سنانے والا اتنی ہی سزا دے جتنی اُس نے کہی تھی تو اُسے اس قول میں سچا کہا جائے گا۔ اس تقریر سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قاتل کی سزا جو مقرر فرمائی ہے یہ نہ قاتل تائب پر لاگو ہوگی اور نہ ہی اس قاتل عمد پر جو کسی حق کے تحت کسی کو قتل کر رہا ہے (مثلاً قصاص کے طور قتل کرنا) بلکہ یہ حکم صرف اس شخص کے لئے ہے جو قتل کے بعد بلا توبہ مر جائے یا کسی کو ناحق عمداً قتل کرے۔

مذمت قتل ناحق (احادیث مبارکہ)

① دنیا کو مٹا دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت معمولی امر ہے بہ نسبت اس بدعمل کے کہ کوئی مسلمان کو ناحق قتل کرے۔

② ایک شخص مشرق میں ناحق قتل کر دیا جائے۔ دوسرا اس کے ناحق قتل میں مغرب میں راضی ہے تو سمجھو کہ یہ بھی قاتل کے قتل کے گناہ میں شریک ہے۔

③ جو شخص کسی مسلمان کے قتل کرنے پر کسی کی امداد کرے زبانی طور پر یا معمولی بات کہہ کر تو قیامت کے دن ایسے شخص کے ماتھے پر لکھا ہوگا آئیس من رحمۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونے والا)۔

④ انسان اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ عمارت ہے پس ملعون ہے ہر وہ جو اللہ تعالیٰ کی تعمیر کو گراتا ہے۔

حکایت حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کا ارادہ فرمایا چنانچہ اس کی متعدد بار تعمیر کرائی لیکن جونہی تعمیر سے فارغ ہوتے تو تمام عمارت گر جاتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرا اپنا گھر ہے اور اس کی تعمیر ایسے شخص سے نامناسب ہے جو میری مخلوق کے خون بہاتا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ اُن کا قتل کرنا ناحق تو نہیں تھا وہ بھی تیرے دین کی خاطر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی ہو

پھر بھی وہ میرے بندے تو تھے ۔ اُس کے بعد داؤد علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! اس کی تعمیر کرنی ہے بالآخر تو خود ہی فرما دے کہ اُس کی تعمیر کون کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی تعمیر سلیمان علیہ السلام کریں گے ۔

سبق اس حکایت میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسانی تعمیر اس کے مٹانے سے بہتر اور ضروری ہے ۔

نکتہ یہی وجہ ہے کہ اعلائے اسلام پر قتل کرنے کے بجائے پہلے ان پر جزیہ لازم ہے اور ہمیں حکم ہے کہ پہلے اُن سے صلح کی بات ہو اگر وہ ان دونوں کو نہ مانیں تو پھر جہاد ہے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کون ہے عرض کی گئی کہ جس کے ہاں دراہم و دنانیر کی کمی ہو اور نہ ہی اُس کے پاس اور کوئی دنیوی سامان ہو۔ آپ نے فرمایا قیامت میں میرا وہ امتی مفلس ہوگا جس کے پاس نماز، زکوٰۃ اور روزہ نہ ہو اور اس کے عملنامہ کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر بہتان تراشی اور کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا ناحق قتل اور کسی کو خواہ مخواہ مارا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس کی نیکیاں اس کے خصموں کو دے دے گا اور اُن کی برائیاں اس کے سر پر رکھ کر اُسے جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

حدیث شریف ہر انسان سے سب سے پہلے نماز کا حساب[1] ہوگا۔ اور اس سے زکوٰۃ کا حق پورا کیا جائے گا اسی طرح دیگر حقوق کا قیاس کیجئے ۔

مسئلہ جب کسی قاتل سے مقتول کا ولی قصاص لیتا ہے تو وہ اس کی دنیوی سزا ہے باقی قاتل و مقتول کا اپنا معاملہ وہ قیامت تک باقی ہے ۔

سوال مقتول نے جان کا بدلہ جان تو لے لی پھر اُسے آخرت تک باقی رکھنا عدل و انصاف کے خلاف ہے ۔

جواب مقتول کا بدلہ لینا یہ اس کا اپنا ایک حق ہے وہ یہ کہ مقتول سے اسے اپنی قرابت کا ایک درد تھا جو اس سے بدلہ لینے سے شفایاب ہوا اور دشمن سے دل کی بھڑاس نکالی کہ اسے قتل کرنے سے حاصل ہوئی اسے فی نفسہ مقتول کو تو کوئی فائدہ نہ ہوا، بنا بریں اس کے لئے علیحدہ احکامات مرتب ہوئے اور یہ عین عدل ہے (التفسیر الحادی)

مسئلہ قتل عمد میں کسی قسم کا کفارہ نہیں۔

حدیث شریف پانچ ایسے امور ہیں جن میں کسی قسم کا کفارہ نہیں۔ (۱) شرک ۔

---

[1] حضرت شرف الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

روزِ محشر کہ جانگداز بود　　اوّلیں پرسشِ نماز بود

② والدین کی نافرمانی
③ جنگ سے بھاگنا
④ قتل عمد
⑤ جھوٹی قسم

مسئلہ قتل عمد میں مقتول کے متولی کو تین طرح کا اختیار ہے۔
① قتل۔
② دیت۔
③ معاف کرنا۔

نکتہ متولی کو تینوں امور کا اختیار اس لئے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے قصاص کا حکم تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں دیت اور معافی۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہر تینوں حکم مشروع فرمائے تاکہ قصاص سے متولی کا دل ٹھنڈا ہو اور دیت لے کر مال و دولت کی ضرورت ہو تو دیت سے پوری کرے اور دنیا میں مکرم و معزز ہونا چاہے تو معاف کر دے اور یہی تیسرا طریقہ افضل ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

بدی را بدی باشد سہل جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

ترجمہ: بُرائی کی برائی سزا آسان ہے لیکن اگر تو جوانمرد ہے تو بُرے پر احسان کر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ قلب اصل فطرت میں مؤمن ہے اور اصل خلقت میں نفس کافر ہے اُن کو آپس میں انتہائی دشمنی ہے اور ہر وقت لڑائی جھگڑے پر تلے رہتے ہیں اور ہر گھڑی ایک دوسرے کے خلاف رہتے ہیں۔ قلب کی زندگی نفس کی موت میں اور نفس کی زندگی قلب کی موت میں ہے چنانچہ کفار کے نفس زندہ تھے تو اُن کے دل مردہ تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں مُردہ کہا اور صدیق کا دل زندہ اور نفس مردہ تھا اس لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاہے کہ ہر اس شخص کو دیکھے جو مردہ ہو کر زمین پر چلتا ہو تو وہ صدیق کو دیکھ لے۔ وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا اس میں بھی قلب و نفس کی طرف اشارہ ہے یعنی جو بکافر نفس صفات بہیمانہ اور درندگانہ اور شیطانیہ امور کے غلبہ سے مومن قلب کو قتل کر دے۔ یعنی امور بالا قلب روحانی کے اوصاف پر غالب آ جائیں یہاں تک کہ قلب مر جائے تو ایسے نفس کی سزا جہنم ہے۔ جہنم سے عالم طبیعہ کا سفل مراد ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا وہ اس لئے کہ نفس اپنی سفلی طبیعت سے خروج پذیر ہوگا شریعت کی رسی سے اور شریعت کی رسی پکڑنا تو مومن قلب کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

وعملوا الصّٰلحٰتِ ۔ ایمان اور عمل صالح قلب کے متعلق اور اس کے شان سے ہے پھر جب قلب مرجاتا ہے اور اس کے اعمال اس سے منقطع ہوجاتے ہیں تو نفس کو عالم طبیعت کے سفل میں ہمیشہ تک رہنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب اور لعنت فرمائے گا یعنی ہمیشہ کے لئے اپنی بارگاہ اور اپنے قرب سے محروم فرما دے گا۔ اسے ارجعی الٰی ربّکِ کے خطاب کی لذات سے ہمیشہ ہمیشہ تک کوئی خیر و برکت نصیب نہ ہوگی اور وہ دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں رہے گا۔ یعنی اُسے ملک کبیر رب کے حضور سے دور رکھا جائے گا اور وہ جنّاتِ نعیم کی نعمتوں سے محروم ہوگا۔ (تاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا

شانِ نزول یہ آیت مرداس بن نہیک جو اہل فدک میں سے تھے کے حق میں نازل ہوئی۔ اپنی قوم میں صرف یہی مسلمان ہوئے اور ان کی باقی برادری ابھی تک اسلام سے مشرف نہ ہوئی تھی۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر حضرت غالب بن فضالہ اللیثی تھے تاکہ اُن لوگوں سے جہاد کریں۔ جب یہ لشکر وہاں پہنچا تو یہ لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے لیکن حضرت مرداس بن نہیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ارادہ پر کہ میں مسلمان ہوں مجھے یہ لوگ کچھ نہیں کہیں گے جب لشکر فدک کے قریب پہنچا تو جاتے ہی نعرۂ تکبیر کہا۔ حضرت نہیک بن مرداس نے بھی جوابی نعرہ کہا اور وہ اس وقت پہاڑ کی چوٹی میں تھے اور آپ کے ہاں بکریوں کا ریوڑ تھا۔ وہ اہل اسلام کو دیکھتے ہی خوشی سے بکریاں لے کر نیچے اتر آئے اور کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور انہیں السلام علیکم بھی کہا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں شہید کر کے اُن کی بکریاں لے کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچے اور آپ کو تمام ماجرا سنایا گیا آپ واقعہ سُن کر نہایت غمگین ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اسے ارادۃً اور قصداً شہید کیا ہے صرف اس نیت پر کہ اُس کی بکریاں ہاتھ لگ جائیں حالانکہ تم سُن رہے تھے کہ وہ پڑھتا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت اسامہ نے عرض کی کہ وہ خوف کے مارے کلمہ پڑھ رہا تھا اس کے دل کی نیت نہیں تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ھلا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ فنظرت قَلْبِہٖ اصادق ھو ام کاذب کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا۔ (یہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کا واضح ثبوت[1] ہے)

اس کے بعد حضرت اُسامہ کو یہی آیت پڑھ کر سُنائی۔ حضرت اُسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ میرے لئے استغفار کیجئے۔ آپ نے جواب دیا اس کے کلمہ کا کیا جواب ہوگا جو اس نے کہا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

---

[1] تفصیل فقیر کی کتاب "فیض الغفور فی علم ما فی الصدور" میں ہے۔

(صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہی بات آپؐ دہراتے رہے۔ حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ اس جلال و غضب اور بار بار اس کلمہ کے دہرانے سے میں آرزو کرتا تھا کہ کاش اس سے قبل میں مسلمان نہ ہوتا یہ دولت مجھے نصیب ہوتی تاکہ نہ اتنی بڑی غلطی ہوتی اور نہ ہی حضور علیہ السلام ناراض ہوتے۔ پھر میرے لئے استغفار فرمائی اور حکم صادر فرمایا کہ اس کی بکریاں واپس کردو اور مجھے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کردے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مومنو!

اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (جب تم اللہ کی راہ میں چلو۔ یعنی جب تم سفر پر جاؤ اور جنگ کے لئے چلو" اہل عرب کا مقولہ ہے "ضَرَبْتُ فِی الْاَرْضِ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی تجارت یا جنگ وغیرہ کے لئے روانہ ہو۔ فَتَبَیَّنُوْا یہاں تفعل بمعنے استفعال ہے جس میں طلب کا معنےٰ ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایسے سفر میں جو کام کرو اس میں ہر طرح کی تحقیق و تفتیش کرو۔ عجلت سے کام نہ لو کہ بلا تدبر اور دیکھے بغیر کام شروع کردو۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ (اور جو تمہیں السلام علیکم کہے تو تم اُسے یہ نہ کہو لَسْتَ مُؤْمِنًا (کہ تم مسلمان نہیں ہو) اور اسلام اس لئے ظاہر کررہے ہو تاکہ تجھے ہماری گرفت نہ ہو بلکہ اس سے ظاہری کلمہ قبول کرکے اُس کے ساتھ اسلامی طریقہ برتو۔

تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (تم حیات دنیا کے اسباب طلب کرتے ہو) یہ جملہ لَا تَقُوْلُوْا کے صیغہ خطاب سے حال ہے۔ اس میں اُن کے اس موجب کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے وہ ایسی عجلت کے مرتکب ہوئے اور تحمل اور حوصلہ سے ہاتھ کھو بیٹھے۔ اس سے یہ بھی نہ سمجھنا کہ یہ نہی صرف اسی قید کی طرف راجع ہے جیسے کہا جاتا ہے لا تطلب العلم تبتغی بہ الجاہ (علم صرف جاہ و جلال کے حصول کے لئے طلب نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بلکہ وہ نہی ہر دونوں امور کی طرف راجع ہے اب معنیٰ یہ ہو کہ تم اسے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں اس سے تمہاری غرض مال کی طلب ہو جو کہ وہ عارضی اور جلد ترمٹنے والا سامان ہے۔

فائدہ عرض الدنیا سے ہر وہ مال مراد ہے کہ جس سے نفع اُٹھایا جائے وہ نقد ہو یا کچھ اور قلیل ہو یا کثیر مثلاً اہل عرب کہتے ہیں عرض ضر الخ دنیا اس موجود سامان کو کہا جاتا ہے کہ جسے ہر نیک اور بد کھاتا ہے۔

نکتہ دنیا کے تمام اسباب کو عرض سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ مٹنے والے ہیں۔

فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ (پس اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی غنیمتیں ہیں)۔ وہ تمہیں غلط کام سے بچالیں گی فللہٰذا مال کے لالچ میں پھنس کر تم اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو۔

نکتہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ثواب دائمی اور غیر منقطع ہے۔

کَذٰلِکَ یعنی جیسے وہ غریب تمہارے سامنے کلمہ توحید پڑھ کر تمہارے اوپر سلام کہہ رہا تھا۔ کُنْتُمْ تم بھی مِنْ قَبْلُ چند سال ایسے ہی تھے۔ یعنی تمہارا ابتدائے اسلام میں یہی حال تھا کہ تم لوگوں کے سامنے اسلام کے

شعار کے سوا ڈر کے مارے کچھ اور ظاہر نہ کرتے تھے جیسے اُس نے تمہارے سامنے اظہار اسلام کرکے شعار اسلام یعنی السلام علیکم کہا فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ (پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر احسان فرمایا کہ تمہیں دینِ اسلام قبول کرنے کے لائق بنا کر ایسے بلند مرتبہ پر پہنچایا اور پھر تمہیں اور تمہارے اموال کو دشمنوں کے حملوں سے بچایا۔ اور یہ کبھی حکم نہیں نازل فرمایا کہ تمہارے حالات کی بھی تحقیق و تفتیش کی جائے اس فا کا عطف کُنْتُمْ پر ہے۔ فَتَبَیَّنُوْا یہ فا فصیحیہ ہے یعنی جب امرِ الٰہی یوں ہی ہے تو پھر ایسے واضح امر کی پوری چھان بین کیا کرو اور اپنی سابقہ کیفیت کو مدِ نظر رکھ کر آنے والے لوگوں سے معاملہ کیا کرو وہی کرو جیسے انہوں نے تمہارے ساتھ ابتدائے اسلام میں کیا کہ وہ بھی تمہاری ظاہری باتوں کا اعتبار کر لیتے تھے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ تمہارا باطن سے موافقت رکھتا ہے یا نہ۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری باطنی اعمال اور اُن کے کوائف کو خَبِیْرًا جانتا ہے۔ انہیں کے مطابق تمہیں جزا و سزا ملے گی۔ اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا پاؤ گے اور اگر برائی کرو گے برائی کی سزا پاؤ گے۔ بنا بریں کسی کے ناحق قتل کرنے کی جرأت مت کرو۔ اور جتنا احتیاط ہو سکے محتاط ہو۔

فائدہ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ خبیر اس ذات کو کہتے ہیں کہ جس کے سامنے تمام باطنی امور منکشف ہوں۔ اور ملک و ملکوت میں صرف اُسی کے حکم کا اجرا ہو۔ جہاں بھی کسی شے کو حرکت ہو یا وہ ساکن ہو یا کسی کو کہیں پریشانی ہو یا اُسے اطمینان ہو تو تمام باتوں سے وہ مطلع ہو۔ اس معنیٰ پر خبیر بمعنے علیم ہے۔

فائدہ جب علم پوشیدہ امور کی طرف منسوب ہو تو اس علم کو خبرۃ اور اس کے جاننے والے کو خبیر کہا جاتا ہے اور بندہ اس معنے پر خبیر ہے کہ جو اس کے عالم میں جاری ہوتا ہے اور وہ اسے معلوم ہے اس کا عالم قلب اور بدن ہے اور پوشیدہ امور وہ ہیں جس سے قلب کو موصوف کیا جا سکتا ہے مثلاً کھوٹ کرنا، خیانت عجلت والی اشیائے کے حصول کے لئے طبیعت کا میلان اور شر کو چھپانا اور خیر کو ظاہر کرنا بخل کو چھپا کر اخلاص و اخلاص کا اظہار انہیں ہر وہ شخص جانتا ہے جسے نہایت درجہ کا تجربہ ہو۔ وہ اپنے نفس کی ایسی خرابیوں کو خوب جانتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی مکاری و غداری کہاں تک ہے اور اُسے خوب معلوم ہے کہ نفس کا مکر و فریب کتنے حد تک ہے اور وہ کیسے دجل و مکر سے کام لیتا ہے اور کیسے ہی وہ اپنی خواہشات کو پورے کرانے کے لئے لڑائی کرتا ہے اس لئے سمجھدار آدمی اس سے ہر طرح سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے بندوں کے لائق ہے کہ اسے خبیر کہا جائے۔ یہ امام غزالی قدس سرہٗ کا کلام تھا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) نمی تا ز دریں نفس سرکش چناں
کہ عقلش تواں گرفتن عناں

(۲) کہ با نفس و شیطاں بر آید بزور

مصاف پلنگاں نیاید ز مور

ترجمہ (۱) نفس سرکش گھوڑا ایسا نہیں کہ اس کی باگ عقل میں آسکے۔

(۲) نفس و شیطان کے ساتھ زور آزمائی کر سکتا ہے کیونکہ شیروں کے میدان میں چیونٹی کی کیا مجال۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ مجتہد سے بھی کبھی خطا ہو جاتی ہے جیسے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطاء اجتہادی ہوئی اور اُن کی یہ خطاء اجتہادی معاف ہوگئی اس لئے اُن سے قصاص نہ لیا گیا۔

مسئلہ ذکر لسانی بھی شرعاً معتبر ہے جیسے مقلد کا ایمان شرعاً قابل قبول ہے لیکن مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذکر لسانی سے ترقی کرکے ذکر قلبی کو حاصل کرے پھر اُس کے بعد ذکر رُوحی کے درپے ہو تاکہ اُسے تعین اور معرفت نصیب ہو پھر نورِ معرفت کی برکت سے ظلمت جہل سے نجات پا جائے گا اس لئے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ انسان کا خاتمہ اُس عمل پر ہوتا ہے جس پر زندگی بسر کرتا ہے۔

حدیث قدسی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ آپ مغموم کیوں نظر آتے ہیں۔ میں نے کہا مجھے قیامت کے دن میں اپنی اُمت کا بہت بڑا فکر ہے جبریل علیہ السلام نے عرض کی آپ کو یہ فکر کافروں کے لئے ہے یا اہل اسلام کے لئے۔ میں نے کہا کہ مجھے صرف اُن لوگوں کی فکر ہے جو میرا کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے ہیں۔ جبریل علیہ یہ سن کر مجھے ابو سلمہ کے گورستان لے گئے اور اپنا دایاں پر مار کر ایک مُردے کو زندہ کیا۔ وہ مردہ نکلا تو اس کا چہرہ سفید تھا اور کہتا تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اسے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اپنی قبر میں واپس لوٹ جا وہ لوٹ گیا پھر جبریل علیہ السلام نے اپنا بایاں پر دوسری قبر پر مارا اس سے مردہ نکلا تو اس کا چہرہ سیاہ اور آنکھیں نیلی تھیں اور ہائے ہائے پکارتا تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے فرمایا۔ اپنی قبر میں واپس چلا جا۔ جب وہ مُردہ اپنی قبر میں چلا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ یہ لوگ قیامت میں ایسے ہی اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے اپنی اُمّت سے فرمایا کہ جس طرح زندگی بسر کرو گے ویسے ہی مرو گے۔ اسی طرح قیامت میں اُٹھو گے۔ ؎

ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت

ترجمہ: جس نے جو بویا وہی کھیتی اٹھائے گا

تفسیرِ صوفیانہ یا ایھا الذین آمنوا میں ان حضرات کی طرف اشارہ ہے جو سیر الی اللہ میں پہنچے ہیں انہیں فرمایا ایمان بالغیب دیئے جانے والو اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جب تم طلب حق

سلوک کے قدموں سے چل پڑو۔ یہاں تک کہ تمہارا ایمان ایقان اور ایقان احسان اور احسان عیان اور عیان غیب اور غیب شہادت اور شہادت شہود اور شہود شاہد اور شاہد مشہود بن جائے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مقامات کو قسم سے یاد فرمایا ہے کما قال وشاھِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ اسے پوری طرح سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ یہی شیخ کاملہ کا مقام ہے کہ مشائخ عظام بھی اپنے مریدین کی پوری جانچ پڑتال اور چھان بین کر کے اسے گلے لگا لیتے ہیں یا پھر اسے رد کر دیتے ہیں وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا میں اشارہ ہے مبتدی سالکوں کی طرف جب وہ ابتدائی طور طلب و ارادہ کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں یعنی جب تم میں سے کوئی ارادتمند ہو کر تمہارا دامنگیر ہو اور تمہارے سامنے سر تسلیم خم کرے تو اسے یہ کہو کہ تو تسلیم و رضا میں اور احکام صحبت اور تصرف فی المال والنفس علے شرط الطریقہ میں سچا نہیں اس طرح نہ اُسے ہٹاؤ اور نہ ہی نفرت دلاؤ۔ ان تشدیدات کے پیش نظر وہی کہو جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم فرمایا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا اسے نرمی بات کرو۔ تم انبیا علیہم السلام سے نہ معزز ترین ہو اور نہ ہی تمہارے مریدین فرعون سے ذلیل ترین ہیں اور نہ ہی تم اس کے کھانے سے گھبراؤ۔ اپنے سے اس کا بوجھ ہلکا کرتے ہوئے اس سے اجتناب نہ کرو اس معنیٰ کی طرف اشارہ ہے تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ رزق کے معاملہ میں تو ذرہ بھر ملال نہ کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق کی کمی نہیں اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نیک سبب بناتا ہے کہ اسے معلوم تک نہیں ہوتا۔ ایسے ہی تم پہلے تھے یعنی طلب و صدق میں نہایت کمزور تھے اور دوائے ارادہ سے صحبت اور تربیت کے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر احسان فرمایا کہ تمہیں مشائخ کرام کی صحبت نصیب فرمائی اور انہوں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گلے لگا کر اپنی تربیت کے لئے قبول فرمالیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں رزق سے نہ بھلایا اور ان مشائخ نے بھی تم پر تمہاری شفقت اور کرم نوازی میں کمی نہ فرمائی پھر اے مشائخ کرام تم بھی پوری چھان بین کر لیا کرو کہ مریدین کو کھانے کے خطرے سے کہیں صدق دل کو نہ لوٹا دو اور پھر مریدین کی ہبات کے حرص میں چھوٹے کو اپنے ہاں نہ رکھ لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ازل میں ہی تمہارے آج کے عمل (کہ سچے کو لوٹاتے ہو اور بُرے کو ساتھ رکھتے ہو) کو جانتا ہے اور یہ بھی اُسے معلوم ہے کہ تم رزق کے محتاج ہو جس کی وجہ سے تمہیں ملال رہتا ہے اور وہ تمہارے تمام اُمور سے باخبر ہے جو کہ اُس نے تمہارے لئے ازل سے مقدر فرمائے ہیں اور مقدر کر کے پھر اُن سے فارغ ہو گیا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تخلیق و ترزیق اور اجل سے فارغ ہو گیا۔

حدیث شریف فرمایا کہ جب مہمان کہیں سے آتا ہے تو وہ اپنا رزق ساتھ لاتا ہے اور جب وہاں سے کوچ کرتا ہے تو میزبان کے گناہ دھو کر جاتا ہے۔ (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ (جہاد پر سے بیٹھنے والے یعنی جہاد پر نہ جانے والے برابر نہیں ۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ مؤمن مجاہدین سے ۔ یہ القاعدین سے حال ہے ۔ اب عبارت یوں ہوگی کہ کائنین من المؤمنین ۔ اس اضافہ سے یہ فائدہ مطلوب ہے کہ مؤمن کے جہاد پر نہ جانے سے اس کے ایمان پر حرف نہیں آتا اور ساتھ ہی یہ بھی بتانا ہے کہ آئندہ جو ثواب کی جزا مرتب ہوگی اس سے یہ لوگ محروم نہیں ہوں گے ۔
غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ شرطیہ ہے کہ ان کا جہاد پہ نہ جانا کسی شرعی عذر کی وجہ سے ہو ۔ یہ مرفوع ہے اور القاعدون کی صفت ہے ۔

سوال غیر اپنے مابعد سے مل کر نکرہ رہتا ہے تو پھر القاعدون کی صفت کیسے ؟

جواب ۔ القاعدون کا الف و لام عہد ذہنی ہے اور یہ نکرہ کے قائم مقام ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ اس سے کوئی متعین قوم مراد نہیں ہوتی لیکن یہاں زیادہ موزوں ہے کہ یہ غیر اولی الضرر القاعدون سے بدل ہو ۔

فائدہ ضرر ۔ مرض ۔ پیدائش ۔ اندھاپن ۔ لنگڑاپن ۔ چلنے پھرنے سے عاجز ہوجانا وغیرہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے اور جو شخص جنگی ساز و سامان سے عاجز ہو ۔

شان نزول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھا تھا کہ آپ پر سکینہ (وحی) کا نزول ہونے لگا ۔ آپ کی ران میری ران کو لگی ۔ اس کا اتنا بوجھ تھا کہ مجھے خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں میری ران ٹوٹ نہ جائے ۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فراغت پائی ۔ اور آثار وحی آپ سے دور ہوگئے ۔ میں چونکہ آپ کا کاتب وحی تھا ۔ تو میں نے آپ کے حکم سے لکھا ۔ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ جملہ اترا تو حضرت مکتوم رضی اللہ عنہ (جو کہ نابینا تھے) نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس بندہ خدا کے لئے کیا حکم ہے جو جنگ کی طاقت نہیں رکھتا ان کا یہ عرض سنتے ہی آپ پر پھر نزول سکینہ (وحی) ہوگیا ۔ آپ نے بعد فراغت فرمایا ۔ اے زید لکھ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ حضرت زید فرماتے ہیں کہ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ ہی نازل ہوئے ۔ تو میں نے پچھلے الفاظ سے ملا کر لکھے گویا یوں ہی حکم نبوی تھا ۔

فائدہ القاعدین سے وہ تندرست لوگ مراد ہیں جو جنگ پر نہ جاسکیں اس ارادہ پر کہ ہمارے دوسرے جو گئے ہیں ۔ ہم اپنے گھروں کی حفاظت کریں اس لئے کہ جنگ کرنا فرض کفایہ ہے ۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں پر بدر کے میدان میں جانے والے اور نہ جانے والے مراد ہیں ۔ یہی قول تاریخ نزول آیت کے موافق ہے ۔

وَالْمُجٰهِدُوْنَ اس کا القاعدون پر عطف ہے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ یعنی وہ مجاہد جو اللہ تعالیٰ کے راہ پر مال لٹاتے اور اپنی جانیں قربان کرتے ہیں ان کا اور جنگ پر نہ جانے والوں کا اجر و ثواب میں

مقابلہ نہیں ہوسکتا کہ وہ بلا عذر جنگ پہ جائیں۔
سوال جب سب کو معلوم ہے کہ جنگ پہ بلا عذر نہ جانا۔ جنگ پہ جانے والوں میں اجر و ثواب میں کسی قسم کی برابری نہیں تو پھر برابری کی نفی کی تصریح کا کیا فائدہ۔
جواب اُن کے مراتب میں فرق کی تصریح میں نصیحت مطلوب ہے تاکہ جنگ پہ نہ جانے والا عبرت پکڑے کہ جنگ پہ نہ جانے سے اتنے بڑے درجات اور مراتب سے محروم ہوگیا اور اپنے نفس پہ ملامت کرے گا کہ اتنا بلندِ مراتب سے کیوں گر گیا۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (اللہ تعالیٰ نے اموال اور نفوس کے قربان کرنے والوں پر فضیلت بخشی ہے) یہ جملہ برابری کی نفی کی وضاحت کے لئے لایا گیا ہے اس لئے کہ برابری کی نفی سے پھر بھی احتمال ہے کہ ممکن ہے کسی دوسری وجہ سے جنگ پہ نہ جانے والوں کی جنگ پر جانے والوں پر کوئی درجہ بلند ہو اور یہ سوال مقدر کا جواب بھی ہے۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ جنگیوں کو غیر جنگیوں پر فضیلت کس بناء پر ہے تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ فضیلت محض فضلِ الٰہی کی وجہ سے ہے۔ پھر سوال ہوا کہ یہ دونوں مراتب میں برابر کیوں نہیں تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ علے القاعدین۔ چونکہ یہ لوگ جنگ پہ نہیں جاسکے اس لئے مراتب میں کمی واقع ہوگئی۔ باوجودیکہ انہیں کوئی عذر بھی نہیں تھا۔
سوال تم نے عذر کی قید کیوں بڑھائی ہے؟
جواب پہلے جملہ میں عذر کی تصریح ہو چکی ہے اور یہ جملہ اس سے مرتب ہے عذر کی قید بڑھانا سابقہ جملہ کی بنا پر ہے۔

دَرَجَةً اس کی تنوین تفخیم شان کے لئے ہے۔ اس کی مزید تقریر آئے گی (انشاءاللہ) اس کا منصوب ہونا نزع الخافض کی وجہ سے ہے۔ دراصل بِدَرَجَةٍ تھا۔ یا بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے اس لئے کہ درجۃً فضیلت کے معنیٰ کو متضمن ہے اور درجۃً مَرَّةً وَاحِدَةً کے موقع پر واقع ہوا ہے۔ گویا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جنگ پہ نہ جانے والوں پر ایک مرتبہ کی فضیلت بخشی۔ اس کی نظیر یہ جملہ ہے ضربہ سوطًا بمعنے ضَرَبَهُ ضَرْبَةً یعنی اسے ایک بار مارا ہے۔

وَكُلًّا اور ہر ایک کو یعنی جنگ پہ جانے والوں اور نہ جانے والوں کو وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (اللہ تعالیٰ نے نیکی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اَلْحُسْنٰى سے بہشت مراد ہے اور یہ وعدہ اُن کے حسنِ عقیدہ اور خلوص نیت کی وجہ سے ہے ہاں فرق بوجہ عمل کے ہے کہ جتنا عمل زیادہ اتنا ثواب میں اضافہ۔
فائدہ كُلًّا وَّعَدَ کا مفعول اوّل اور الحسنیٰ مفعول ثانی ہے۔

سوال کلاً کی تقدیم میں کیا فائدہ ہے؟

جواب افادۂ قصر مطلوب ہے تاکہ وعدہ میں تاکید ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر دو لوں کو بہشت کے وعدے سے نوازا ہے نہ کہ انہیں صرف ایک ہے۔

فائدہ یہ جملہ معترضہ ہے تاکہ ایک وہم پیدا شدہ کا تدارک ہو جائے۔ ہم کہ تقریر یہ ہے کہ جب جنگ پہ جانے والوں کو فضیلت بخشی گئی تو نہ جانے والوں کو بہشت کا وعدہ ہے یا نہ۔ اس جملہ سے یہ وہم دفع ہو گیا۔

مسئلہ اس آیت سے فقہاء نے مسئلہ شرعیہ کا استنباط کیا ہے وہ یہ کہ جہاد فرض کفایہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو نوں کو بہشت کے وعدے سے نوازا ہے اگر ہر فرد پر جہاد فرض ہوتا تو نہ جانے والوں کو اس آیت میں بہشت کے وعدہ سے نہ نوازا جاتا۔

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اس کا سابقہ جملہ فضل اللہ الخ پر عطف ہے۔ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ پہ جانے والوں کو نہ جانے والوں پر بہت بڑے اجر سے فضیلت بخشی ہے۔ اَجْرًا عَظِيْمًا مفعول مطلق ہے۔ اس لئے کہ فضل اللہ بمعنے اجر اللہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت اجر سے انہیں نوازا ہے۔

سوال فضل اللہ الخ کو بمعنے اجر اللہ میں لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ اُن کو یہ اجر عظیم اُن کے عمل جہاد کی وجہ سے ہے۔ یا اَجْرًا عَظِيْمًا مفعول بہ ہے اس لئے کہ فضل اللہ الخ اعطی اللہ کے معنے کو متضمن ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے بہت بڑے اجر سے نوازا ہے۔ بعض کے نزدیک اجرًا عظیما میں نزع الخافض ہے کہ دراصل فضلھم باجر عظیم ہے۔

دَرَجٰتٍ یہ اجر سے بدل الکل ہے فضیلت کی کمیت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ مِّنْهُ درجات کی صفت ہے جو درجات کی تفخیم اور جلالت قدر پر دلالت کرتا ہے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑے بلند درجات نصیب ہوں گے۔

فائدہ مروی ہے کہ ہر ایک کے مابین ستر درجات کا فرق ہو گا اور ایک درجہ کی بلندی اتنی ہو گی کہ تیز رفتار گھوڑا اگر ستر سال دوڑے تو کہیں دوسرے درجہ کو پہنچے یا اُن کے سات سو درجات ہوں گے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں یکصد درجات ایسے ہیں جو صرف مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے مختص ہیں ان میں دو درجوں کے مابین کی مسافت زمین و آسمان کی مسافت کے برابر ہے۔

فائدہ ممکن ہے درجات کا منصوب ہونا مفعول مطلق کی وجہ سے ہو جیسے عربی میں مقولہ ہے "ضربہ اسواطًا" ای ضربات" اب معنے یہ ہو گیا کہ "فضل تفضیلات" یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت بڑی فضیلتیں بخشی ہیں۔

وَمَغْفِرَةً ۔ یہ اجرًا سے بدل البعض ہے اس لئے کہ بعض اجر ایسے ہیں جو مغفرۃ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی اُن سے جو کوتاہیاں ہوئیں اُن سے درگذر فرمایا کہ جنگ پہ نہ جانے والوں کی باقی نیکیاں اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اگرچہ وہ بُرائیوں کے بھی مرتکب نہ ہوئے ہوں۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو صرف مجاہدین کو نصیب ہوگی وَّ رَحْمَةً یہ درجات کی طرح اجرًا سے بدل الکل ہے اور ممکن ہے کہ یہ منصوب ہو اور اُس کا فعل یہاں محذوف ہو ای غَفَرَ لَهُمْ وَ رَحِمَهُمْ رَحْمَةً (انہیں بخشا اور ان پر رحم فرمایا ۔

فائدہ فضل اللہ کا تکرار بطریق عطف کے اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ پہلی اور دوسری فضیلت کو آپس میں مغایرت ہے چنانچہ ایک کو درجہ سے مقید کیا اور دوسری کو درجات سے باوجودیکہ آیت میں مفضل اور مفضل علیہم ایک جماعت ہے چنانچہ کلام کا مقتضیٰ اور اُس کا حسن انتظام بھی اسی طرف مشیر ہے نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک مضمون کو دونوں عنوانوں سے دو طرز یعنی ایک کو درجہ سے اور دوسرے کو درجات سے نازل کرنا ظاہر کرتا ہے کہ گویا اُن دونوں کو ذاتی مغایرت ہے تاکہ اوّلاً ابہام پیدا ہو پھر اُسے تفسیر سے دور کیا جائے پھر اس سے مزید تحقیق و تقریر پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا۔ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۔ جب ہمارا حکم ہوا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور اہل ایمان کو اپنی رحمت سے نجات دی اور انہیں ہم نے سخت عذاب سے نجات بخشی ۔ اس تقریر سے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے والوں کو نہ کرنے والوں پر ایک ایسے درجہ سے فضیلت بخشی ہے کہ اندازہ بیان سے باہر ہے اور نہ ہی اس کی کنہ کو کوئی پہنچ سکتا ہے۔ جب ان دونوں کے مراتب میں فرق واضح ہوگیا تو کسی کو گمان ہوا کہ پھر اُن کا آخرت میں کیا حال ہوگا۔ جنگ پہ نہ جانے والوں کو بہشت سے محروم رکھا جائیگا اس وہم کو دُور کرنے کے لئے فرمایا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۔ پھر لفظ درجہ کی تنکیر و عدۃ سے وہم پیدا ہوا کہ شاید جنگیوں کو معمولی درجہ نصیب ہوگا۔ اس وہم کے ازالہ کے لئے دوسرے جملہ میں درجات فرما دیا۔ تاکہ پوری طرح اس وہم کا قلع قمع ہو جائے۔ سُبْحَانَ اللہ فصاحت و بلاغت کا کیا کہنا کہ ایک جملہ میں کئی مضامین شامل فرمائے۔

تقریر دیگر بطرز دیگر اگر ان دونوں اختلافوں کو ذاتی اختلافی پر محمول کیا جائے تو اس کی تقریر یوں ہوگی کہ تفضیل اوّل تفضیل ثانی سے اور درجہ درجات سے ذاتی طور مختلف یوں ہے کہ فضیلت اوّل سے مراد وہ انعامات ہیں جو مجاہدین کو دنیا میں حاصل ہوئے مثلاً مالِ غنیمت۔ فتحمندی اور اچھی شہرت یہ گویا صرف ایک درجہ ہے اور فضیلت ثانی سے آخرت کے درجات بلند جو کہ مجاہد کو نصیب ہوں گے جن کی گنتی کسی کو معلوم نہیں چنانچہ اُن دونوں فضیلتوں کی تقدیم و تاخیر سے معلوم ہوتا ہے اور پھر درمیان میں بہشت کے ذکر سے اشارہ ہے کہ دنیا کے درجات سے آخرت کے درجات کہیں زیادہ ہیں جن کا شمار نا ممکن ہے اور ان دونوں کے درمیان ایسی شئی کا ذکر

کیا گیا ہے جس کا درمیان میں ذکر کرنا ہی موزوں تھا۔ یعنی بہشت۔ اس لئے کہ اس میں سے دونوں مجاہدین و غیر مجاہدین کے حال کی توضیح مطلوب ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ مفضول یعنی غیر مجاہدین کو بھی جلدی سے تسلی ہو جائے کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ جب میں جہاد میں نہیں جا سکا تو نا معلوم مجھے بھی بہشت نصیب ہو گی یا نہ (واللہ وسبحنہٗ اعلم)

فائدہ بعض نے کہا کہ مجاہدین اوّل سے مجاہدین بالکفار اور دوسرے سے مجاہدین بالنفس مراد ہیں۔ اسی مطابق حضور علیہ السلام نے فرمایا "رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (ہم جہاد اصغر سے لوٹ کر جہاد اکبر کی طرف جا رہے ہیں)۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو وہ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ رَّحِيْمًا رحیم ہے کہ اپنے بندے کو اپنی رحمت سے بہشت میں داخل کرے گا۔ یہ تتمہ ہے سابق مضمون کا جس میں مجاہدین کو مغفرت کا وعدہ فرمایا۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے   تمام اولیأ کرام کو نفس کرامت میں سب کو برابر بنایا۔ لیکن درجات میں فرق رکھا۔ بعض اُن میں غنی ہیں تو دوسرے ان میں غنی تر ہیں بعض ان میں کبیر ہیں تو دوسرے ان میں سے کبیر ترین ہیں۔ مثلاً ستارے بھی نورانی ہیں لیکن چاند کے سامنے کچھ نہیں۔ اسی طرح بہشت بھی سب کو نصیب ہو گی خواہ وہ منتہی اولیأ ہوں یا مبتدی۔ خواہ نیکیوں سے انہیں بہشت حاصل ہو گی یا ویسے ہی بہر حال سب ہوں گے تو بہشت میں لیکن اعلیٰ درجات کے مالک کہیں بلند مراتب پر فائز ہوں گے اور نچلے درجے کے لوگ نچلی سطح میں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① اے کہن بدن چوں طفل صغیر
مانده در دست خواب غفلت اسیر

② پیش زاں کت اجل کند بے دار
گر نمردی زخواب سر بردار

③ انما السائرون کل رواح
یحمدون السری لدی الاصباح

① اے بدن کا ڈھانچہ تو تو چھوٹے بچوں کی طرح تو تو خواب غفلت کے ہاتھ میں قیدی ہے
② اس سے پہلے کہ تجھے اجل بیدار کرے تو موت سے پہلے ہی سر اٹھا۔
③ ہر وقت سیر کرنے والے صبح کے وقت حمد الٰہی کہتے رہتے ہیں۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد پہ شرعی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے نہ جانا جہاد پہ جانے والوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو فرمایا مدینہ طیبہ میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ جہاں تم رہے وہ تمہارے ساتھ تھے صحابہ (مجاہدین نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہ مدینہ طیبہ میں رہ کر بھی ہمارے ساتھ تھے آپ نے فرمایا ہاں وہ اس لئے کہ وہ صرف عذر شرعی کی وجہ سے تمہارے ساتھ نہ جا سکے ورنہ اُن کی نیات اور ارادے تو تھے اور ان کا دل جہاد کی طرف لٹکا رہا۔ صرف بیماری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے ؎

ہر کسے از ہمت والائے خویش

سُود بُرد در خور کالائے خویش

ترجمہ: ہر ایک اپنی ہمت کے مطابق اور ہر ایک اپنے سامان کے موافق نفع پاتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بندہ بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کرام سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کے وہ اعمال بدستور لکھتے رہو جو بحالت تندرستی کرتا تھا یہاں تک مرض سے نجات پائے۔

مسئلہ مفسرین نے ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کے وہ اعمال بدستور لکھے جاتے ہیں جو وہ بڑھاپے سے پہلے کرتا تھا (کسی قسم کی کمی نہیں کی جاتی)۔

حدیث شریف نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ (مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اس کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں کہ مؤمن چونکہ اپنے دل میں ایمان و اعمال صالحہ کی نیت رکھتا ہے اس لئے اگرچہ بہت عرصہ زندہ رہے تو بھی اس کا اُسے ثواب ملتا رہے گا۔

سوال تم نے لکھا ہے کہ بلا عذر شرعی جنگ پہ نہ جانے سے ثواب میں کمی واقع نہیں ہوتی یہ آپ نے کہاں سے سمجھا؟

جواب حکم ربانی سے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی کمزور اور بیمار مریضوں پر کوئی حرج نہیں اور نہ ہی ان لوگوں پر جو جہاد کے لئے خرچہ کی فرصت نہیں رکھتے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہی رکھتے ہوں۔

فائدہ نصیحت کا لفظ جب اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو تو اس سے اُن کی طاعت و فرمانبرداری مراد ہوتی ہے اور اُن کی فرمانبرداری بھی ظاہر و باطن میں برابر ہو۔ اسی طرح دُکھ اور سُکھ میں

باقی صـ۲۲۷ پر

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ
قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً
فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا
الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَّلَا
يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ
اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا
كَثِيرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ
يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

ترجمہ: وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے اُن سے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت بُری جگہ پلٹنے کی مگر وہ جو دبائے گئے مرد اور عورتیں اور بچے جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے نہ راستہ جانیں تو قریب ہے ایسوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آ لیا تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (بے شک وہ لوگ جنہیں ملائکہ کرام مارتے ہیں) تَوَفّٰهُمْ میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ صیغہ ماضی ہے اور اس سے ایک مخصوص قوم مراد ہے جو آیت کے نزول سے پہلے گذری یا یہ مضارع کا صیغہ ہے اس میں ایک تا حذف کی گئی ہے دراصل تَتَوَفّٰهُمْ تھا اس معنیٰ پر آیت عام ہے یہ اس شخص کے لئے ہوتا ہے جو ان اوصاف سے موصوف ہوتا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں مضارع ذرع حکایت حال ماضی کے لئے واقع ہوا ہے اور اُس سے اس صورت کو سامنے لانے کا مقصد مطلوب ہے چنانچہ اُن کی خبر فعل ماضی واقع ہوئی ہے یعنی قَالُوٓا اور قاعدہ ہے کہ جہاں إِنَّ کی خبر فعل ماضی واقع ہو تو وہاں مضارع ذرع حکایت حال ماضی کے لئے ہوتا ہے۔ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ سے موت کے وقت ملائکہ کا مردہ کی روح قبض کرنا مراد ہے اور ملک سے وہ فرشتہ مُراد ہے جس کو ارواح قبض کرنے پر مقرر کیا گیا ہے یعنی عزرائیل علیہ السلام۔ اس

کام کے لئے اُن کے حامی اور مددگار ملائکہ بھی ہیں ۔

سوال اللہ تعالیٰ نے ارواح قبض کرتے یعنی موت دینے کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے ۔ کما قال اللہ یتوفی الانفس حین موتھا یعنی نفسوں کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ انہیں خود مارتا ہے اور اس آیت میں ملائکہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے ؟

(بقیہ صفحہ ۲۲۵)

ہر طرح فرمانبردار رہے اسی طرح کسی سے محبت کرے تو اُن کی رضا مطلوب ہو اور اگر کسی سے بغض کرے تو اُن کی خوشنودی مدنظر ہو ۔ جیسے خیرخواہ نوکر اپنے آقا سے خیر خواہی کرتا ہے (تفسیر الارشاد) ۔

فضیلت جہاد جہاد بہترین عمل اور افضل اعمال میں سے ہے ۔ عاقل کے لئے لازم ہے کہ وہ جہاد کسی حالت میں بھی ترک نہ کرے ۔ یا کم از کم دل میں ہی آرزو رکھے بغیر جہاد مرجائے گا تو جاہلیت کی موت مرے گا ۔

فائدہ التحدث یعنی جنگ کی طلب میں رہنا اور اس کی آرزو دل میں رکھنا ۔

نسخہ تصوف بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ فضیلت عزم بالجزم میں ہے نہ کہ عمل پر کمربستہ ہونے میں ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جس پر اکثر لوگوں کو رشک رہے گا ۔

① تندرستی
② فراغت

شرح حدیث شریف محدثین اس کا مطلب یوں لکھتے ہیں کہ جس پر اللہ تعالیٰ ان دونوں کا انعام کرتا ہے یعنی اس کا جسم صحت و عافیت میں رہتا ہے اس لئے کہ صحت و عافیت تمام نعمتوں کی سرتاج ہے لیکن یہ تاج صرف بیماروں کو محسوس ہوتا ہے اور فراغت بھی دنیا کے بہترین مشاغل سے ہے ۔

سبق جسے یہ دونوں نعمتیں حاصل ہوں اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں صرف کرنا چاہیئے ۔ اس لئے کہ جن لوگوں کو اُن پر رشک ہوگا وہ بھی صرف اس لئے کہ ان لوگوں نے ان نعمتوں کو ضائع کرکے اُن کے مراتب اور درجات سے محروم ہوگئے ۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو اپنی زندگی سے نفع پاتے ہیں ۔ اور بیماری و تندرستی میں تیری یاد میں رہتے ہیں ۔ ہمیں اپنی ذات کی دوری سے بچا ۔ تیری یاد سے ہم ایک لمحہ بھی دور نہ ہوں اور نہ ہی تیری راہوں سے ہمیں انقطاع ہو تو غفور رحیم ہے ہماری اس دُعا کو مستجاب فرما ۔

جواب چونکہ حقیقی طور پر موت و حیات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے کما قال "هُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ" اس لئے کہ موت کا خالق وہی ہے۔ لہٰذا اس معنے پر اللہ تعالیٰ نے موت دینے کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور ملائکہ کی طرف موت دینے کی نسبت مجازًا ہے[1]۔

ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ درانحالیکہ وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی طرف ہجرت نہ کی اور مکہ مکرمہ میں ہی کفار کے ساتھ ہی رہنے کو پسند کیا اور اُن کا ایسا کرنا اُن کے امور دین میں کمی اور نقص کا موجب بنا۔

شان نزول یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن مکہ سے ہجرت نہ کر سکے جبکہ اس وقت ہجرت فرض تھی۔

قاعدہ ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی کہ حضور علیہ السلام مکہ مکرمہ کو چھوڑ گئے تو انہیں بھی مکہ مکرمہ کا چھوڑنا فرض تھا لیکن یہ حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ جو لوگ ایمان لانے کے بعد ہجرت نہ کر سکے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (جو لوگ ایمان لا کر ہجرت نہیں کرتے اُن سے تمہارا تعلق نہ ہو جب تک ہجرت نہ کریں)۔ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ، تَوَفّٰهُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

سوال حال نکرہ ہوتا ہے اور یہاں معرفہ ہے اس لئے کہ ضمیر کی طرف مضاف ہے؟

جواب چونکہ یہ اضافت لفظیہ ہے اور اضافت لفظیہ نکرہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

قَالُوْا یعنی ملائکہ کرام نے فوت ہونے والوں کو کہا تاکہ انہیں اپنی غلطی پر یقین ہو کہ وہ باوجودیکہ اسلام کا اظہار و احکام اسلام کی پابندی کی مثلاً نمازیں پڑھتے اور دیگر اُمور بجا لاتے لیکن انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فِيْمَ كُنْتُمْ تم کس عمل میں تھے یعنی دینی اُمور میں کونسے امور کے پابند تھے اس کے بعد سوال ہوا کہ جب فرشتوں نے انہیں جھڑکا تو انہوں نے کیا جواب دیا تو فرمایا قَالُوْا اپنی غلطی سے صریح روگردانی کرتے ہوئے باتیں بنانی شروع کر دیں گے اور اپنے گمان فاسد پر کہ وہ مجبور محض تھے) كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ہم کمزور تھے یعنی مکہ مکرمہ میں ہم ایسے لوگوں میں تھے کہ جن کے سامنے ہم دینی اُمور کے موجبات ادا کرنے سے عاجز تھے قَالُوْا ملائکہ نے انہیں ان کی عذرداری کو رد کرتے ہوئے انہیں جھڑکی دے کر فرمایا کہ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا

---

[1] اسی طرح حقیقی مدد اللہ تعالیٰ کی ہے انبیاء و اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام کی طرف بطور مجاز استعمال کی جاتی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

فِيْهَا' کیا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی زمین میں وسعت نہیں تھی کہ تم مکہ مکرمہ سے نکل کر کسی دوسرے علاقہ میں ہجرت کر جاتے تاکہ تم دینی امور سرانجام دیتے جیسے ان مہاجرین نے کیا جو مدینہ طیبہ یا حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔

شانِ نزول بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کا ذکر آیت میں ہوا ہے وہ ایسے تھے کہ انہوں نے مشرکین کے ساتھ مل کر بدر میں اہل اسلام سے لڑنے پھر وہیں مارے گئے تو ملائکہ کرام نے ان کے چہروں اور پیٹھوں کو پر مار کر وہی فرمایا جو آیت میں مذکور ہوا تاکہ وہ اپنے کئے کا مزہ چکھیں کہ کفار کے ساتھ موافقت کر کے اہل اسلام پر حملہ کیا جب انہوں نے یہ عذر کیا کہ ہم اہلِ مکہ کے زیرِ اثر تھے اُن سے جان چھڑانا مشکل تھی اس لئے ہم اُن کے ساتھ ہو گئے تو ملائکہ کرام نے اُن کا یہ عذر بھی رد کر دیا کہ تمہیں مکہ میں رہنا کچھ ضروری نہیں تھا۔ تمہیں وہاں سے نکلنے کی طاقت بھی بھی تھی لیکن اُس کے باوجود مکہ میں رہے۔

فَاُولٰٓئِكَ وہ لوگ جن کا ابھی ذکر ہوا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ آخرت میں اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے جیسے دنیا میں اُن کا ٹھکانہ دارالکفر تھا اور ترکِ واجب کر کے کافروں کے ساتھ رہے اور جہنم اُن اس لئے ٹھکانہ بنا کہ انہیں اپنے عمل کا نتیجہ معلوم ہو۔ اس سے ثابت کرنا مطلوب ہے کہ ان کا ہجرت نہ کرنے کا عذر بالکل بے اصل ہے اس کے بعد اور جملہ لایا گیا ہے جس کا سابقہ جملہ پر عطف ہے۔ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے جہاں وہ رہیں گے اس کا نام جہنم ہے اور بہت بری رہائش گاہ ہے۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ رہاں ان میں کمزور ہیں مرد ہیں یا عورتیں یا بچے تو ان کے لئے معافی ہے یہ استثنا منقطع ہے۔ اس لئے کہ وہ مرنے والے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تو وہ مرتد تھے یا کم از کم گنہگار ضرور تھے کہ استطاعت کے باوجود ہجرت نہ کر سکے اور یہ کمزور لوگ جو نہایت ہی عاجز تھے اور کفار کے زیرِ اثر کہ انہیں ہجرت کرنے کی طاقت نہ تھی اور وہ واقعی مجبور تھے اس لئے وہ ان فوت ہونے والوں میں شامل نہیں ہوں گے اس بنا پر یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور من الرجال الخ جار مجرور مل کر مستضعفین سے حال ہے یعنی وہ کمزور جو ان میں سے مرد ہیں یا عورتیں وغیرہ۔

سوال اگرچہ مستثنیٰ منقطع مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا لیکن اس کے حکم میں تو ہوتا ہے اور مرد و عورت کے لئے جہنم کی وعید ہو تو ہو لیکن بچے تو اس وعید میں داخل نہیں اور یہ مسئلہ تو سب کو معلوم ہے جب بچے داخل نہیں تو پھر انہیں مستثنیٰ کی گنتی میں کیسے داخل کیا جا سکتا ہے۔

جواب ترکِ ہجرت کے لئے تحذیر پر مبالغہ مطلوب ہے اور اشارہ ہے کہ غیر مکلف اس کی استطاعت پائیں تب بھی اُن کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہجرت کر جائیں چہ جائیکہ مکلف ہو کر طاقت کے باوجود ہجرت نہ کریں۔

مسئلہ اس سے صراحت ہو گئی کہ غیر مکلف کو بھی ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ بچوں پر بھی واجب ہے کہ قبل بلوغ ہجرت کی سعی کریں۔ جبکہ انہیں ہجرت کا موقعہ میسّر آجائے۔

مسئلہ بچوں کے سرپرستوں پر لازم ہے کہ جب بھی ہجرت کی استطاعت ہو بچوں کو ساتھ لے جائیں۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۙ نہ وہ حیلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں راہ ملتا ہے یہ المستضعفین کی صفت ہے اس لئے کہ یہ کسی معین معنٰے کے لئے مستعمل نہیں لہٰذا یہ نکرہ کے حکم میں ہے اور استطاعۃ حیلے سے ہجرت کے اسباب یا وہ امور جن پر ہجرت کا حصول موقوف پالینا مراد ہے اور اھتدائے سبیل سے ہجرت گاہ کا راستہ کا خود کو یا کسی دلیل سے معلوم ہونا مراد ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جن کے عجز کے صفات مذکور ہیں۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ لفظ علیٰ (جو کہ طمع کے معنیٰ میں آتا ہے) اور لفظ عفو کو ذکر کرتے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ امر بہت اہم ہے یہاں تک مجبور محض پر لازم ہے کہ وہ اس امر سے بے خوف نہ رہے اور فرصت کو ملحوظ رکھ کر دل کو اس سے لگادے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ؓ اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے عفو کا معنٰے ہے سزا سے اعراض اور درگزر کرنا۔ اور غفور کا معنٰے قبائح اور ذنوب کو دُنیا و آخرت میں پوشیدہ رکھنے والا ہے وہ ذات کامل العفو اور اکمل الغفران ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

پس پردہ بیند عملہائے بد

ہم او پردہ پوشد بالائے خود

ترجمہ: پھر وہ ہمارے بداعمال کھلم کھلا دیکھ کر اپنی مہربانی سے ان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ جہاں امور دینیہ رائج کرنے میں سخت دقت ہو تو دوسری جگہ ہجرت کرنا ضروری ہے تاکہ دینی امور آسانی سے نشر و اشاعت کئے جا سکیں۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صرف دین کی خاطر ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرے گا۔ اگرچہ بالشت بھر بھی تو اس کے لئے بہشت واجب ہو گئی اور آخرت میں اسے سیدنا ابراہیم اور سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو گی۔

مسئلہ علامہ حدادی نے اپنی تفسیر میں تحت آیت الم تکن ارض اللہ واسعۃ الخ لکھا ہے کہ جسے کسی جگہ پر دین ہر کرنے سے روکا جاتا ہے تو اسے دوسری جگہ ہجرت کرنا ضروری ہے۔ کل قیامت میں آل و اولاد اور مال و اسباب دیگر اعذار نہیں سُنے جائیں گے۔

حدیث شریف حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ جہاں پر گناہ بلا خوف و خطر سرزد ہوتے ہوں وہاں سے نکل جانا لازمی امر ہے۔ ؎

سعدیا حُبِ وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زدم

ترجمہ: اسعدی اگر حب الوطن حدیث صحیح ہے لیکن اپنے پیدائشی علاقہ میں سختی اٹھا کر مرنا اچھا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مؤمن کی قسم ہیں۔

① عام
② خاص
③ خاص الخاص۔

① چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ تو بعض ان کے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اس سے عام مؤمن مراد ہیں۔

② اور فرمایا وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ (اور بعض ان کے درمیانہ رو ہیں) اس سے خاص حضرات مراد ہیں۔

③ اور فرمایا وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ (اور بعض ان کے سابق بالخیر ہیں۔ اس سے خاص الخاص حضرات مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی اَلَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الخ وہ عوام مراد ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ ان کا تزکیہ کر کے اخلاقِ مذمومہ کا خوگر بنایا اور اخلاقِ محمودہ سے محروم رکھا۔ اگر وہ نفوس کا تزکیہ کرتے تو وہ کامیاب ہوتے لیکن ترکِ تزکیہ سے انہیں خسارہ ملا اور وہ گھاٹے میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا بے شک کامیاب ہوا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور گھاٹے میں رہا جس نے اس کا ترک کیا۔

"قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ" یعنی فرشتے کہیں گے جب اُن کی ارواح قبض کریں گے کہ تم کس غفلت میں رہے کہ تم نے اپنی زندگیاں ضائع کر دیں اور جو جوہر تمہارے اندر رکھا گیا اُسے تم نے برباد کر دیا پھر کونسی خواہش نفسانی کی وادی میں حیران و سرگرداں رہے اور دنیا کے کونسے باغ میں گھومتے رہے۔ تم نے فانی امور کو باقی رہنے والی اشیاء پر ترجیح دی۔ تم نے شرابِ طہور اور رابِ کے ساقی کو بالکل بھلا دیا۔ اپنے بزرگوں پر نظر کرو کہ انہوں نے اپنے مال اور نفس اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیئے۔ اپنے وطنوں اور بھائیوں، دوستوں سے جدائی اختیار کی۔ فرشتوں کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ (ہم اللہ کی راہ پر نفس پر قابو پانے سے عاجز تھے) اور ہمارے اوپر نفس کی خواہشات غالب ہو گئیں اور ہم شیطان کے پھندے میں پھنس گئے اور اُس نے ہمیں نفسانی خواہشات میں پھنسائے رکھا۔ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فرشتے انہیں کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین یعنی قلبی وسعت فراخ نہ تھی فَتُهَاجِرُوْا تم اس کی طرف ہجرت کر جاتے یعنی بشریت کے تقاضوں سے نکل کر تم روحانیت کے طویل و عریض مُلک میں پھیل جاتے بلکہ ھُویت کی ہوائیں اُڑتے۔ فَاُولٰٓئِكَ پس جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم

کیا۔ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے یعنی مقامات قرب کی جہنم بُعد اُن کا ٹھکانہ ہے وَسَآءَتْ مَصِيْرًا اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ یعنی قرب حق سے محروم لوگوں کو جو جدائی حاصل ہوگی وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے اور انہیں بھی سخت مصیبت کا سامنا کرنا ہوگا جو دنیا میں نفس کے جہاد سے محروم رہے اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ ہاں وہ کمزور مرد عورتیں اور بچے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ کثرت عیال اور ضعف حال کی وجہ سے اپنے اخراجات اور ضروریات زندگی سے فراغت پاکر نہ وہ دنیا سے نکل سکتے اور نہ ہی انہیں نفس پر قابو پانے کی تدبیر حاصل کرنے کا موقعہ ملتے اور نہ ہی وہ خواہشات نفسانی پر غلبہ پانے کی فرصت رکھتے اور نہ ہی طلب ہدایت کے لئے شیطان کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں سیدھے راستہ پر چلنے کا وقت ملتا ہے تاکہ وہ کسی صاحب ولایت کا دامن پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی تھام سکیں اور طلب مولیٰ کے لئے ارادۂ طلب حق پر گامزن ہو سکیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندہ یعنی ولی اللہ اُسے ارض بشریت کی اندھیریوں سے نکال کر اقدام عبودیت سے آسمان کے نور تک پہنچا سکے۔ یہی حضرات درمیانہ رَو کہلائیں گے اور انہیں اصطلاح تصوف میں مشتاق کہا جاتا ہے لیکن وہ بے چارے انانیت کے پردے میں محجوب ہو کر دیدار جمال حق سے محروم ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے معذور قرار دے کر اپنی رحمت کا مستحق بنا دیا اور وعدۂ کریمہ سے نوازا۔ چنانچہ فرمایا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ (انہیں معاف فرما کر سکون الی اللہ اور غیر اللہ سے روگردانی کی دولت سے نوازے گا) اس لئے وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا (وہ ازل سے معاف کرنے اور بخشنے والا ہے / اپنے عفو کے پیش نظر اُن کی کوتاہیوں سے درگذر فرماتا ہے اور اپنی بخشش سے انہیں حق عبودیت سے نوازتا ہے (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے) اس آیت میں ہجرت کی ترغیب مطلوب ہے اور آنے والے مضمون کی تمہید ہے اور سبیل اللہ سے وہ راستہ مراد ہے جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہو مُرٰغَمًا كَثِيْرًا (تو زمین پر بہت سی ہجرت کی راہیں اور فوائد پائے گا۔ یہ سابق کی تاکید ہے تاکہ معلوم ہو کہ ایسا مہاجر مجرد ہجرت کے ابتدا سے ہی اس کی موعودہ تمام خیرات و برکات سے نوازا جائے گا جو ہجرت کو مکمل طور پر عمل میں لاتا ہے اور ان لوگوں کو بھی جن سے یہ ہجرت کر کے جا رہا ہے اور انہیں سن کر سخت عبرت ہوگی کہ اس عمل میں کتنے بے شمار انعامات ہیں۔

فائدہ الرغم ذلت اور خواری کو کہتے ہیں اور لغت میں بمعنے ناک گھسیٹنے کو کہا جاتا ہے اہل عرب کہتے ہیں ارغم اللہ انفہ (اللہ تعالیٰ اس کا ناک زمین پر گھسیٹے)۔

نکتہ چونکہ ناک انسان کے لئے حد درجہ کی عزت کا مقام ہے اور مٹی عرف میں انتہائی ذلت بھری ہے اس لئے اگر کسی کو ذلیل و خوار کرنا مطلوب ہوتا ہے تو کہتے ہیں رغم انفہ (خدا کرے اس کا ناک مٹی سے رگڑا جائے)۔

وَسَعَةً (اور رزق اور اظہار دین میں فراخی) وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا (اور جو اپنے گھر اور اپنی برادری اور بال بچوں کو چھوڑ کر اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی طرف نکلتا ہے ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ پھر اسے موت گھیر لیتی ہے قبل اس کے کہ وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچے اگرچہ اپنے گھر کے صرف دروازہ پر ہی نکلا تھا کہ موت آ گئی چنانچہ "يُهَاجِرْ" کے بجائے يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ سے پتہ چلتا ہے فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ تو اس کا ثواب اللہ کے ہاں مقرر ہو گیا۔ وقوع وجوب کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر و ثواب واجب ہو گیا۔ یعنی اسے اجر ضرور نصیب ہو گا۔ اس لئے کہ ثبوت بھی بمعنے واجب کے آتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے یعنی بندے سے جتنی بھی غلطیاں ہوتی ہیں اس کے تمام خطا اور گناہ بخش دیتا ہے۔ منجملہ اس کے گناہوں کے ایک یہ تھا کہ وہ ہجرت میں اتنی دیر سستی میں رہا۔ رَّحِيْمًا وہ بہت بڑا مہربان ہے۔ بندے کو کمال مہربانی سے پورا پورا ثواب عطا فرماتا ہے۔

شانِ نزول حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی تمام آیات لکھ کر مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کی طرف بھیجیں حضرت جندب بن حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بنو لیث کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے)۔ اس وقت سخت بوڑھے ہو چکے تھے یہاں تک کہ سواری پر بھی نہ بیٹھ سکتے تھے آپ نے آیاتِ مبارکہ سنتے ہی اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ مجھے اٹھا کر مدینہ طیبہ لے چلو۔ اس لئے کہ میں کمزور لوگوں میں سے نہیں ہوں اور نہ ہی میں مدینہ کے راستہ سے بے خبر ہوں اور مال بھی رکھتا ہوں کہ جس سے میں مدینہ طیبہ آسانی سے جا سکتا ہوں بخدا اب تو مکہ معظمہ میں ایک لمحہ بھی ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادوں نے انہیں چارپائی پر بٹھا کر اٹھایا اور مدینہ طیبہ کو لے چلے جب مقام تنعیم تک پہنچے (یہ مکہ معظمہ کے قریب ہے) تو آپ پر نزع طاری ہو گئی تو فوراً دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر کہا یا اللہ یہ ایک ہاتھ تیرے لئے اور دوسرا تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے اور میں وہی بیعت کر رہا ہوں جو تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے ساتھ کی۔ یہ کہہ کر فوت ہو گئے اور بحمدہٖ تعالیٰ نیک نصیب لے کر فوت ہوئے کفار نے سن کر کہا کہ بے چارے کو کیا ملا جبکہ منزل مقصود تک بھی نہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی نیک کار کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس کی تکمیل سے معذور رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے مکمل ثواب عنایت فرمائے گا۔

مسئلہ کشاف میں ہے کہ اہلِ اسلام کا قاعدہ ہے کہ جو کسی دینی اسلامی غرض سے اپنے وطن سے نکلے مثلاً علم حاصل کرنے یا جہاد کے لئے یا اپنے شہر سے دوسرے شہر میں اس نیت پر جائے کہ وہاں طاعتِ الٰہی سکون کے ساتھ نصیب ہو گی یا اپنے شہر سے دوسری طرف اس لئے جائے کہ یہاں کی فضول خرچی سے بچ جائے گا اور

وہاں قناعت حاصل ہوگی۔ یا اس نیت سے جائے کہ وہاں رزق حلال حاصل ہوگا تو یہ بھی مہاجرالی اللہ ورسولہٗ ہے۔ اگرچہ اُسے راستہ میں موت آجائے تو بھی اسے ثواب نصیب ہوگا۔

مسئلہ حضرت شیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو شخص جائز مراد دل میں رکھتا ہے لیکن تکمیل سے پہلے فوت ہوجائے تو اُسے وہ مراد ضرور ملے گی مثلاً کوئی حج کعبہ کو جارہا ہو کہ راستہ میں موت واقع ہو تو اُس کے دو حج لکھے جائیں گے۔

فائدہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ (عارف باللہ قدس سرہٗ) سے سُنا کہ اس آیت کی تفسیر میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص ارضِ بشریت سے چل کر مقام قلب تک پہنچتا ہے کہ ابھی منزل طے نہیں ہوئی کہ موت آگئی تو اُسے ان حضرات جیسا اجر نصیب ہوگا جو اس منزل کو طے کرچکے اس لئے کہ وہ طلب میں سچا اور اس نے تا وقوعِ موت راستہ کو نہ چھوڑا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عالم برزخ میں کسی کامل شیخ کی روح کی وساطت سے اس کی تکمیل فرمائے گا اسے براہِ راست اپنے فضل وکرم سے فیضیاب فرمائے گا اسی طرح کئی سالکین کے لئے عالم برزخ میں ہوا۔ اسی کی نظیر شریعت مطہرہ سے بھی ملتی ہے۔

تکمیل حافظ قرآن حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے روایت سے معلوم ہوا ہے کہ جب مؤمن مرتا ہے اور اس کا حفظ قرآن کا ارادہ تھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے حفاظ مقرر کرے گا جو اُسے قبر میں کلام الٰہی یاد کرائیں گے۔

نتیجہ جب قرآن پاک کے الفاظ کے حافظ کو یہ مرتبہ نصیب ہوگا کہ عالم برزخ میں اُس کے منشأ کے مطابق اسے قرآن پاک حفظ کرا کر اٹھایا جائے گا تو پھر اُس کے لئے کونسا امر مانع ہے جس نے قرآن پاک کی حقیقت کے حصول میں زندگی بسر کرتا ہوا جان جانِ آفرین کو سپرد کی۔

سوال حضرت الشیخ الکبیر سیدنا صدرالدین قنوی قدس سرہٗ نے الفلوک ؒ کے آخری فلک میں فرمایا کہ یہ مسئلہ شرعًا و عقلاً وکشفًا متفق علیہ ہے کہ جو شخص کسی کمال کو اُس میں حاصل نہ کرسکا وہ آخرت میں بھی اُس کمال سے محروم ہوگا۔

جواب یہ اُن لوگوں کے حق میں ہے کہ جنہوں نے ان مراتب کے حصول کی طرف توجہ ہی نہ کی نہ کہ ان حضرات کے متعلق جو اُس کے حصول میں جان کی بازی لگا کر یا اُس کی طلب میں مرے اگرچہ مکاشفۂ افعال و مشاہدۂ صفات وذات سے بھی مشرف نہ ہوسکے لیکن اُن کی طلب کی قدر کرکے کل قیامت میں انہیں تمام مراتب و کمالات سے نوازا جائے گا چنانچہ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ اپنی شرح فصوص میں کلمہ شعیبیہ میں لکھتے ہیں کہ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی (جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا) سے بظاہر معلوم ہوتا

ہے کہ جس سے اس عالم دنیا میں کچھ مراتب مکمل نہ ہوسکے تو وہ انہیں پر رہ جائے گا اسے موت کے بعد آگے کے مراتب نصیب نہ ہوں گے یعنی یہ اس شخص کے لئے ہے جسے معرفت الٰہی سے کسی قسم کا تعلق نہیں ورنہ آخرت میں جس کے لئے بھی حجابات مرتفع ہوں گے اس کے لئے اندھے پن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ ہر طرح آخرت کی نعمتوں اور جہنم کی تکالیف اور ان کے جمیع احوال سے واقف ہو جاتے گا۔

سوال حدیث شریف میں ہے کہ جب ابن آدم مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ اس کے مراتب میں ترقی ہوتی ہے اور یہ ترقی منجملہ اعمال کے ہے اور حدیث شریف میں بتایا ہے کہ اعمال سے انقطاع ہو جاتا ہے؟

جواب یہ انقطاع بندے کے اپنے عمل و کسب کے لئے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے لئے اور اس کے لئے حدیث شریف میں نفی نہیں۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے)۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ راہِ حق سے پل بھر بھی نہ ہٹے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی توفیق کا منتظر ہے ایک وقت ضرور منزل تحقیق پر پہنچنا نصیب ہو جائے گا۔ حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

(۱) کارواں رفت تو در رہ کمین گاہ بخواب
وہ کہ بس بے خبر از غلغل چندیں جرسی

(۲) بال بکشای صفیر از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغی کہ اسیر قفسی

(۳) تا چو مجمر نفسی دامن جاناں گیرم
جاں نہادیم بر آتش زپے خوش نفسی

(۴) چند پوید بہوائے تو بہر سو حافظ
یسّر اللہ طریقاً بک یا ملتمسی

ترجمہ (۱) قافلہ چلا گیا تو ابھی گھر پر نیند میں ہے افسوس اتنا زوردار گھڑیال بج رہے ہیں لیکن تو بیخبر ہے
(۲) بال کھول کر طوبیٰ شجر سے آواز دے افسوس ہے تو تو پنجرے میں پھنسا ہوا پرندہ ہے۔
(۳) بے کار ہوں محبوب کا دامن تھامے ہوئے ہوں عشق کی آگ پر جان رکھدی تاکہ خوش نصیبی حاصل ہو۔
(۴) اپنی خواہش پر کب تک ہر طرف دوڑتے رہو گے اے حافظ۔ اے تلاش کرنے والے اللہ تعالیٰ تیرا راستہ آسان کرے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان نہایت درجہ کا ضعیف و ناتواں ہے اُس کی حیات حیوانی ہے۔ اُس پر ہر وقت شیطان کے غلبہ کا خطرہ رہتا ہے بالخصوص طالب صادق کو سلوک کی ابتدا میں عموماً بہت زیادہ خطرہ ہوتا ہے اس کی مثال اس مسافر کی ہے جو اپنے گھروں اور دوستوں سے جدا ہو کر اپنے چند فوائد کے حصول کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ سالک بھی اپنے سے باہر ہو کر اس لئے سر کی بازی لگاتا ہے کہ اسے ابدی صحت و عافیت نصیب ہو۔ اور قلبی امراض سے شفایاب ہو اور دین کی سعادت حاصل ہو اور شیخ کامل مکمل اور طبیب حاذق اور معالج شفیق کی صحبت کی برکت سے اپنے امراض کا علاج کرا کر کعبۂ مقصود کو پہنچے۔ لیکن اس پر شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ تیری رہائش کا کیا ہوگا۔ اگر کھانا نہ ملے گا تو پھر تجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ علاوہ ازیں تیرے کاروبار رُک جائیں گے تو فقر و فاقہ کا شکار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط خیال کو قرآن پاک میں بیان فرمایا۔ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا (اور اللہ تعالیٰ تمہیں مغفرت اور اپنے فضل و کرم کا وعدہ کرتا ہے)۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہجرت کرتا ہے) یہاں سبیل اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طلب مراد ہے يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا (تو وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں رہنے کی بہترین منازل پائے گا) یعنی قلب روح سر وَسِعَةً اس سے وہ اللہ تعالیٰ کے وہ عالم مراد ہیں جو اس جہان سے بدرجہ وسیع ہیں جس کی خبر حدیث شریف میں دی گئی ہے لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَآئِيْ وَاِنَّمَا يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيْ میں نہ زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں ہاں اپنے بندے کے دل میں رہتا ہوں۔

سبق سالک کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اس لئے کہ لوگ عموماً قلیل الفہم اور کند مزاج ہوتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیطانی وسوسہ اور نفسانی شرارت کو موت کی یاد دہانی سے دفع فرمایا کہ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ یہاں بیت سے بشریت سے نکلنا مراد ہے کہ ترک دنیا اور خواہشات کو توڑ کر اور نفس کی سرکوبی کر کے بشریت سے نکل آئے تاکہ اس سے اُس کی بشریت کے تمام غلط صفات اور گندے اخلاق دور ہو جائیں۔ مہاجرا الی اللہ یعنی نبی علیہ السلام سے بیعت کر کے اللہ تعالیٰ کی طلب میں رہے۔ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ یعنی ابھی وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچا تھا کہ موت کا شکار ہو گیا۔ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم لگا دیا کہ اُسے اپنے فضل و کرم سے اسے مقاصد کی انتہائی منزل تک پہنچا بہت بلند مراتب سے نوازے گا بشرطیکہ اس کی نیت نیک اور ارادہ سچا ہو۔ ورنہ محرومی ہی محرومی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ انانیت اور غلط خیالی کے گناہوں کو بخشنے والا ہے رَّحِيْمًا اور اپنے بندے پر جود و سخا کرنے کے لئے بڑا رحیم ہے کہ وہ اپنے بندے کو اپنے فضل و کرم اور وسیع رحمت و شفقت سے اس کے کمال مقصد تک پہنچا دیتا ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا
مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكٰفِرِينَ
كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ۝ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ
فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَإِذَا سَجَدُوا
فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ ۖ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا
فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ
مَيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ
أَوْ كُنْتُمْ مَرْضٰى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ
أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا
اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ
إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَوْقُوتًا ۝ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ
الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

ترجمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہیئے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو ہٹ کر پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت تک نماز میں شریک نہ تھی اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہیئے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں اور کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینہ کے سبب تکلیف ہو یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار

کھول رکھو اور اپنی پناہ لئے رہو بے شک اللہ نے کافروں کے لئے خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز قائم کرو بے شک نماز مسلمانوں پر وقت بندھا ہوا فرض ہے اور کافروں کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ

ربط مجبوری کے وقت نماز کی ادائیگی کے احکام بیان فرمانا مطلوب ہیں ۔ مثلاً سفر اور دشمن کے مقابلہ کے وقت بارش اور مرض کے لاحق ہوتے پر نماز کس طرح ادا کی جائے یعنی جب تم سفر کو چلو وہ سفر جیسا ہو نیک کام کے لئے ہو یا برائی کے لئے یا ہجرت کرنے کے لئے یا جہاد کے لئے وغیرہ وغیرہ ۔

فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ تو تمہارے لئے کوئی حرج اور گناہ نہیں ۔ اَنْ تَقْصُرُوْا کہ تم قصر کرو مِنَ الصَّلٰوۃِ نمازوں میں ۔ "مِنَ الصَّلٰوۃ" کا موصوف محذوف ہے ۔ "القصر" مدّ کی ضد کو کہا جاتا ہے ۔ مثلاً کہا جاتا ہے قَصَرْتَ الشَّیْئَ" یعنی تو نے اس شے کو قصیر بنا دیا ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کے بعض اجزا یا اس کے بعض صفات حذف کر دیئے جائیں تو حقیقی طور قصر کا تعلق اس شے سے ہوگا نہ کہ جو شے کے اجزا محذوف ہو چکے ہیں اگر محذوف کے متعلق مانا جائے تو گفتگو محذوف سے ماننی پڑے گی حالانکہ گفتگو قصر سے ہو رہی ہے ۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ "مِنَ الصلوۃ تقصروا " کا مفعول ہے اور اس پر مِن زائدہ ہے ۔ جیسا کہ اخفش (نحوی) کا خیال ہے اور اگر کہا جائے کہ یہ من تبعیضیہ ہے تو پھر تقصروا کا مفعول محذوف ہوگا جیسا کہ سیبو یہ کہتا ہے کہ یہ دراصل" اَنْ تقصروا شَیْئاً مِنَ الصَّلٰوۃ تھا ۔

فائدہ لا محالہ یہ بات لازماً ماننی پڑے گی کہ اس میں کل بول کر جزو مراد لیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ نماز سے صرف چار رکعت والی نماز مراد ہے کہ جسے نصف کیا جا سکے اور وہ تین نمازیں ہیں ۔

(۱) ظہر ۔
(۲) عصر ۔
(۳) عشاء ۔

مغرب اور فجر کی نمازیں اس حکم سے خارج ہیں ۔

مسئلہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قصر کی ادنیٰ مسافت تین دن اور تین راتوں کا سفر ہے اور سفر بھی اونٹ یا پیدل کی درمیانی رفتار کا مراد ہے اور اس میں مسلسل سفر نہ ہو بلکہ درمیانہ سفر معمول کے مطابق ہو

اور آرام بھی کرلینا چاہیئے (یعنی ۵۷ میل)۔

مسئلہ چلنے والے کی سست اور تیز رفتار کا کوئی اعتبار نہیں مثلاً کوئی اتنا تیز رفتار ہے کہ سہ شبانہ روز کے سفر کو صرف ایک دن (یا ایک گھنٹہ) میں طے کرلیتا ہے (جیسے آج کل موٹروں اور ہوائی جہازوں سے سفر ہوتا ہے) تو بھی قصر کرے یا کوئی اتنا کمزور ہے کہ ایک دن کے سفر کو سہ شبانہ روز میں طے کرتا ہے تو پوری نماز ادا کرنے پڑے گی۔

شرعی مسافت کی تحقیق سابقہ دور میں یہ سفر چھ برُد کی مسافت کے برابر ہوتا تھا۔ اور برُد بَرید کی جمع ہے اور ہر برید چہار فراسخ ہوتا ہے اور ہر فراسخ بہ تحقیق سیدنا ہاشم جد سیدنا محمّد رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تین میل کا ہوتا ہے اور یہ اُن کا یہ اندازہ جنگل کے سفروں کے مطابق ہے کہ ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے اور یہ چار ہزار خطوہ کے برابر ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر سہ قدم کا ایک خطوہ ہوتا ہے۔

سوال آیت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ سفر میں نماز کی قصر کا اختیاری معاملہ ہے چاہے کوئی چار رکعت پوری پڑھے چاہے دو رکعت ہاں افضل قصر ہے۔ اور احناف کے نزدیک قصر واجب ہے اور آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے اگرچہ احناف کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں (۱) عزیمت (۲) رخصت اسقاط باوجود این ہمہ پھر بھی قصر کے سوا چارہ ہی کوئی نہیں اس لئے کہ احناف نے اتمام یعنی چار رکعت کو پورا کرنے کا وہم تک بھی ختم کردیا۔ کیونکہ اثقل واخف کے درمیان اختیار نہیں دیا جاتا۔ جس کا نتیجہ نکلا کہ احناف قصر کو واجب مانتے ہیں اور یہی حق ہے۔

جواب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ وہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف تمہیں عطا فرمایا ہے اور صدقہ حق تعالیٰ میں ہمیں تملیک کا حق نہیں اور نہ ہی ہم رد کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اب لازماً ماننا پڑا کہ قصر واجب ہے اس لئے کہ ہمیں جیسے حکم ہوا ہے اسے اسی طریق سے بجا لانا ضروری ہے۔

مسئلہ الاشباہ والنظائر میں ہے کہ مسافر کے لئے قصر رخصت عزیمت ہے کہ سرے سے تھا یا دو رکعت مسافر کے ذمہ میں ہی نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی مسافر انہیں پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور اس کی نماز فاسد ہوگی۔

مسئلہ جو مسافر دو رکعت پڑھ کر تشہد کے بغیر تیسری شروع کرکے پوری چار رکعتیں پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اس لئے کہ اُس نے ارکان کی تکمیل کے درمیان نوافل کو داخل کردیا ہے۔

مسئلہ اگر مسافر نے دوسری رکعت کی تشہد بیٹھ کر پڑھی ہے پھر بھول کر یا عمداً تیسری رکعت کو اُٹھ کھڑا ہوا اور پوری چار رکعتیں پڑھیں تو اُس کی نماز تو ہوجائے گی لیکن اس طرح کرنے سے گنہگار ہوگا۔ اس لئے کہ اُس نے فرض نماز کے سلام میں تاخیر کردی ہے اُس کی یہ پچھلی دو رکعتیں نفل ہوں گی۔

مسئلہ تفسیر حدادی میں ہے کہ کوئی مسافر ظہر کی (مثلاً) نماز پڑھے لیکن دوسری رکعت میں التحیات پہ نہیں بیٹھا اور تیسری رکعت شروع کرکے چار رکعت پوری پڑھی ہیں تو اُس کی نماز نہ ہوگی۔ جیسے فجر کی دو رکعت،

کو صورت مذکورہ بالا کی طرح چار پڑھے گا تو اُس کی فجر کی نماز نہ ہوگی جیسے اس شخص کو فجر کی نماز دہرانا فرض ہے ایسے ہی اسی چار رکعت پڑھنے والے مسافر کو اعادہ ضروری ہے۔

سوال احناف قرآنی آیات کے خلاف کرتے ہیں اس لئے کہ آیت میں اختیار کی تصریح ہے مثلاً فرمایا لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ یہ کلمہ اختیار ثابت کرتا ہے۔

جواب یہ کلمہ تخییر کے لئے نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک خیال کی تردید کے لئے ہے کہ ان کا گمان تھا کہ قصر میں ہمارا ثواب تو کم ہو جائے گا۔ اس طرح سے ہمیں سفر میں قصر سے خسارہ ہوا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُن کے اطمینان قلب اور تسلی کے لئے لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فرمایا ہے نہ کہ تخییر کے لئے مثلاً حج اور عمرہ میں بھی یہی لفظ واقع ہوا فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا۔ اس آیت میں فَلَا جُنَاحَ واقع ہے معترض کا قول صحیح مانا جائے تو مطلب بالکل اُلٹا ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہاں اختیار کا وہم و گمان تک بھی نہیں اس لئے کہ یہ طواف ہمارے احناف کے نزدیک واجب اور امام شافعی کے نزدیک رکن ہے۔

مسئلہ قصر میں مسافر مطیع و عاصی ہر دونوں برابر ہیں یہاں تک کہ وہ غلام جو اپنے مالک سے بھاگ کر سفر کر رہا ہے یا کوئی ڈاکو ڈاکہ زنی کے لئے جا رہا ہے تو قصر کریں اس لئے کہ اگر یہی مجرم گھر میں ہوں تو مسئلہ موزہ کا مسح مقیم کی طرح یک شبانہ روز کرے گا۔ اس طرح مسافر مجرم سفر میں قصر کرے گا۔ کیونکہ نفس سفر گناہ نہیں اگر گناہ ہے تو مسافر کی اپنی غلط نیت اور وہ غلطی نفس سفر کے لئے مضر نہیں۔

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط یہ جملہ شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے یعنی اگر تمہیں خوف ہے کہ وہ کفار تمہیں فتنہ میں ڈالدیں مثلاً جنگ شروع کر دیں تو تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم نماز میں قصر کرو۔

مسئلہ نماز کی قصر اس آیت سے ثابت ہے۔ بالخصوص حالت خوف میں۔

مسئلہ حالتِ امن میں نماز کی قصر حدیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ حضرت مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز خوف جبکہ جماعت کے ساتھ ادا کی تو اس میں یہ شرط ضروری ہے کہ جنگ کا خطرہ ہو۔ البتہ مطلق قصر کے لئے یہ شرط نہیں اس لئے کہ یہ احادیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ (۱) مقدار قصر (۲) قصر کی کیفیت (۳) نماز کے جمیع متعلقات (۴) مدت قصر کہ کتنی مسافت پر قصر ہوتی ہے آیت میں مجمل طور پر بیان کی گئی ہے۔ (۱) پھر قصر بحالت امن (۲) چار رکعت والی نماز میں دو رکعت ادا کرنا (۳) قصر کے لئے مدت معینہ کے تعین کی تفصیل احادیث سے ثابت ہے۔

حدیث شریف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان نماز کی قصر کی حالانکہ اُس وقت کسی کا خوف نہیں تھا (الوسیط)

اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿ بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ ان کی عداوت بہت واضح اور انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ ہر وقت تمہارے ساتھ جنگ وغیرہ کی تاک میں رہتے ہیں وَاِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ اور اگر اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اُن میں موجود ہوں جب وہ کفار سے خائف و ہراساں ہوں فَاَقَمْتَ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ اگر آپ انہیں کی ادائیگی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کو ظہر کی نماز پڑھتے دیکھا (یہ نماز باجماعت پڑھی جا رہی تھی اور یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع میں ہوا) تو اس وقت کسی قسم کا تعرض نہ کر سکے مگر بعد کو سخت پچھتائے اُن کے بعض نے کہا کہ اُس کے بعد وہ عصر کی نماز پڑھیں گے انہیں وہ نماز ماں باپ آل و اولاد اور مال اسباب سے بھی محبوب ترین ہے فلہذا جب انہیں نماز میں دیکھو حملہ بول دو اس پر حضرت جبریل علیہ السلام مذکورہ بالا آیات لائے اور انہیں صلوۃ الخوف کا طریقہ بھی بتایا اور کفار نابکار کے بُرے عزائم سے بھی مطلع فرمایا۔

مسئلہ جمہور کا اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس کے بعد اپنی تمام اُمّت کے لئے صلاۃ الخوف کی اجازت بخشی۔

خلاصۃ التفسیر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلاۃ الخوف اور اس کا طریقہ بتایا تاکہ آپ کی اُمت آپ کی اقتدا میں صلوٰۃ الخوف پڑھ سکے۔ اس معنے پر یہ خطاب جمیع اُمت کو ہوگا۔

مسئلہ کشاف میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی اُمّت امورِ شرعیہ میں آپ کی نائب اور آپ کے جمیع احکام میں آپ کے قائم مقام ہے اس اعتبار سے یہ خطاب ان تمام آئمہ صلوٰۃ کو ہوگا جو ایسی نماز کے وقت موجود ہوں پھر وہ نمازیوں کو اس طرح ہر زمانہ میں صلوٰۃ الخوف کی اقامت وقت کے امام ذمہ ہوگی

فائدہ اس تقریر سے قائل کا اعتراض اُٹھ گیا جو کہتا ہے کہ صلاۃ الخوف صرف حضور علیہ السلام سے مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی حکم دیا ہے جبکہ آپ کو اعدائے اسلام کا خوف پیش ہوا۔

فَلْتَقُمْ طَآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ مَّعَکَ یعنی بوقت خوف آپ نمازیوں کو دو حصوں میں تقسیم فرما دیں ایک گروہ دشمنوں کے بالمقابل کھڑا ہو جائے اور آپ کی اور آپ کے ساتھ نمازیوں کی حفاظت کرتا رہے وَلْیَاْخُذُوْٓا اور محفوظ رکھیں وہ جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اَسْلِحَتَھُمْ اپنے ہتھیاروں کو یعنی نمازیوں پر لازم ہے کہ وہ بحالت نماز اپنے ہتھیاروں کو سنبھالے رکھیں۔ نماز کے وقت انہیں رکھ نہ دیں۔

سوال ہتھیار تو وہ پہلے بھی اپنے پاس رکھتے تھے اب انہیں دوبارہ رکھنے کا کیا معنےٰ؟

جواب چونکہ اس وقت ہتھیاروں کو اپنے پاس رکھنے کی اہمیت مطلوب ہے۔ اس لئے اُسے تاکیداً ذکر کیا گیا۔

فَاِذَا سَجَدُوْا پس جب وہ سجدہ کریں وہ جماعت جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی جب ایک رکعت پڑھ لیں فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ تو انہیں چاہیئے کہ وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت کے لئے پیچھے ہٹ جائیں وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ پس وہ آپ کے ساتھ حاضر ہو کر نماز پڑھیں۔

فائدہ آیت میں ان دونوں گروہوں کی دوسری رکعت کی ادائیگی کے طریقہ کو نہیں بیان کیا گیا اسے حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلٰوۃ خوف پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی پھر دوسرے گروہ کو دوسری رکعت پڑھائی جیسا کہ آیت میں بیان ہوا۔ پھر پہلا گروہ اپنی نماز میں حاضر ہوا اور دوسرا گروہ دشمن کے بالمقابل کھڑا ہونے کے لئے چلا گیا۔ یہاں تک کہ پہلے گروہ نے اپنی رکعت کو اکیلے ہو کر ادا کیا لیکن انہوں نے قرأت نہ کی اس لئے کہ وہ گویا امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں اس سے پہلے گروہ نے جب نماز سے سلام پھیرا تو دوسرا گروہ اپنی دوسری رکعت ادا کرنے کے لئے حاضر ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اپنی اس رکعت میں قرأت پڑھی گویا ان سے امام سے قرأت رہ گئی۔ اس طرح ان ہر دو گروہوں نے اپنی اپنی دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

مسئلہ صورت بالا اس نماز خوف کے لئے ہے جو نمازی مسافر ہو یا صبح کی نماز ادا کی۔ اس لئے کہ صبح کی نماز مسافر کی نماز کی طرح ہے اگر وہ نمازی مقیم ہو یا مغرب کی نماز پڑھنی ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام گروہِ اوّل کو دو رکعتیں پڑھائے اس لئے کہ یہ دو رکعتیں ہی مسافر کی پہلی رکعت کا حصّہ ہیں باقی طریقہ وہی ہے جو مذکور ہوا۔

مسئلہ کافی (کتاب) میں ہے کہ اگر کسی امام نے غلطی سے مغرب کی نماز پہلے گروہ کو ایک رکعت اور دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں تو دونوں گروہوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن امام کی نماز ہو جائے گی۔ صلٰوۃ الخوف کی تفصیل کہ دشمنوں کے علاوہ درندگان کے خطرہ کے وقت یہ نماز کس طرح ادا کی جائے تو کتب فقہ کا مطالعہ کیا جائے۔

وَلْيَاْخُذُوْا اور یہ گروہ حِذْرَهُمْ ہوشیار رہے۔ حذر و تحذر تیقظ (ہوشیاری) کو کہتے ہیں۔
وَاَسْلِحَتَهُمْ اور اپنے ہتھیاروں کو مضبوط رکھیں۔

سوال حذر کو معانی سے تعلق رکھتا ہے اور اخذ کا تعلق ہمیشہ اعیان سے ہوتا ہے پھر اُسے حذر سے کیا مناسبت ہو گی؟

جواب یہ استعارہ بالکنایہ ہے کہ حذر کو ہتھیار سے تشبیہہ دی گئی ہے جسے غازی جنگ کے وقت استعمال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے متوجہ ہونے کو اس تشبیہہ پر دلیل بنایا گیا ہے۔ اس بنا پر یہ استعارہ تخلیلیہ ہو گا۔

سوال اخذ کے بعد اسلحتہم بھی کہا گیا ہے جس میں اخذ کا حقیقی معنے ہے اور حذرہم میں مجاز ہے اس طرح سے جمع

بین الحقیقۃ والمجاز لازم آتا ہے۔ وہ ناجائز ہے۔
جواب یہاں پر دو حیثیتیں ملحوظ ہیں۔ اخذ کا اسلحہ کی طرف اسناد حقیقی اور حذر کی طرف مجاز ہے اس لئے کہ اخذ کا جب اسلحہ سے تعلق ہوگا تو ہتھیاروں کو سنبھالیگا اور پھر ہوشیاری کو لائے گا۔ ان دونوں حیثیوں کے اعتبار سے جمع بین الحقیقۃ والمجاز نہ ہوگا۔
سوال یہاں پر حذر کا اضافہ کیوں حالانکہ اس سے قبل حذر نہیں باوجودیکہ صلوٰۃ الخوف ہر دونوں گروہوں کے لئے برابر ہے؟
جواب چونکہ اس دوسرے گروہ کے وقت کفار کو یقین ہوگیا ہوگا کہ اب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام نماز پڑھ رہے ہیں اس لئے یہاں پر حذر کا اضافہ ضروری ہوا بخلاف گروہ اوّل کی نماز کے کہ اس وقت کفار کو صرف گمان ہی ہوگا نیز وہ سمجھتے ہوں گے کہ شاید پریڈ کر رہے ہیں۔
سوال حالتِ نماز میں نمازیوں کو ہتھیاروں کو سنبھالنے کا مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟
جواب نماز کی مشغولی میں عموماً یہی ہوتا ہے کہ تمام اسباب ترک کرکے صرف نماز کا ہی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ایسے ہی غازیوں کو کرنا تھا کہ وہ اپنے ہتھیاروں کو اُتار کر رکھ دیتے اور نماز کی مشغولی سے ہتھیاروں سے بالکل بے نیاز ہو جاتے۔ اُن کے اس طرح کرنے پر دشمنوں کو حملے کا موقعہ مل جاتا وہ اگرچہ اُن کے جوابی حملہ کے لئے نمازیں توڑ سکتے تھے لیکن ہتھیاروں کے سنبھالنے تک دشمن کو وار کرنے کا موقعہ مل جاتا اس لئے ان کو تنبیہ کی گئی کہ بحالتِ نماز ہتھیاروں اور ہوشیاری کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ چنانچہ مذکورہ بالا بیان کی تائید آنے والے مضمون سے بھی ہوتی ہے۔
مسئلہ امام واحدی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ نماز خوف میں نمازی کو رخصت ہے کہ حالتِ نماز میں بھی غیر صلوٰۃ کے تفکرات کو عمل میں لا سکتا ہے۔ (جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ہے کہ عین نماز میں جہاد کی تیاری کے لئے سوچتے رہتے تھے۔ اس سے شیعہ رافضیہ کا اعتراض دفع ہوا کہ امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عین نماز میں جہاد کی تیاری کا کیوں سوچتے رہتے تھے)[1]
وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً ط کفار اس تمنا میں ہیں کہ کاش اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غفلت کرو تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کردیں۔ یہ خطاب بطریق التفات کے مذکورہ بالا دونوں فریقوں کو ہے کہ کفار آرزو رکھتے ہیں کہ وہ تمہارے اوپر حملہ کردیں۔

---

[1] اضافہ اُویسی غفرلہٗ

فائدہ امتعہ سے وہ اسباب مراد ہیں جن کی جنگ میں ضرورت ہوتی ہے نہ کہ مطلقاً تمام گھریلو سامان

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوْا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ اور تم پر گناہ نہیں اگر کوئی تکلیف یا بارش ہو یا تم بیمار ہو جاؤ کہ اپنے ہتھیار رکھ چھوڑو۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ جب ہتھیار اٹھانے میں تکلیف ہو بوجہ بارش کے یا بوجہ مرض کے تو ہتھیار نہ اٹھانے کی اجازت ہے۔

مسئلہ نیز بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ الخ امر وجوبی ہے نہ استحبابی لیکن فقہائے کرام نے فرمایا کہ نماز خوف کے وقت ہتھیار ساتھ رکھنا مستحب ہے اس لئے کہ ہتھیاروں کا ساتھ رکھنا نماز کے اعمال میں داخل نہیں اس لئے آیت مذکورہ میں امر کو ندب پر محمول کیا جائے گا۔

وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۚ اور ہوشیاری کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

سوال پہلے تو ہتھیاروں کو چھوڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اب ہوشیاری کا حکم۔ اس میں تطابق کیسے ہوگا؟

جواب اجازت کے بعد ہوشیاری کے لئے تنبیہ اور احتیاطی حکم صادر فرمایا تاکہ کفار ان پر اچانک حملہ نہ کردیں۔

معجزہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو انمار سے جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و نصرت نصیب فرمائی۔ آپ نے جنگ سے فراغت پاکر ایک جگہ نزول اجلال فرمایا۔ وہاں پر ایک جنگل میں دشمنوں نے بھی پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ لیکن انہیں نہ حضور علیہ السلام نے دیکھا اور نہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے۔ اس لئے سب نے اپنے اپنے سامان جنگ تسلی سے اتار کر رکھ دیئے اور حضور علیہ السلام قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے اور خالی ہاتھ تھے (اس لئے کہ آپ نے بھی ہتھیار رکھ چھوڑے تھے) آپ ایک وادی میں چلے گئے۔ بارش ہو رہی تھی۔ آپ اتنا دور نکل گئے کہ آپ اور صحابہ کے درمیان ایک وادی حائل ہوگئی آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے۔ آپ کو غورث بن حارث محاربی نے دیکھ لیا۔ اور پہاڑی سے اترتے ہوئے اپنے یاروں سے کہا کہ اگر آج میں (حضرت سیدنا) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل نہ کروں تو مجھ پر خدا کی مار پڑے۔ یہ کہہ کر تلوار نکالے ہوئے حضور علیہ السلام پر کھڑا ہوگیا۔ آپ کی اس طرف توجہ نہیں تھی۔ تلوار کو نیام سے نکال کر کہا "اے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا" آپ نے فرمایا "اے اللہ مجھے مجھے غورث بن حارث سے بچائیے۔ غورث بن حارث نے جونہی حضور علیہ السلام پر حملہ کیا تو منہ کے بل گر پڑا۔ حضور علیہ السلام نے اٹھ کر اس کی تلوار اٹھالی اور اس کے سر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ بتائیے اب تجھے میرے حملہ سے کون بچائے گا اس نے کہا کوئی بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا اب میرا کلمہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ لے تو تیری تلوار واپس کردوں گا۔ اس نے عرض کی کہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد تادم زیست نہ آپ سے

لڑوں گا اور نہ ہی آپ سے لڑنے والوں کی مدد کروں گا۔ آپ نے اس کی تلوار کردی۔ اس پر غورث بن حارث نے کہا بخدا آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ واقعی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ آپ سے فارغ ہو کر غورث بن حارث اپنی برادری میں واپس لوٹا تو انہیں اپنا ماجرا سنایا تو ان کے بعض لوگ مسلمان ہو گئے ہیں وادی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس تشریف لے جا کر اپنے صحابہ کرام کو پورا واقعہ سنایا۔

اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ بے شک اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے۔

ربط پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو ہوشیاری کا حکم فرمایا تو اب اس کی علت بتائی کہ تمہارے دشمن کفار ہیں۔ تو ہم بھی انہیں رسوا کر کے تمہیں ان پر فتحیاب فرمائیں گے۔ فلہٰذا تم اپنے معاملات میں ہوشیاری سے کام لو اور اپنے اسباب کو مضبوط رکھو تاکہ تمہارے سبب سے ہیں انہیں عذاب میں مبتلا کروں۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ پس بطریق مذکورہ صلوٰۃ الخوف ادا کر لو اور نماز سے پورے طور فارغ ہو جاؤ۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ ادا بمعنے قضاً بھی مستعمل ہوتا ہے اسی طرح دوسرے مقام پر فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فرمایا ہے۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ پس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو درانحالیکہ قِیَامًا تم قیام میں ہو وَّقُعُوْدًا اور بیٹھے ہو وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ اور اپنی کروٹوں پر۔

فائدہ اس سے مقصد یہ ہے کہ ذکر الٰہی پر مداومت کرو اور اللہ تعالیٰ کو ہر وقت علیم وخبیر ہونے کے تصور پر محافظت کرو۔ اور ہر وقت اسی سے مناجات اور دعاؤں میں مشغول رہو۔ سکون کی حالت ہو یا جنگ کا ماحول چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ جب ایک گروہ کو ملو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ پس جب جنگ سے فارغ ہو کر مطمئن ہو جاؤ اور قلوب خوفِ اعداء سے سکون اور تسلی میں ہوں خلاصہ یہ کہ جنگ سے جب بالکلیہ فراغت ہو جائے فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ تو نماز قائم کرو۔ جب اس کا وقت آجائے یعنی نماز کو تعدیل ارکان اور اس کے جمیع شرائط کے ساتھ ادا کرو۔

فائدہ بعض مفسرین احناف نے اُذْکُرُوا اللّٰہَ میں ذکر عام مراد لیا ہے کہ وہ زبان کے ساتھ ہو یا نماز کی حالت میں انہوں نے اس کا یوں مطلب بیان فرمایا ہے کہ اگر تندرستی ہو تو کھڑے ہو کر اگر بیماری معمولی ہے تو بیٹھ کر۔ اگر سخت بیماری (کہ بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنا مشکل ہو جائے) تو لیٹ کر نماز ادا کرو۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۔ بے شک نماز مومنین پر وقت مقرر پر فرض ہے ۔

فائدہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر کتابًا سے فرض اور موقوتًا سے وقت معین مراد ہے اس لئے کہ اسے حالتِ خوف سے بھی طریق مشروع ادا کرنا ضروری ہے ۔ بعض کہتے ہیں یہاں پر کتابًا بمعنے مفروضًا اور موقوتا بمعنے مقدر ہے اب مطلب یوں ہوگا کہ حضر میں نہیں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت فرض ہیں ۔ اور وہ بھی اپنے اوقات مقررہ اور احکام معیّنہ کے ساتھ جیسا کہ شرع شریف نے حکم فرمایا ہے ۔

تفسیر عالمانہ حِکَم عطائیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی عادت معلوم تھی کہ یہ حرص و ہوا میں مبتلا ہوں گے اور وہی خواہشات انہیں ایسے راہ پر لگا دیں گی کہ نیک عمل سے کوسوں دور ہوگا ۔ بنا بریں اُن پر پانچوں وقت کی نماز اور سال میں ایک ماہ کے روزے اور چالیسواں حصّہ زکوٰۃ اور زندگی میں ایک دفعہ کا حج فرض فرمایا یہ اُس کی ان پر رحمت کی علامت ہے اور ان سے عبادت کا کام لینے کی مہولت بھی ورنہ اگر وہ ان عبادات کو معین نہ فرماتا تو بندوں کو حرص و ہوا کبھی ان کی ادائیگی کا موقعہ نہ دیتے ۔ پھر وہ ان اُمور سے غلطی میں پھنس کر یا نفس کے غلط رویہ کے تابع ہو کر یا دیگر خرابیوں کا شکار ہو کر ان جملہ اُمور سے محروم ہو جاتا ۔

نکتہ عبادات کے اوقات میں توسیع سے بھی یہی مطلوب ہے کہ وہ اپنے اختیار سے جیسے ہی اور جس وقت چاہیں عبادت کریں ۔

مسئلہ شبِ معراج پچاس نمازوں کی ادائیگی کا حکم ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر پچاس سے پانچ کا حکم دیا ۔ لیکن اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے ثواب پچاس نمازوں کا عطا فرمائے گا ۔

نکتہ قیامت کو پچاس ہزار سال کا بنانے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ کفار کو پچاس نمازوں میں سے ہر ایک نماز کی سزا دس ہزار سال دے تاکہ انہیں ایسی نعمت عظمیٰ کو ضائع کرنے پر سخت سے سخت ندامت ہو چنانچہ وہ اپنی سزایابی کے وقت اس نماز کو ضائع کرنے کا اعتراف کریں گے ۔ چنانچہ قرآن مجید اُن کا جواب نقل فرمایا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ (ہم نمازی نہ تھے) ۔

عمدًا نماز چھوڑنے والے کی سزا کا بیان حدیث شریف میں ہے کہ جس نے عمدًا ایک نماز وقت پر نہ پڑھی اگرچہ پھر اسے پڑھ بھی لے تو اسے جہنم کے عذاب میں ایک حقب (مدت مقررہ) تک مبتلا کیا جائے گا ۔ (حقب اسی سال کا ہوتا ہے) اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ۔ اور قیامت میں ایک دن ایک ہزار کا سال کا ہوگا ۔ یہ سال وہی ہے جو تمہاری گنتی میں ہے ۔

فائدہ یعنی نماز چھوڑنے کی سزا یہی ہے جو مذکور ہوئی۔ اگر وہ سزا دینا چاہے۔ اگر بندہ تائب ہو کر مرے تو وہ کریم اتنی بڑی سزا معاف کر دیتا ہے (مشکوٰۃ الانوار)

حدیث شریف پانچ ایسے بندے ہوں گے جن پر نہ تو جہنم کی آگ ٹھنڈی ہو گی اور نہ اُسے جہنم کے کیڑے کھانے میں کمی کریں گے اور نہ ہی ان سے عذاب کی تخفیف ہو گی۔

① مشرک
② ماں باپ کا بے فرمان
③ اپنے ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنے والا
④ جو حاکم ظالم کے ہاں کسی بھائی کو ناحق گرفتار کرائے۔
⑤ وہ عورت جو اذان سُن کر نماز نہیں پڑھتی حالانکہ اُسے عذر بھی نہیں۔ (روضۃ العلمآ)۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے بعد سب سے بڑی محبوب تر عبادت نماز بندوں کو عطا فرمائی ہے اگر اس سے کوئی اور عبادت محبوب تر ہوتی تو ملائکہ کرام کو اس کا حکم فرماتا۔ حلانکہ ملائکہ کرام بھی اس عبادت میں مشغول ہیں۔ کوئی اُن میں راکع ہیں اور بعض ساجد بعض قیام میں ہیں اور بعض قعود میں وہ اسی طرح ازل سے تا ابد نماز میں رہیں گے۔ یہ وہ عبادت ہے کہ جس کی کنہ سے ادراک عاجز ہے ہاں صرف اللہ والوں کو اس کی پہچان ہے اور بس۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ہ جب سے اُن پر اس کی ہر وقت ادائیگی واجب ہے (اس لئے صوفیاً کرام اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا معنےٰ اَدِیْمُوْھَا (نماز پر مداومت کرو) کہتے ہیں لیکن چونکہ انسان ضعیف البنیان ہے اس لئے اسے صرف پانچ وقتوں پر منحصر فرمایا۔ جب شبِ معراج پچاس فرض ہوئیں لیکن ہماری کمزوری کے پیشِ نظر صرف باقی پانچ رہ گئیں اور یہ بھی صدقہ ہے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ لیکن یہ عوام کے لئے ہے ورنہ خواص تو ہر وقت نماز میں رہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ اور وہ ہمیشہ نماز میں ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

① پنج وقت آمد نماز رہنموں
عاشقانش فی صلوۃ دائموں

② نیست زرغباً وظیفہ ماہیاں
زانکہ بے دریا ندار دانس جاں

(۳) ہیچ کس با خویش زرغبا نمود
ہیچکس با خود بنوبت یار بود

(۴) در دل عاجز بجز معشوق نیست
درمیاں شاں فارق و فاروق نیست

ترجمہ: (۱) پانچ وقت کی نماز رہبر ہے عاشق ہمیشہ نماز میں ہیں۔
(۲) مچھلیوں کے لئے زرغبا (زیارت کرو ناغہ کرو) کا حکم نہیں کیونکہ وہ دریا کے بغیر انس وجان نہیں بچا سکتیں۔
(۳) اپنے قریبی سے تو زرغبا ظاہر کیا جا سکتا ہے اپنے کے ساتھ یار معشوق کا سا معاملہ نہیں ہوتا۔
(۴) لیکن عاشق کے دل میں تو سوائے محبوب کے اور کوئی تصور نہیں اسی لئے اس کے اور معشوق کے درمیان فارق و فاروق (جدائی ڈالنے والی) کوئی شے نہیں ہوسکتی۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اور کفار کی تلاش میں کمی نہ کرو۔

شان نزول یہ غزوۂ بدر صغریٰ میں نازل ہوئی (بدر بنو کنانہ کی بازار کی جگہ کا نام ہے جہاں وہ سال میں آٹھ روز قیام کرتے تھے۔ مروی ہے کہ ابو سفیان نے (جبکہ کافر تھے) نے کہا کہ اے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم آپ کا آئندہ سال موسم حج میں مقابلہ کریں گے۔ اگر منظور ہو تو بتاؤ۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ابوسفیان نے یہ اس وقت کہا جب اُحد سے لوٹ رہا تھا۔ جب سال ختم ہوا تو ابوسفیان کے دل پر رُعب چھا گیا جس سے اپنے سابقہ معاہدہ پر سخت نادم ہوا۔ نعیم بن مسعود کو مدینہ طیبہ کی طرف بھیجا تاکہ مسلمانوں کے دل میں بدر جانے سے ڈرائے تاکہ لڑائی سے رُک جائیں۔ جب نعیم بن مسعود مدینہ مقدس پہنچا تو دیکھا کہ لوگ غزوۂ بدر کے لئے تیاریوں میں مصروف ہیں اُس نے کہا کہ بدر میں لڑائی کے لئے مت جاؤ اس لئے کہ ابوسفیان نے تمہارے لئے بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے اگر جاؤ گے تو مر مٹو گے۔ حضور علیہ السلام نے لوگوں میں سستی کے آثار دیکھ کر فرمایا کہ سُن لو: کہ میں اس جنگ پر ضرور جاؤں گا۔ اگرچہ مجھے اکیلا ہی جانا پڑے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وہ گھبراہٹ دور فرمائی (جو انہیں ابوسفیان کے لشکر کے مقابلہ سے ہوئی اور فرمایا اے مسلمانو! سستی نہ کرو اور نہ ہی دل کو کمزور کرو (قوم) (کفار) سے لڑائی کرنے سے اور یہ خیال بھی مت کرو کہ جیسے تمہیں احد میں شکست ہوئی اب بھی ویسے ہی ہوگی۔ اس پر قیاس کرکے سستی سے بیٹھ نہ جاؤ

اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ وہ زخمی ہوئے جیسے تم زخمی ہوئے یعنی اگر تمہیں جنگ میں تکلیف پہنچی ہے تو اس میں تم اور وہ برابر ہو پھر تمہیں اجر نصیب ہوا جس سے وہ بالکل محروم ہیں چنانچہ فرمایا وَتَرْجُوْنَ

مِنَ اللّٰہِ اور تم اللہ تعالیٰ سے ثواب اور فتحمندی کی اُمید رکھتے ہو مَا لَا یَرْجُوْنَ جو وہ اُمید نہیں رکھتے۔ خلاصہ یہ کہ تم کیوں گھبراتے ہو۔ جب جنگ میں زخم پہنچنے میں تم اور وہ (مشرک) برابر ہو ایسا تو نہیں کہ صرف تمہیں زخم پہنچے تھے اور وہ ویسے ہی رہے بلکہ وہ بھی تمہاری طرح زخموں پر زخم کھا گئے لیکن وہ تو اس پر صبر کر گئے بخلاف تمہارے کہ تم صبر کے بجائے بزدلی کا اظہار کرتے ہو حالانکہ تم صبر کرنے کے زیادہ حقدار ہو۔ اس لئے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ تمہارا دین تمہارے سے ادیان باطلہ پر غالب آئے گا۔ علاوہ ازیں تمہیں آخرت میں ثواب کی بھی اُمید دلائی گئی ہے۔ بخلاف اُن کے کہ انہیں تمام باتوں سے محرومی ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا علیم ہے کہ اُسے تمہارے اعمال کا بھی علم ہے اور تمہارے دلوں کے ارادوں کو بھی خوب جانتا ہے حَكِيْمًا۝

جن امور کا حکم فرماتا ہے یا جن باتوں سے روکتا ہے اس میں اُس کی بہت بڑی حکمتیں ہوتی ہیں اس لئے تم اس کے جمیع اوامر و نواہی کی تکمیل میں پوری جد و جہد کرو۔ اس لئے کہ ان میں تمہارے نیک انجام ہوں گے۔ فلہٰذا کفار کی طلب میں پورا زور لگاؤ اور اُن سے جنگ کے لئے پوری پوری طاقت صرف کرو اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت اور مصلحت ہے فلہٰذا تم ان کا پیچھا کرو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں انہیں دنیا کا عذاب چکھائے اور آخرت میں زبانیہ (جہنم کے فرشتوں) سے۔ کیا تمہیں گذر جانے والے کفار کے حالات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ کیا کیا کہ جب انہوں نے حضراتِ انبیا کرام علیہم السلام کی تکذیب کی تو انہیں طرح طرح کے عذاب میں مُبتلا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے طور و طریق کو ہرگز نہیں بدلتا کہ غیر مستحق کو عذاب دے اور مستحق کو عذاب میں مبتلا نہ کرے اور نہ ہی وہ اپنے ارادوں سے سرِ مو ہٹتا ہے کہ کسی مستحق کو چھوڑ کر دوسرے سے عذاب نازل فرما دے۔ خلاصہ یہ کہ نہ اللہ تعالیٰ اپنے طریقے کو بدلتا ہے اور نہ ہی اس کے ارادوں میں کچھ تبدیلی آسکتی ہے اب یقین کرو کہ اُن کافروں پر عذاب لازم ہو چکا ہے اس سے تبدیلی ہرگز نہیں ہوگی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس ارادے کو بدلے گا۔

فائدہ آیت کریمہ میں شجاعت اور بہادری پر اُبھارا گیا ہے اور ساتھ ہی بتایا گیا ہے کہ کفار کے سامنے شیر بن کے جاؤ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً چاہیئے پائیں تمہارے میں سختی۔ کسی شاعر نے یوں کہا ہے ؎

ہست نرمی آفت جانِ سمور

وز درشتی میبرد جاں خار پشت

ترجمہ: نرمی سمور کے لئے آفت جان ہے۔ سخت جان پر سختی جان لیوا۔

حدیث شریف حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کا دل کفار کی جنگ کے وقت جوش میں ہو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے سخت آندھی میں درختوں کے پتے۔

فائدہ حضرت عطیہ بن قیس فرماتے ہیں کہ جب میں جنگ کے لئے روانہ ہوتا ہوں اگر میرے دل میں اپنی تعداد میں کثرت کا خیال گذرتا ہے تو جنگ سے واپس آجاتا ہوں کہ کہیں میں تکبر سے دھوکہ نہ کھا جاؤں اگر میرا لشکر تھوڑا ہوتا ہے اور دل پر اس کا وسوسہ ہوتا ہے تو جنگ سے تو باز نہیں ہوتا لیکن لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ضرور پڑھتا ہوں تاکہ شیطان کے وسوسہ سے حفاظت ہو اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت سے نوازا جاؤں۔ بہرام نے فرمایا ؎

① ہر آنکہ سر تاج دارد
بایدکہ دل از سر ہا دارد

② ہر آنکہ پائے نہد درنگارخانہ ملک
یقین کہ مال و سر و ہر چہ ہست دربازد

ترجمہ ① وہ جو سر پر تاج رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ سر سے ہاتھ ڈالے۔
② جو بھی بادشہ کے نگارخانہ میں پاؤں رکھتا ہے وہ جملہ مال بلکہ سر بلکہ اپنا سب کچھ کھو دے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در قتراکند مرد باید بود
بر مخنث سلاح جنگ چہ سود

ترجمہ: مرد بہادر کے سر پر ہتھیار سجتے ہیں۔ مخنث (ہیجڑے) پر جنگ کے ہتھیاروں کا کیا فائدہ۔

نکتہ از مرشد صاحب روح البیان صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے مرشد و شیخ نے فرمایا کہ بادشاہ و وزیر مملکت اسلامیہ کے لئے بمنزلہ قلب کے ہوتے ہیں جیسے قلب کو جسم کے اعضا سے تعلق ہوتا ہے کہ اگر قلب درست ہو تو تمام اعضا صحیح۔ اگر بادشاہ وقت کو بھی اپنے رعایا سے دس گنا زائد نیکی ہوگی تو مراتب میں زائد ہونا ضروری ہے مثلاً اسمیں دس مراتب ہوں تو قوم میں ایک۔ اگر اسمیں سو درجے ہوں تو قوم میں دس۔ اسی طرح کوتاہیوں میں (اولاً) اسمیں کوتاہی نہ ہونی چاہیئے اگر ہو تو پھر بہ نسبت قوم کے دس گنا کم ہو۔ مثلاً قوم میں دس کوتاہیاں ہوں تو اس میں صرف ایک۔ اسی طرح قوم میں یکصد تو اس میں صرف دس۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور حاکم وقت کو شہروں کی سیر و سیاحت اور عیش و عشرت سے بھی اجتناب کرنا لازمی ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ امور دینی کی خدمت کے لئے ہر وقت کوشاں اور متوکل علی اللہ اور مصائب پر صابر و شاکر رہے اور ایفائے عہد کی پابندی کرے (کہ جو وعدہ کرے اسپر پورا اُترے) اللہ تعالیٰ سے مدد کے حصول میں عجلت نہ کرے (کہ جلد از جلد اس کا مدعا پورا ہو جائے) اگر اس کی طرف سے کچھ دیر ہو جائے تو غمگین نہ ہو اکہ

(باقی صفحہ بعد)

إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ

اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۙ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَهُمْ ۚ إِنَّ

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيْمًا ۚ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ○ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ مَّنْ

يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ

يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا

يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً

أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا ○

ترجمہ: اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلے کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور ان کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں بے شک اللہ نہیں چاہتا کسی بڑے دغا باز گنہگار کو آدمیوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ اُن کے پاس ہے جب دل میں وہ بات تجویز کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے اور اللہ ان کے کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔ سنتے ہو جو تم ہو دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف سے جھگڑے تو ان کی طرف سے کون جھگڑے گا اللہ سے قیامت کے دن یا کون اُن کا وکیل ہوگا اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اسی کی جان پر پڑے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے پھر اُسے کسی بے گناہ پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ اُٹھایا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بے شک ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل فرمائی۔ بِالۡحَقِّ حق کے ساتھ۔

شانِ نزول انصار کے قبیلہ بنی ظفر کے ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے اپنے ہمسایہ قتادہ بن نعمان کی زرہ چرا کر آٹے کی بوری میں زید بن ثمین یہودی کے ہاں چھپائی۔ جب زرہ کی تلاش ہوئی اور طعمہ پر شبہ کیا گیا تو وہ انکار کر کے قسم کھا گیا۔ بوری پھٹی ہوئی تھی اور آٹا اس میں گرتا گیا اس کے نشان سے یہودی کے مکان تک پہنچے بوری وہاں پائی گئی۔ یہودی نے کہا کہ طعمہ میرے پاس رکھ گیا ہے اور یہودی کی ایک جماعت نے اُن کی گواہی دی اور طعمہ کی قوم بنی ظفر نے یہ عزم کر لیا کہ یہودی کو چور بنائیں گے اور اس پر قسم کھا لیں گے تاکہ قوم رسوا نہ ہو اور اُن کی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طعمہ کو بری کر دیں اور یہودی کو سزا دیں۔ اسی لئے انہوں نے حضور کے سامنے طعمہ کے موافق یہودی کے خلاف جھوٹی گواہی دی۔ اور اس گواہی پر کوئی جرح و قدح نہ ہوئی۔ جس سے آپ کی طبع

(بقیہ صـــ)

کیوں دیر ہوئی) یا اس نے میرے لئے جلدی کیوں نہ کی) یا رحمت کا دروازہ کیوں دیر سے کھولا) بلکہ اس کی رحمت کا دروازہ کھلنے کا انتظار کرے (اس کے لئے رحمت کے دروازے کھلیں گے ہی۔ اگرچہ دیر سے) اس لئے کہ دل کا انکسار غیوب کے ابواب کے کھولنے کی چابی ہے اور اس پر ہی فتوحاتِ حق کا دارومدار ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وَلَا تَهِنُوۡا فِی ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ یعنی نفس اور اُس کی صفات اور اس سے جہاد کی طلب میں سستی نہ کرو اِنۡ تَكُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ اگر تم نے نفس سے جہاد کرنے میں مشقت اٹھائی ہے اور ریاضات و مجاہدات اور ملازمت و عبادات وطاعات میں سرگرم رہے ہو اور دائمی ذکر اور مراقبۂ قلب کر کے طلبِ حق اور قبولِ حکم اور بلند مقامات تک پہنچنے میں تکلیفیں اٹھائی ہیں تو نفس و بدن نے بھی طلبِ شہوات دنیویہ و لذاتِ حیوانیہ اور مراداتِ جسمانیہ میں تکالیف برداشت کی ہیں بلکہ اُن کے حصول میں بہت دکھ اور درد کا شکار ہوئے۔ وَتَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ اور تم تو اللہ تعالیٰ سے عواطفِ ازلیہ اور عوارفِ ابدیہ کے امیدوار ہو اور انہیں اپنی گندی اور ردّی تمناؤں سے کوئی امید نہیں اس لئے کہ وہ اپنے عجز و قصور کی وجہ سے مقاصدِ دنیویہ سے آگے نہیں جا سکتے۔ وَكَانَ اللّٰهُ اور اللہ ازل سے ہی عَلِيۡمًا علیم ہے کہ اپنی جمیع مخلوق کی ہر قسم کی استعداد کو جانتا ہے حَكِيۡمًا اور جن کو جس طرح کے احکام صادر فرمائے ہیں۔ کھانے پینے وغیرہ سب کی حکمتیں جانتا ہے۔ ہر ایک کو اپنی منزل معلوم ہے اور وہ اپنے مشاغل پہ خوش ہے۔

کا میلان اس طرح ہوا کہ اس طعمہ کی مدد فرمائیں۔ لیکن حکم صادر نہ فرمایا بلکہ توقف فرما کر وحی ربانی کا انتظار فرمایا تو یہ آیت اُتری اور آپ کو روکا گیا اور تنبیہ کی گئی کہ طعمہ اور اس کے گواہ جھوٹے ہیں اور یہودی اس جرم سے بالکل بری ہے۔ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ تاکہ آپ وہ فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو بذریعہ وحی جتلائے۔ یہاں پر اراک رؤیۃ بصری کے معنے میں نہیں اور نہ ہی بمعنے العلم ہے کیونکہ اسے ۳ مفاعیل ضروری ہیں بلکہ یہاں پر رؤیت بمعنے اعتقاد ومعرفت ہے۔

سوال رویت بمعنے اعتقاد ومعرفت کیوں ہے؟

جواب اعتقاد ومعرفت بھی قوت وظہور اور شک وشبہ میں خالص ہونے میں رؤیت کی طرح ہوتا ہے۔

وَلَا تَكُنْ فیصلہ فرمایئے لیکن نہ ہو جایئے۔ لِلْخَائِنِينَ خیانتوں کے لئے۔ اس سے طعمہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔

مروی ہے کہ جب طعمہ کی برادری کو معلوم ہوا کہ واقعی طعمہ نے چوری کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ اس کی زمانۂ جاہلیت میں چوری کی عادت تھی۔ تو رات کو کافی دیر تک بحث کرتے رہے کہ کسی طرح یہ چوری یہودی کے ذمہ سرتھوپی جاسکے۔ آخر طے ہوا کہ کل صبح جاکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں طعمہ کی برأت کا اظہار کرکے چوری کی جھوٹی گواہی یہودی پر دیدیں تاکہ طعمہ چوری کی سزا سے بچ جائے۔ اسی لئے اُن کی اس کارروائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں خیانت سے موصوف فرمایا۔

فائدہ اس سے طعمہ کے علاوہ وہ لوگ بھی مراد ہیں جو اس عمل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

خَصِيمًا ؕ طرفداری تاکہ وہ طعمہ اور اُس کی برادری بری الذمہ ہو جائے۔ یعنی طعمہ اور اُس کی برادری کی وجہ سے یہودی سے مخاصمت نہ فرمایئے۔ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگئے۔ اس لئے آپ نے اُن کی طرفداری کا ارادہ فرما لیا تھا۔ جبکہ آپ کے سامنے گواہیاں پیش کی گئیں۔

فائدہ حضرت ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام سے صرف اس فعل کا ارادہ ہوا۔ اگر اس کا ارتکاب فرماتے تو پھر اسے خطأ سے تعبیر کیا جاتا باوجودیکہ آپ سے خطا کا صدور بھی نہیں ہوا بلکہ صرف ارادہ ہوا اور وہ حکم شرعی کے مطابق کہ گواہیاں مجتمع ہو گئیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُس کے لئے استغفار کا حکم فرمایا۔ اگرچہ آپ شرعاً معذور بھی تھے تو یہ حسنات الابرار سیات المقربین کے حکم ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ؕ بے شک اللہ تعالیٰ بخشش مانگنے والوں کے لئے بہت بڑا غفور اور رحیم ہے وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ؕ اور جو لوگ خیانت کرتے ہیں آپ اُن کی طرف سے جھگڑا نہ کیجئے۔ اختیان اور خیانۃ کا ایک معنے ہے یعنی سوچ سمجھ کر خیانت کرتے ہیں۔

سوال اسے یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ سے کیوں تعبیر فرمایا؟

جواب اگرچہ انہوں نے اپنے نفسوں کی کوئی خیانت نہ کی لیکن اس کا نتیجہ تو اُس کے نفس ہی بھگتیں گے مثلاً کسی پر ظلم کرنے والے کو کہا جاتا ہے فلان ظلمہ نفسہ یعنی اس نے جو ظلم کیا اُس کا گناہ اُس کے نام لکھا جائے گا تو گویا اُس نے اپنے نفس پر ظلم کیا (تفسیر الحدادی)۔

فائدہ اَلَّذِیْنَ سے طعمہ اور وہ لوگ مراد ہیں جو ایسے اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مسئلہ جو لوگ طعمہ کے ساتھ تعاون کرتے رہے یا اُس کی برأت کی گواہی دی تو وہ بھی گناہ اور خیانت میں اُس کے ساتھ شریک ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

فائدہ عدم محبت بُغض و غضب سے کنایہ ہے۔

خَوَّانًا خیانت کرنے والے کو یعنی وہ جو خیانت کا خوگر اور اس پر اصرار کرتا ہے۔ اَثِیْمًا گنہگار کو بھی پسند نہیں کرتا۔ یعنی ہر وہ شخص جو گناہوں میں منہمک ہو۔

سوال طعمہ پر ان صیغوں کا اطلاق کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ یہ اُس شخص کے لئے مستعمل ہوتے ہیں جس سے عمل مذکورہ بالا کا صدور بار بار تکرار ہو اور طعمہ سے صرف ایک بار غلطی ہوئی اور فعل بھی صرف ایک واقع ہوا یعنی چوری؟

جواب چونکہ اس کی طبع خبیث کا میلان ہر وقت بسیار خرابیوں اور بے شمار غلطیوں کی طرف رہتا تھا۔ اس کی طبع خبیث کی وجہ سے اسے ہی کہا گیا۔ بالخصوص خیانت اور چوری تو اُن کے دل میں گھر چکی تھی۔ چنانچہ مروی ہے کہ اس فیصلہ کے بعد وہ مُرتد ہو کر مکہ معظمہ کی طرف بھاگ گیا اور وہاں جا کر چوری کی نیت سے ایک دیوار میں نقب لگائی۔ دیوار گری تو وہاں مر گیا۔

فائدہ جب کسی کی ایک غلطی پر تمہیں آگاہی ہو جائے تو سمجھ لو کہ اس سے قبل وہ ایسی بے شمار غلطیوں کا ارتکاب کر چکا ہوگا۔

حکایت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے ایک نوجوان کے لئے قطع ید کا حکم صادر فرمایا تو اُس کی ماں روتی ہوئی حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے اس بچے کا یہ پہلا گناہ ہے فلہٰذا معاف فرما دیجئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو غلط کہتی ہے۔ اس سے قبل اس نے کئی بار اس کا ارتکاب کیا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پہلے کسی گناہ پر گرفت نہیں فرماتا۔

یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپتے۔ یعنی اُس سے انہیں حیا کرنا چاہیئے کیونکہ اُس سے

حیا کرنا اور ڈرنا ضروری ہے وَهُوَ مَعَهُمْ اور وہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے یعنی اُن کے حالات کو وہ پورے طور جانتا ہے اور ان کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے فلہٰذا اس سے چھپنے کا سوال ہی پیدا نہیں صرف اتنا ہے کہ وہ اب ان کی اس غلطی سے انہیں سزا نہیں دیتا اور نہ ہی کسی قسم کی اُن سے گرفت ہوتی ہے اِذْ یہ ظرف منصوب اور اس کا عامل محذوف ہے جو اپنے متعلق سے ملکر خبر ہے مبتدا کی جو کہ هُوَ مَعَهُمْ پہلے گذر چکا ہے۔

يُبَيِّتُونَ رات کو کئی طرح کی تدبیریں بناتے رہے اور سوچتے رہے کہ طعمہ کو کس طرح چوری کی سزا سے بچایا جائے مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ایسی باتیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں فرماتا۔ مثلاً ایک بری الذمہ پر بہتان تراشنا اور جھوٹی قسم کھانا اور جھوٹی گواہی دینا جیسے طعمہ نے چوری تو خود کی لیکن یہودی پر تہمت باندھی کہ زرہ اُس نے چرائی ہے بلکہ اپنے لئے جھوٹی قسم کھائی کہ میں نے زرّہ نہیں چرائی اور حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ میری قسم پر اعتبار فرمائیں جبکہ میں آپ کے دین پر ہوں۔ یہودی کی قسم کا اعتبار ہی کیا جبکہ وہ آپ کے دین کا مخالف ہے۔ پھر ساتھ اُس کی برادری نے آپس میں مشورہ کیا کہ طعمہ انصار میں سے ہے ہم اس کی طرف سے جھوٹی گواہی دیدیں تاکہ اس کا عیب ظاہر نہ ہو اور وہ سرقت کی سزا سے بھی بچ جائے گا۔ اس طرح سے ہماری ساری برادری کی شان رہ جائے گی (ورنہ ہم لوگ بہت بڑے بدنام ہوں گے۔ اگر طعمہ کے ذمہ چوری ثابت ہوگی)۔ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ اور اللہ تعالیٰ اُن کے ان اعمال پر جو کہ ظاہراً کرتے ہیں یا چھپکر۔ مُحِيطًا وہ ایسا احاطہ کرنے والا ہے کہ ان کا کوئی بھی عمل اس سے رہ نہیں جاتا۔

هَا أَنْتُمْ یہ مبتدا هَٰؤُلَاءِ خبر ہے اور دونوں میں ہا تنبیہ کے لئے ہے اور اس کے بعد کا جملہ مبنی ہے اس لئے کہ وہ اولاء سابق کی خبر ہے۔ مثلاً کسی کو سخی کہا جائے انت تجود بمالك وتوثر على نفسك۔ یعنی تم وہ حاتم ہو کہ اپنا مال لٹاتے ہو اور اپنے بجائے غریبوں پر خرچ کرتے ہو۔

فائدہ یہ خطاب طعمہ اور ان اہلِ ایمان کو ہے جو طعمہ کی طرفداری کرتے تھے اور طعمہ کی اپنی برادری جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے یعنی تمہی تو وہی ہو کہ

جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا حیاۃ دنیا میں ان کے لئے جھگڑتے ہو۔

فائدہ مجادلہ سخت طریقہ سے جھگڑنا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ تم طعمہ اور اُس کی برادری کی وجہ سے صرف دنیا میں جھگڑا کر سکتے ہو۔

فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ ان کی گرفت فرمائے گا تو پھر تم میں کون ہے جو اُس کی طرف جھگڑا کرے۔ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا یا اُن پر نگرانی کرے یعنی جب اللہ تعالیٰ اُن سے بدلہ لے گا۔ تو تم میں کون ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وکیل کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی غلطیوں کے ازالہ کے لئے کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے بات کر سکے۔ اس لئے کہ اُس دن کوئی کسی کے نفس کا مالک نہ ہوگا اس لئے کہ اُس دن تمام امور اُسی کے ہاتھ میں ہوں گے۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

① دراں روز کز فعل پرسند و قول
اولوالعزم را تن بلرزد ز ہول

② بجائے کہ دہشت خورد انبیاؑ
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: ① اس دن کے قول و فعل کا سوال ہوگا خوف سے پیغمبروں کو لرزہ ہوگا۔
② جہاں انبیاؑ سلیم اللہ بھی دہشت کھائیں تو اپنے گناہوں کا عذر کیا پیش کرے گا۔

سبق سالک کے لئے ضروری ہے کہ موت سے پہلے اپنے تمام گناہوں سے خالص توبہ کرے۔ اس سے اگر اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی ہے تو اُن کی قضا دے۔ کسی کا حق مارا تو اُسے پورا کرے۔ تھوڑے یا زیادہ جتنے حقوق کسی کو دینے ہوں تو ادا کرے کسی کو ستایا ہے تو اس سے معافی لے۔ گالی یا بہتان تراشا یا استہزا کیا یا غیبت کی سب بخشوائے یا کسی زدوکوب کیا یا بدظنی کی تو مرنے سے پہلے سب کو راضی کرے۔ یہاں تک کہ اس کے ذمہ کوئی حق الٰہی یا بندے کا کوئی حق باقی نہ ہو۔ آج تو لوگوں کو ستانے سے اتراتا ہے اور ہپ ہپ کرکے اُن کے اموال ہڑپ کر جاتا ہے۔ لیکن قیامت میں سخت ندامت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا اور وہ عدل کی کرسی پر ہوگا اور بندے کی تمام بُرائیوں کو سامنے فرمائے گا کہ اب تمام حقوق تیرے لئے لازم ہیں اُس وقت بندہ مفلس و فقیر ہوگا بلکہ عاجز و ذلیل بن کر کھڑا ہوگا نہ اس وقت کسی کا حق ادا کرنے کی ہمت ہوگی اور نہ ہی کوئی عذر مسموع ہوگا۔ پھر بُرا حال ہوگا اس بندے کا کہ جس کا عملنامہ نیک اعمال سے خالی ہوگا۔ اور اتنی بڑی مدت حساب کے لئے کھڑا رہنا پڑے گا۔ اس وقت بندہ عرض کرے گا۔ میری فلاں فلاں نیکی تو تھی جواب ملے گا تیری تمام نیکیاں تیرے حقدار لے گئے۔ یہ سُن کر بندہ سخت پچھتائے گا۔

اے سالک غور کر جب عملنامے اڑتے ہوں گے اور عدل کا ترازو سامنے ہوگا اور بھرے مجمع میں ہر ایک کو نام لے لے کر پکارا جائے گا اور کہا جائے گا آؤ اللہ تعالیٰ کو حساب دو۔ اُس وقت ملائکہ ہر ایک کو گرفتار کرکے اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کریں گے۔ اس وقت ہر ایک کو پکارنے کے وقت کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوگا جب بھی کسی کو پکارا جائے گا وہی حاضر کیا جائے گا اور وہ پکار دل کو گھبراہٹ میں ڈالے گی اور ہر بندہ خود بخود کھینچ کر حساب کے لئے حاضر ہو جائے گا۔ اُس وقت ہر ایک کی حالتِ زار ہوگی لرزتا کانپتا ہوا بارگاہِ حق میں حاضری دے گا۔ ڈر کے مارے رنگ بدل جائیگا۔

دل گھبرایا ہوگا۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر اللہ تعالیٰ کے حضور جا کر کھڑا ہو جائے گا سب لوگ دیکھ رہے ہوں گے کہ یہ اب یہ جا رہا ہے۔ سراسیمگی پھیل ہو گی اور دل کی دھڑکن بڑھ جائے گی۔ اور بارگاہِ حق کا رُعب چھا جائے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایک گروہ کے لئے بہشت میں بھیجنے کا حکم فرمائے گا۔ جب وہ بہشت کے قریب پہنچیں گے اور اُس کی خوشبو سونگھیں گے۔ لیکن حکم ہوگا کہ ان کو بہشت میں نہ جانے دو بلکہ میرے ہاں واپس لوٹاؤ۔ اُس وقت اُن کی حسرت و ندامت کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ کو عرض کریں گے یا اللہ اس سے بہتر تھا کہ ہمیں پہلے ہی دوزخ میں بھیج دیتا تاکہ ہمیں اتنا سخت ندامت نہ اُٹھانا پڑتی اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم وہی ہو کہ جب اکیلے ہوتے تھے کہ تو نیکی کا ارادہ ظاہر کرتے لیکن تمہیں لوگوں سے زیادہ ڈر ہوتا تھا۔ میرا خوف تمہارے دلوں سے اُتر جاتا تھا۔ تم لوگوں کو ہی مجھ سے زیادہ بڑا سمجھتے تھے۔ تم بُرائیوں کو لوگوں کے ڈر سے چھوڑ دیتے تھے۔ میرا خوف تمہیں ذرّہ برابر بھی نہیں تھا۔ اس لئے آج تمہیں عذاب چکھاتا ہوں۔ اور بہت بڑے بڑے انعامات سے تمہیں محروم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ وہ اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کرتے اللہ تعالیٰ انہیں دھوکہ کی سزا دے گا۔

سبق سالک کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ وہ ان لوگوں سے نہ ہو جو مخلوق سے تو ڈرتے ہیں لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کا ذرّہ بھر بھی ڈر نہیں اسے چاہیئے کہ وہ اپنے ہر معاملہ کو دیانتداری سے سُلجھائے اور بُرائیوں کو ترک کر کے نیکیوں میں جدوجہد کرے اور ہر ایک سے عدل و انصاف سے پیش آئے اور صدق و صفائی کو شعار بنائے اور استغفار میں لگا رہے اس لئے کہ استغفار گناہوں کی ہر بیماری کا علاج ہے بلکہ اُسی سے ہی اللہ تعالیٰ کے ملکوت کا دروازہ کھلتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اور وہ جو بُرائی کرتا ہے (ایسی بُرائی جو دوسرے کو تکلیف پہنچاتی اور پریشان کرتی ہے۔ جیسے طعمہ نے قتادہ یہودی سے کیا۔ اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ یا اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے یعنی وہ گناہ اس کو ہی لازم ہوتا ہے۔ جیسے جھوٹی قسم وغیرہ۔

فائدہ بعض کہتے ہیں کہ سوٓء کا شرک کے سوا تمام گناہوں پر اطلاق ہوتا ہے اور ظلم شرک کو کہتے ہیں اس لئے کہ شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں پر ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ مُراد ہے۔

ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ پھر اللہ سے بخشش مانگے توبہ کے ساتھ استغفار سے مغفرت و رحمت کے آثار نمایاں نظر آتے ہیں گویا استغفار کرنے والے کے لئے توبہ ایک مزید نعمت ہے۔

حدیث شریف سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدیق اکبر سے روایت کی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا کہ "جو شخص غلطی سے گناہ کرتا ہے پھر توبہ کے ارادہ پر وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ کر استغفار

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بخش دیتا ہے پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءً الخ

اے کہ بے حد گناہ کردستی

می نترسی ازاں فعال شفیع

توبہ کن تا رضائے حق یابی

کہ بہ از از توبہ نیست ہیچ شفیع

ترجمہ: اے فلاں تو نے بے حد گناہ کئے ایسے بڑے گناہوں سے تمہیں خوف و خطر بھی نہیں۔

توبہ کرتا کہ تجھے رضائے الٰہی نصیب ہو کیونکہ توبہ سے بہتر کوئی سفارشی نہیں۔

یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝ اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا۔ جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔

مسئلہ توبہ استغفار کو لازم ہے کیونکہ توبہ معافی کے لئے شرط ہے کیونکہ صرف استغفار کا نام توبہ نہیں اسی پر سب کا اجماع ہے یعنی استغفار کے ساتھ یہ بھی کہنا لازم ہے کہ زبان یا دل سے کہے کہ میں نے توبہ کی اور آئندہ یہ گناہ ہرگز نہیں کروں گا فلہٰذا اے اللہ مجھے بخش دے۔ (تفسیر حدادی)۔

فائدہ اس میں طعمہ اور اس کی برادری کو استغفار و توبہ کی ترغیب ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنۡ یَّکۡسِبۡ اِثۡمًا اور جو بھی کسی ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے فَاِنَّمَا یَکۡسِبُهٗ عَلٰی نَفۡسِهٖ تو بے شک وہ اپنے نفس پر وبال ڈالتا ہے اس لئے کہ گناہ کا ضرر وبال گناہ کرنے والے کے اپنے نفس پر پڑے گا۔ بلکہ اسے خوف کرنا چاہیئے کہ وہ اس کی گناہ کی شامت سے کسی سزا میں مبتلا نہ ہو جائے یا کم از کم اُسے آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونے کا خطرہ تو مدِ نظر ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَاِنَّمَا یَکۡسِبُهٗ عَلٰی نَفۡسِهٖ کا یہ مطلب ہے کہ گناہ کے بعد فوراً گناہ کی زنگ اُس کے دل کے شیشہ پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کے دیدار سے اندھا بنا دیتی ہے اور اس کے کانوں کو لگ کر سماعِ حق سے محروم کر دیتی ہے کما قال تعالیٰ کَلَّا بَلۡ رَانَ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ (بلکہ ان کے کردار سے ان کی قلوب پر زنگ چڑھ جاتی ہے)۔

تفسیر عالمانہ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے کہ بندے کے تمام اعمال کو جانتا ہے اور ان کی سزا میں بھی اُس کی بے شمار حکمتیں ہیں وَمَنۡ یَّکۡسِبۡ خَطِیۡٓئَةً (اور جو شخص کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے) اس سے صغیرہ گناہ مراد ہے یا وہ کبیرہ گناہ کہ جس کے کرنے کا اُسے ارادہ نہیں تھا۔ اَوۡ اِثۡمًا یا کوئی بڑا گناہ۔ اس سے کبیرہ گناہ مراد ہے یا وہ صغیرہ جو عمداً کرتا ہے۔ ثُمَّ یَرۡمِ بِهٖ پھر ان دونوں میں سے

کسی ایک سے برأت کا اظہار کرتا ہے بَرِیْٓئًا۔ وہ اپنے آپ کو بری الذمہ ظاہر کرتا ہے تاکہ دنیوی سے بچ کر دوسرے کے ذمہ سر تھوپ دے جیسے طعمہ نے چوری کر کے یہودی کے سر تھوپ دیا فَقَدِ احْتَمَلَ پس بے شک اُس نے اُٹھایا یعنی اس کا قصور کا بوجھ کسی ایسے کے ذمہ لگا دیا جو اس غلطی سے بری تھا بُهْتَانًا ایسے بڑے بہتان کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا اور گناہ ظاہر یعنی وہ فاحش گناہ جو سب کو معلوم ہو۔

سوال گناہ کو صفت بین سے تعبیر کرنے میں کیا نکتہ ہے؟

جواب چونکہ جو شخص غلطی کا مرتکب ہو کر دوسرے کے سر تھوپے۔ وہ جب ظاہر ہوتا ہے تو اتنا واضح ہو جاتا ہے کہ ہر چھوٹے بڑے کو معلوم ہو جاتا ہے۔

سوال بے قصور کو قصور وار ٹھہرانے کو بہتان سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب وہ اس لئے کہ جب بے قصور اپنے لئے قصور کا نام سنتا ہے تو حیران و پریشان ہو جاتا ہے کہ اس پر ایک بہت بڑا جھوٹ تراشا گیا ہے۔ "بہتان" بہت الرجل بکسر الہاء سے ماخوذ ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی معاملہ میں متحیر ہو۔ اسی طرح بہتہ بہتا نا یہ اس شخص کے بولتے ہیں جو بات اس نے نہ کہی اور نہ کی ہو لیکن کہا جائے کہ اُس نے کہا ہے یا کیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ غیبت یہ ہے کہ کسی کے متعلق ایسی بات کہی جائے جس کو وہ سُن کر کراہت کرے۔ آپ سے عرض کی یا حضرت! اگر کسی میں کوئی عیب ہو اور اسے بیان کیا جائے کیا یہ بھی غیبت ہوگی۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ کسی میں کوئی عیب ہو اور اسے پس پشت بیان کیا جائے تو وہ غیبت ہے اور اگر اسمیں وہ عیب نہ ہو اور اپنی طرف سے گھڑ کر اُس کو منسوب کیا جائے تو یہ بہتان ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَقَدِ احْتَمَلَ الخ یعنی صاحب نفس بہت بڑا بوجھ اپنے سر رکھ رہا ہے اس لئے کہ گناہ کے ارتکاب نے اس کے دل کو طاعات و عبادت سے دور کر دیا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا سے مراد یہ ہے کہ اُس نے اپنے نفس کو معاصی کے دریا میں ڈبو دیا اور جو اپنے دل کو گناہوں میں مبتلا کرتا ہے اُس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنی عقل کو کھو دے گویا اس کا دل نفس کا کھلونا بن گیا پھر اس جیسا بدبخت اور کون ہوگا کہ جس نے اپنا دل نفس کے تابع کر دیا اور ایسا شخص ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ جبکہ اس کا جوہر عقلی و روحانی چھینا گیا اب وہ صرف گوشت و پوست بن گیا ہے۔ اب یہ ان لوگوں میں ہو گیا جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا

غَیْبُرَھَا ۔ یعنی ان لوگوں نے عقلوں کو تباہ کر دیا یا سراپا گوشت و پوست بن گئے ۔

نکتہ استغفار سے بندہ مخلوق سے بھاگ کر خالق کی طرف جاتا ہے بلکہ یوں کہو کہ وہ انانیت سے نکل کر ھویت ذاتیہ کی طرف پہنچتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب طلب صادق ہو اس طلب صادق کی برکت سے وہ ذاتِ حق کو پاتا ہے ۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو مجھے طلب کرتا ہے وہ ضرور مجھے پالے گا ۔

حدیثِ کلیم اللہ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یا اللہ! میں تمہیں کہاں تلاش کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تم مجھے صدقِ دل سے تلاش کرو گے تو مجھے فوراً اپنے ہاں پاؤ گے ۔

سبق بندے کو ہر حال میں استغفار کا وِرد رکھنا ضروری ہے اس کی مثال اس بادشاہ کی ہے جو عدل و انصاف سے محروم ہے یا جیسے نہر ہو لیکن اس میں پانی نہ ہو یا جیسے عالم بے عمل ہو یا گھر ہو لیکن اس کی چھت نہ ہو یا جیسے دولتمند ہو لیکن سخی نہ ہو یا جیسے بادل ہو اس میں بارش نہ ہو جیسے جوانی ہو اس میں توبہ نہ ہو جیسے درخت ہو اس پر پھل نہ ہو جیسے فقیر ہو لیکن اسے صبر نہ ہو جیسے چراغ ہو اس میں روشنی نہ ہو جیسے عورت ہو اس میں حیا نہ ہو جیسے طعام ہو اس میں نمک نہ ہو ۔

نسخہ روحانی موت سے پہلے اخلاق سنوارنا اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کا شیوہ ہے اور نیک عمل اچھا ساتھی ہے ایسے ہی بُرے اعمال بُرے ساتھی ہیں ۔ ؎

① ناگہاں بانگ در سرائے افتاد
کہ فلاں را محل وعدہ رسید

② دوستاں آمدند قالب گور
قدمی چند و باز پس گردید

③ دین کز و دسترس نمیداری
مال و ملک و قبالہ بردہ کلید

④ دین کہ پیوستہ با تو خواہد بود
عمل تست ونفس پاک و پلید

(باقی ص ۲۶۲ پر)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ
اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ
اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ
نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○

ترجمہ: اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا تو ان میں کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکا دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق کا راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی) کہ آپ کو ہر غلطی اور خطا سے معصوم نہ بنایا ہوتا۔ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ تو اُن کے ایک گروہ نے ارادہ کر لیا تھا یعنی بنی ظفر جو طعمہ کو سرقت سے بری الذمہ بنانے کی کوشش میں تھے اَنْ يُّضِلُّوْكَ کہ آپ کو صحیح فیصلہ کرنے سے باز رکھے جبکہ آپ کے سامنے غلط سلط بیان دے رہے تھے۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ اُن کے ساتھی طعمہ سے غلطی کا ارتکاب ہو چکا ہے۔

فائدہ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ سے ہدایت کی نفی کی جا رہی ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ پر ان کی غلط پالیسی کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا خواہ وہ کتنا ہی جدوجہد کریں۔

وَمَا يُضِلُّونَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ اور صرف اپنے آپ کو گمراہ کر سکتے ہیں اس لئے کہ اس کا وبال انہیں پر ہوگا وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ اور آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مِنْ شَيْءٍ (جار ومجرور) کا محل نصب علی المصدریت ہے دراصل عبارت یوں تھی وَمَا يَضُرُّوْنَكَ شَيْئًا مِنَ الضرر۔

فائدہ یہ لوگ آپ کو اس لئے ضرر نہیں پہنچا سکتے کہ خود خدا آپ کا خود محافظ ہے اور وہ جو فیصلہ میں طعمہ کی تائید کا آپ کا خیال گذرا وہ بھی صرف ظاہری اسباب کی وجہ سے تھا نہ کہ طبعی طور آپ کا میلان اس طرف تھا۔ یعنی آپ کا طعمہ کے حق میں فیصلہ کرنے پر طبعی میلان نہیں تھا۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل فرمایا وَالْحِكْمَةَ

(بقیہ ص ۲۶)

⑤ نیک دریاب و بد مکن زنہار
کہ بدو نیک خواہی دید

ترجمہ: ① اچانک گھر سے آواز آئی کہ فلاں کا وعدہ (اجل) پہنچ گیا۔

② دوست صرف قبر تک آئے دو چار قدم چل کر آئے اور چلے گئے۔

③ وہ شئے کہ جس کے سوا تجھے چارہ نہیں لیکن وہ بھی رہ گئے یعنی مال واسباب وغیرہ کہ ان کی چابی تیرے سے مرنے کے بعد چھن گئی۔

④ ہاں وہ کہ جس نے ہمیشہ تیرے ساتھ جانا ہے وہ ہے عمل اور نفس وہ پاک ہے یا پلید۔

⑤ اسی لئے نیک کام کر برائی کے قریب نہ جا ورنہ قبر میں نیکی اور برائی دیکھنی ہوگی۔

حکایت شیخ وفا رحمہ اللہ تعالیٰ (جن کا قسطنطنیہ میں اپنی درس گاہ کے احاطہ میں مزار ہے) کو بادشاہ بایزید ثانی نے اسی ہزار دینار نذرانہ پیش کیا تاکہ وہ اس کی لڑکی کا نکاح قبول کر لیں اور یہ دولت اپنی صرف کریں آپ نے فرمایا اگر تم مجھے عالم دنیا کا تمام مال لٹا دو تب بھی میں نہیں لوں گا اس لئے کہ میں اتنا مشغول ہوں کہ مجھے لمحہ کی فرصت بھی نہیں کیونکہ صبح سے چاشت تک اپنے وظائف میں لگا رہتا ہوں۔ پھر دوپہر سے تا ظہر قیلولہ کرتا ہوں۔ پھر ظہر کے بعد تم کو اپنے معاملات سے فرصت نہیں ملا وہ ازیں ظہر کے بعد دن گھٹنے لگتا ہے اور تم یہ کام دن کے اوّل اوقات میں کرتے ہو۔

سبق سالک کے اوقات یونہی منقسم ہوتے ہیں اور ہونا بھی ایسے ہی چاہیئے اس لئے کہ دنیا فانی ہے اور بقا صرف حی وقیوم کو ہے اور پھر اسی حی وقیوم کی طلب میں زندہ رہنا اور اسی کی طلب میں مرنا چاہیئے۔

اور اس کے اندر جو احکام اور حلال و حرام کی تفصیل ہے وَعَلَّمَكَ اور وحی بھیج کر غیب کی باتیں اور پوشیدہ اُمور بتائے مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ جو تا وقتِ تعلیم انہیں آپ کو معلوم نہ تھے وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے)۔ اس لئے کہ نبوت عامہ اور حکومت تامہ سے بڑھ کر اور کونسا بڑا فضل ہوگا۔ اس فضلِ عظیم سے آپ کو معصوم رکھنا اور بڑے علوم کی تعلیم مراد ہے۔

مسئلہ حضرت حدادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو حقیقتِ حال معلوم نہ ہو تو اُسے لائق ہے کہ وہ خواہ مخواہ حق کے اثبات یا نفی کا طرفدار نہ بنے۔

مسئلہ حاکم وقت کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مدعی و مدعا علیہ میں کسی طرف جھکاؤ نہ رکھے۔ اگرچہ اُن میں ایک کافر ہو اور دوسرا مسلمان۔

مسئلہ چوری کا مال کسی کے ہاں پائے جانے سے اُس پر چوری کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

فائدہ آیت جامع الفضائل ہے۔ منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ بالآخر بُرائی کا وبال بندے کے سر پر آتا ہے جیسے نیکی کا ثمر بہتر ہوتا ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا

اول بظالماں اثر ظلم می رسد

پیش از ہدف ہمیشہ کمان نالہ می کند

ترجمہ: ظلم کا سب سے پہلے ظالم پر اثر پڑتا ہے دیکھئے نشان پر تیر پھینکنے سے پہلے کمان سے فریاد سُنائی دیتی ہے۔

حکایت ایک شخص نے گائے کے بچھڑے کو گائے کے سامنے ذبح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کا ہاتھ لُنجہ بنا دیا یعنی اُس کا ہاتھ سوکھ گیا۔ پھر اس شخص نے ایک دفعہ چڑیا کا بچہ نیچے گرا پڑا اُٹھا کر گھونسلے میں رکھا تو اللہ تعالیٰ نے وہی سوکھا ہوا ہاتھ پھر دُرست فرما دیا۔

سبق بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ تین کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

① بائع البشر (بردہ فروش)

② قاطع الشجر (بلا وجہ درخت کاٹنے والا)۔

③ ذابح البقر (بلا وجہ جانور ذبح کرنے والا)

حکایت کسی عورت نے کسی سائل کے منہ میں لُقمہ ڈالا۔ پھر وہ کسی کام کے لئے کھیتوں میں گئی تو بچہ کو کھیت کے کنارے سُلا دیا۔ بھیڑیا بچے کو اُٹھا لے گیا۔ اُس عورت نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے الٰہ العٰلمین میرے بچے کی حفاظت فرما کر مجھے واپس لوٹا دے۔ یہی بھیڑیا بھاگتا جا رہا تھا کہ کسی شکاری نے اسے تیر مارا تو وہ

وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اُس نے بھیڑیئے کے مُنہ سے بچے کو نکالا تو وہ بچہ صحیح و سالم تھا (معمولی نیش تک بھی اُسے نہ پہنچے)۔ اُدھر عورت یہ حال دیکھ رہی تھی فوراً جاکر اس شخص سے بچہ مانگا اس نے بچہ واپس لوٹا کر کہا کہ یہ لقمہ کا عوض ہے جو تو نے ایک سائل کے مُنہ میں ڈالا تھا۔

فائدہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو انسانی بھیس میں بھیج کر بھیڑیئے سے بچہ چھڑا کر اس بی بی کو دلایا تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ نیکی کا پھل کیسا میٹھا ہوتا ہے) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی نیکی کا ثمر دنیا میں بھی ظاھر ہو جاتا ہے۔

مسئلہ آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علم و حکمت مجموعہ فضائل کا سرتاج ہیں۔

مسئلہ یاد رہے کہ علم سے مُراد نافع علم مُراد ہے اور اُس کا ثمرہ آخرت تک ملتا رہتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں صرف تین ایسے عمل ہیں کہ جن کا موت کے بعد بھی ثمر نصیب ہوتا رہتا ہے۔

1. صدقہ جاریہ
2. علم نافع
3. اولاد صالح (جو اس کے لئے نیک دعا کرتی رہتی ہے)

مسئلہ آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ انسان سے جو نیک عمل ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میری ذاتی کارروائی ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ اس کریم کی مہربانی ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھ سے یہ کام کرایا ہے۔

مسئلہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرے کہ نفس نیکی کے لئے بھروسہ کے لائق نہیں اس لئے کہ جو شخص اپنے نفس پر معمولی سا بھی بھروسہ کرتا ہے تو اُس کے باطن سے یقین کے انوار چھین لئے جاتے ہیں۔

فائدہ انسان کامل وہ ہے جسے نفس پر ذرّہ برابر بھی اعتماد نہ ہو۔ پھر وہ اپنے عمل پر کیسے بھروسہ کرسکتا ہے جب اسے معلوم ہو کہ میری تمام زندگی کی نیکیاں اللہ تعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نعمت کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ جب ان سب نیکیوں کا یہ حال ہے تو اُن پر اعتماد کیوں۔

حکایت شاہ شجاع کرمانی کے متعلق مشہور ہے کہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے تو کسی سائل نے لوگوں سے کچھ مانگا لیکن اس غریب کو کسی نے بھی کچھ نہ دیا۔ وہیں پر شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوئی ہے تم میں جو مجھ سے پچاس حج کا ثواب لے کر اس فقیر کو صرف ایک وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔ اس مجلس میں ایک

فقیہہ (عالم فقہ) بھی موجود تھا اُس نے فرمایا اے کرمانی تم شریعت سے مذاق اُڑا رہے ہو کہاں پچاس حج اور کہاں روٹی کا ٹکڑا۔ کرمانی مرحوم نے جواب دیا۔ حضرت جب مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں تو پھر میں اپنی نیکیوں کو کیا جانوں۔

سوال اس سے معلوم ہوا کہ جب نیکی کی کوئی قدر و قیمت نہیں تو پھر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہر نیکی کو عمل میں نہ لاؤ لیکن ان پر سہارا نہ ہو۔ جیسے مشہور ہے (نیکی کر دریا میں ڈال) بلکہ ہر نیکی کرنے کے بعد یہ تصور رہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہی توفیق بخشی ہے اور اس کا فضل ہوا ہے ورنہ میں اس لائق کب تھا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) گر ز حق توفیق خیرے رسد
کہ از بندہ خیرے بغیرے رسد

(۲) چو روئے بہ خدمت نہی بر زمین
خدا راثنا گوئی و خود را مبین

ترجمہ: (۱) اگر حق سے توفیق نصیب ہو تو غیر کو بھلائی پہنچا سکتے (ورنہ مشکل ہے)

(۲) جب عبادت کے لئے سر سجدے میں رکھتا ہے تو تیرا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اپنا تصور نہ کر کہ یہ میں نے کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ فضل الٰہی بھی اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ایک عطیہ ہے وہ جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ اس میں کسی کے کسب کو دخل ہے نہ کسی کو چارہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جسے ایمان کو دولت سے نواز کر عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وہ مالک ہے۔ آیت میں فضلِ عظیم جو واقع ہوا ہے اُس سے بھی خود ذاتِ حق مراد ہے اب وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا سے مراد یہ ہوگی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی عظیم ہے اور اس کا فضل اور رحمت آپ پر وافر در وافر ہے۔ جیسے آپ تمام عالمین کے لئے فضل و رحمت ہیں اس لئے آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الافلاك)۔

فائدہ منجملہ آپ کے فضل کے ایک یہ ہے کہ آپ کو روحانیات و جسمانیات سے کوئی شے بھی وصول حق سے نہیں روک سکی۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں اُن اشیاء سے دُور رکھ جو تیرے تک پہنچنے سے ہمیں روکتی ہیں۔ وہ اشیا آفاقی ہیں نفسانی اور پھر اپنے فضل سے ہمیں نفوس قُدسیہ میں پہنچا دے (آمین)

تفسیر عالمانہ لَاخَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اُن کی آپس کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں۔

حل لغات نجویٰ دراصل اس رازداری کو کہتے ہیں جو صرف دو شخصوں تک محدود ہو لیکن زجاج صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا اطلاق ایک جماعت کے لئے بھی ہوتا ہے یعنی وہ رازداری جو ایک جماعت میں واقع ہو خواہ پوشیدہ طور ہو یا کھلم کھلا لیکن دو شخصوں یا ایک جماعت تک محدود ہو۔

فائدہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام اور ہر زمانہ کے لئے ہے اگرچہ اس کا نزول طعمہ اور اُس کی قوم کے لئے ہو جب انہوں نے طعمہ کو چوری کے الزام سے بچانے کے لئے آپس میں سرگوشیاں کیں۔

اِلَّا مَنْ اَمَرَ (ہاں کوئی نیکی کا معاملہ ہو) یعنی نیکی کے بارے میں اگر سرگوشیاں کرو تو کوئی حرج نہیں یہ مجرور اور فی کثیر سے بدل ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "لَاخَيْرَ فِي قِيَامِهِم اِلَّا فی قیام زید۔"

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ وہ نیکی صدقہ ہو یا کوئی اور نیک کام۔

حل لغات اَلْمَعْرُوْف اس فعل کو کہتے ہیں جیسے شرع مستحسن سمجھے اور عقل بھی اس کے استحسان سے انکار نہ کرے اس تعریف سے تمام اچھے امور اور نیکی کے تمام کام (المعروف) میں داخل ہوں گے لیکن یہاں پر قرض اور مظلوم کی فریاد رسی اور صدقات و خیرات مراد ہیں یہ اس وقت ہے جب آیت میں صدقہ سے صدقہ واجبہ مراد ہوں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہر معروف صدقہ ہے اور بہشت میں سب سے پہلے اہل معروف داخل ہوں گے۔

نکتہ جسے نیکیوں کی توفیق نصیب ہوتی ہے اس سے بُرائیاں دُور بھاگتی ہیں۔ ؎

تو نیکی کن باب اندازی شاہ

اگر ماہی نداند داند اللہ

ترجمہ: اے بادشاہ (نیک آدمی) نیکی کر اور دریا میں ڈال اگر اسے مچھلی نہ جانے تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔

حدیث شریف بندے کا ہر کام قیامت میں عذاب کا موجب بنے گا اسے اپنے کسی کام سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا ذکر الٰہی قیامت میں فائدہ پہنچائیں گے۔

اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (اور لوگوں کے مابین اصلاح) یعنی لوگوں کے آپس میں جھگڑے اور عداوتیں پیدا ہو جائیں تو صلح و صفائی کے لئے سرگوشیاں کی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں تمہیں ایسا نیک عمل نہ بتاؤں

جو نماز اور صدقہ سے کئی درجے افضل ہے سب نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا آپس میں جھگڑے کرنے والوں اور عداوتوں میں رہنے والوں کے مابین صُلح وصفائی کرانا اور آپس میں بغض و عداوت سر مونڈنے والی شے ہے میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ یہ سر مونڈتی ہے بلکہ دین کی جڑ اُکھاڑتی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابُو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے صدقہ کی طرف رہبری کروں جو سُرخ اونٹ کی خیرات سے بھی افضل ہو۔ انہوں نے فرمایا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ جب لوگوں کا آپس میں جھگڑا ہو تو اُن کی صُلح وصفائی کراؤ۔ اور جب وہ آپس میں ایک دوسرے سے دُور ہو جائیں تو اُن کو آپس میں قریب کرو

سوال ان تینوں کو خصوصی طور ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب چونکہ یہ تینوں ایسے اُمور ہیں جن کے منافع عامل سے متجاوز ہو کر دوسروں تک پہنچتے ہیں کہ اس میں دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور نقصان کو دفع کیا جاتا ہے۔ نفع جسمانی ہو جیسے کسی دوسرے کو مال عطا کرنا اس کا ذکر اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ یا روحانی جیسے امر بالمعروف یا اس سے نقصان دفع کرنا مطلوب ہوتا ہے اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ میں اس طرف اشارہ ہے۔

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ اور جملہ امور عمل میں لاتا ہے۔ ذٰلِکَ کا جملہ اُمور مذکور کی طرف اشارہ ہے (یعنی صدقہ ومعروف واصلاح کی طرف) اس لئے کہ اس کا اشارہ متعدد اُمور کی طرف ہوتا ہے۔

سوال اس کلام کو امر سے کیوں متعلق کیا گیا ہے یعنی الا من اَمَرَ سے؟

جواب اس لئے کہ یہ وہ امور ہیں جو کسی کرنے والے سے تعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر حکم جب کسی کو سُنایا جاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے یہ کس کا حکم ہے جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ آمر کی شخصیت بلند تر ہے تو پھر وہ اس امر کے بجالانے میں پس وپیش نہیں کرتا۔

فائدہ حکم کا اصل مقصد فعل ہوتا ہے اور اس فعل کے صدُور کا صرف سبب ہوتا ہے۔

فائدہ آمر ان اُمور کو عمل میں لانے کی ترغیب دلاتا ہے۔

اُبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرکے) یعنی ان جملہ اُمور کی اصل علت رضائے الٰہی ہے کہ بندوں کو چاہیئے کہ اپنے جملہ امور میں رضائے الٰہی کو مدِّنظر رکھیں۔

مسئلہ جو کوئی عمل ریا یا شہرت کی نیت پر کرتا ہے تو اُسے ثواب سے محرومی ہو گی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
از یں در کسے چوں تو محروم نیست

(۲) ز عمرو اے پسر چشم اُجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار!

ترجمہ: (۱) تیری زمین میں اگر اخلاص کی جڑ نہیں تو تیرے جیسا اور کوئی محروم نہ ہوگا۔
(۲) عمرو سے مزدوری کی اُمید نہ رکھ جبکہ تو زید کے گھر کام کرتا ہے۔

فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (پس ہم اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے) کہ اس سے نہ صرف طلبِ دنیا کی عادت دفع ہوجائے گی بلکہ دنیا کے جمیع اسباب کو لاشئ سمجھنے لگ جائے گا۔ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ اور جو اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کی مخالفت کرتا ہے۔ یشاق الشق سے ماخوذ ہے۔ چونکہ ہر دونوں مخالف آپس میں اپنی اپنی شق پہ ہوتے ہیں اور ہر ایک کی شق دوسرے کی شق کے مخالف ہوتی ہے اسی لئے اسے شق سے چھیڑتے ہیں۔ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ (بعد اس کے کہ اس کے سامنے ہدایت واضح ہوگئی) یعنی آپ کی نبوت کے متعلق روشن معجزات دیکھ کر اس کے سامنے حق ظاہر ہوچکا۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ اور جو مومنین کے راہ کے غیر پر چلتا ہے (یعنی اس راہ پر چلتا ہے جس پر مؤمن دائمی طور چلتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کے اعتقاد اور عمل سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اُن کے اعتقاد و عمل کے مجموعہ کا نام دین قیم ہے نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ ہم بھی اسے اُس کی دوستی کے اس مقام پہ پہنچائیں گے جنہیں وہ دوست رکھتا ہے) یعنی جب سے اس نے گمراہی کو اختیار کیا ہے تو ہم بھی اُس کے وہی دوست بنائیں گے جن سے اُن کا پیار ہے اور اسے اس کی دوستی کے مابین راستہ ہموار کریں گے وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے۔ وَسَاءَتْ مَصِيرًا اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

طعمہ کا بُرا انجام مروی ہے کہ طعمہ نے جب سے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کہ جب چوری اُس کے ذمہ ثابت ہوگئی تو وہ قطع ید (چوری کی سزا) کے خوف سے مدینہ طیبہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ چلا گیا اور اپنے آبا کا پُرانا دین کفر اختیار کرکے کافر ہو کر مرا (جیسا کہ پہلے گذرا)۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ وہ جماعت (اہلسنت) کے خلاف نہ چلے اس سے اہل ایمان کی جماعت اہلسنت مُراد ہے اس لئے کہ جو بکری ریوڑ سے علیحدہ ہوتی ہے اُسے بھیڑیا کھا جاتا ہے۔

تقلید کے برکات ایمان والوں کا راستہ یہی حق راہ ہے یہی بہشت اور قرب الٰہی اور وصالِ حق اور دیدارِ خداوندی عطا کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ جو نفس و شیطان اور خواہشاتِ نفسانیہ کی باتیں کرتے ہیں (اس لئے کہ وہ شریر ترین مخلوق ہیں) اور نہ ان کی باتیں اچھی ہیں۔ جو آپس میں کرتے ہیں اس لئے کہ وہ برائی اور بے حیائی اور غلطی کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو مستثنیٰ فرمایا اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ یعنی سوائے ان لوگوں کے جو ان امور کا حکم دیتے ہیں اس لئے کہ ان امور میں بھلائی ہی بھلائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ ان امور کا حکم فرماتا ہے خاطرِ رحمانی سے یا الہام رحمانی سے۔

فائدہ خاطر کا اطلاق اعلام من اللہ پر ہوتا ہے وہ فرشتے کے واسطہ سے ہو یا واسطہ کے بغیر چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک اطلاع رحمانی ہوتی ہے ایک شیطانی جو رحمانی ہوتی ہے اُس میں بھلائی کا وعدہ ہوتا ہے اور جو شیطانی ہوتی ہے اسمیں شر ہی شر ہوتا ہے۔ الہام بھی منجانب اللہ ہوتا ہے۔ لیکن اسمیں کسی کا واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا یہ دو قسم ہے۔

① بندے کو علم تک نہ ہو کہ واقعی یہ اشارہ ایزدی ہے۔

② اسمیں تصریح ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے اسے نُورِ الٰہی کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقی الہام ہے اسے کسی دوسری معرفت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

فائدہ الہام ولی اور غیر ولی ہر دونوں کو ہوتا ہے چنانچہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ حدثنی قلبی عن ربی یعنی میرے دل نے یہ بات اللہ تعالیٰ سے بیان کی ہے اور حضور علیہ السلام نے اِنَّ الْحَقَّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ (بے شک حق حضرت عمر کی زبان پر ہوتا ہے) اور یہ بھی اُن کے لئے فرمایا کبھی اُن کی فراست وحی ربانی سے سبقت کر جاتی ہے۔ پھر فرمایا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اور جو شخص جو اس پر العاء ہوا ہے صرف رضائے الٰہی کے پیش نظر عمل کرتا ہے۔ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ہم عنقریب انہیں بہت بڑے اجر و ثواب سے نوازیں گے۔ فسوف کی فا تعقیب کے بعد فعل يُؤْتِيْهِ اَجْرًا الخ میں جذب عنایت الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ یہی جذب عنایت الٰہی بندے کو انانیت سے نکال کر واصل بحق کرتا اور اُسے بہت بڑے بلند مراتب پر پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ جو شخص الہام ربانی کی مخالفت کرتا ہے جو درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى بعد اس کے کہ اس کے سامنے ہدایت واضح ہو گئی ہے یعنی اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ واقعی یہ الہام ربانی اور اُس کا نور ہے وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور جو مومنین (جو درحقیقت وہی اہل الیقان ہے) کے راستہ سے ہٹ جاتا ہے مثلاً خواہش نفسانی اور نفس کی شرارت اور شیطان کی راہ پر چلتا ہے نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ہم اُسے رسوائی کی طرف سپرد کر دیں گے جبکہ وہ خود اس کا خواہاں ہے وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ اور ہم اُسے اُس کے اپنے معاملات سے جکڑ کر جہنم

(باقی صفحہ ۲۷۱ پر)

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ
يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ○ إِنْ يَّدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُوْنَ إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ○ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ
وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○ وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ
وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ
خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا
مُّبِيْنًا ○ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ○ أُولٰٓئِكَ
مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ أَبَدًا ۚ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ○ لَيْسَ
بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۚ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ
لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ
ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ
نَقِيْرًا ○ وَمَنْ أَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ○ وَلِلّٰهِ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ○

ترجمہ: اللہ اُسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا یہ شرک والے اللہ کے سوا نہیں پوجتے مگر عورتوں کو اور نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان کو جس پر اللہ نے لعنت کی اور بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا ہوا حصہ لوں گا قسم ہے میں ضرور بہکا دوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ چوپایوں

کے کان چیریں گے اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ صریح ٹوٹے میں پڑا۔ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کچھ دیر جاتی ہے کہ ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کا سچا وعدہ اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی کام نہ کچھ تمہارے خیالوں پر ہے اور نہ کتاب والوں کی ہوس پر جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمائتی پائے گا نہ مددگار اور جو کچھ بھلے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور انہیں تل بھر نقصان نہ دیا جائے گا اور اس سے بہتر کس کا دین جس نے اپنا منہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ نیکی والا ہے اور ابراہیم کے دین پر چلا جو ہر باطل سے جدا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بے شک اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے گا۔ اس کے ماسوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھا حاضر ہوا اور عرض کی میں ایک بوڑھا آدمی ہوں زندگی گناہوں میں گذری ہے لیکن شکر ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اور دولت اسلام سے نوازا گیا شرک نہیں کیا اور نہ ہی اس کے سوا کسی کو ساز گار بنایا ہے اور نہ ہی گناہوں پر اب کبھی جرأت کرتا ہوں اور نہ کبھی خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ سکوں گا لیکن سابقہ گناہوں پر نادم ہوں۔ فرمایئے میرے ساتھ کیا ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ شرک توبہ کئے بغیر ہرگز نہیں بخشا جائے گا۔ اس کے ماسوا توبہ کی ہو یا نہ بالآخر بخشش ہوگی لیکن یہ بھی ہر ایک کے لئے نہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک

(بقیہ ص ۲۶۹)

کی طرف دھکیل دیں گے یعنی اسے صفات سفلیہ مثلاً صفات بہیمیہ و سبعیہ و شیطانیہ سے موصوف کر دیں گے وَسَآءَتْ مَصِيْرًا اور وہ برا ٹھکانہ ہے یعنی اس نے خواہش نفسانی اور اتباع نفس اور شیطان کے پیچھے لگ کر اور ان اشیاء کی تابعداری سے ایک قسم کا شرک کر کے جہنم میں پہنچا۔ (التاویلات النجمیہ)

ٹھہراتا ہے تو وہ حق سے بہت دور جا پڑا اس لئے کہ شرک تمام گمراہیوں کا سر ہے اور صواب و استقامت سے کوسوں دور۔

فائدہ حضرت صداوی فرماتے ہیں کہ ضَلٰلاً بَعِيۡدًا ۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ صواب سے بہت دور جا پڑا اور تمام بھلائیوں سے محروم ہوگیا۔ بعیدا کہنے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ بہشت سے دور ہونے والوں کے بھی درجات ہیں جیسے حرام خوری۔ شراب نوشی۔ غیبت وغیرہ ان سے بدترین شرک ہے اس لئے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی

مسئلہ شرک دو قسم ہے۔

① جلی

② خفی

(اللہ تعالیٰ ہمیں برائیوں کے تمام اقسام سے بچائے (آمین)

مسئلہ نیکیاں بھی کئی قسم ہیں۔ ان سب کا جامع لفظ عمل صالح ہے یہ وہ ہے کہ جو صرف رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر کیا جائے۔ ان سب کی تاج توحید ہے اس لئے یہ سب کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور برائیوں کی جڑ کاٹتی ہے اس لئے توحید کا میزان عدل میں کوئی وزن نہیں ہوگا۔

حدیث شریف بنی آدم جو نیکی بھی کرتے ہیں ان کا قیامت میں وزن ہوگا۔ سوائے کلمہ اَشۡهَدُ اِلٰهَ اَلَّاللہ الخ اس کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

اعجوبہ کلمۂ شہادت کو اگر ایک پلڑا میں رکھا جائے اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور اس کے اندر والی تمام اشیاء دوسرے پلڑے میں تو کلمہ شہادت کا وزن بھاری ہوگا۔

ربط اب بتایا جا رہا ہے کہ گمراہی بعید میں کون ہیں" فرمایا اِنۡ نافیہ ہے یَدۡعُوۡنَ بمعنے یعبدون اس لئے کہ جو بھی غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے وہ اُسے اپنی مشکل کے وقت پکارتا۔ یعنی وہ نہیں عبادت کرتے ہیں مِنۡ دُوۡنِهٖ اللہ تعالیٰ کے ماسوا" یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ مگر مادیوں کی۔ یہ انثیٰ کی جمع ہے اس سے مراد بت ہیں۔

سوال اُن بتوں کو مؤنث کیوں کہا گیا؟

جواب ① وہ اپنے بتوں کے مجسمے عورتوں کی صورت میں بنا کر انہیں وہ زیور پہناتے جو عورتیں پہنتی ہیں اور ان کے اسما بھی مؤنث کے صیغوں پر رکھتے مثلاً اللات۔ العزیٰ۔ المناۃ۔

جواب ② کبھی نر کو اس کے صیغۂ مونث پر مسمی ہونے کی وجہ سے مؤنث کہا جاتا ہے۔

جواب ③ جنکی وہ پرستش کرتے تھے وہ جماد محض تھے۔ اُنمیں روح نہیں تھی اور جسمیں روح نہ ہو اُسے مؤنث

کہا جاتا ہے اور اسے مؤنث سے اس لئے تشبیہ دی جاتی ہے کہ مؤنث میں فاعل مادہ نہیں۔ بلکہ منفعلی ہے اللہ تعالیٰ نے اس لئے اُن کے بتوں کو مؤنث کہا ہے کہ وہ منفعل ہیں نہ کہ فاعل حالانکہ حق معبود فاعل ہے نہ کہ منفعل تاکہ ان کی انتہائی جہالت وحماقت کا اظہار ہو۔

فائدہ بعض کہتے ہیں کہ اُن سے ملائکہ مراد ہیں۔ اس لئے کہ بعض مشرکین فرشتوں کے پجاری تھے چنانچہ وہ کہتے الملائکۃ بنات اللہ (ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں) اللہ تعالیٰ نے اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ تَسْمِیَۃَ الْاُنْثٰی بے شک وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ بتوں کو عورتوں جیسا نام رکھتے ہیں۔ باوجودیکہ ان تمام مشرکین کو اعتراف تھا کہ ہر شے کی مادیاں اُن کے نردں سے خسیس و رذیل ہیں۔

وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اور وہ بتوں کی پرستش نہیں کرتے اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ۱ھ مگر شیطان سرکش کی۔ اس لئے کہ اس نے ہی انہیں اُن کی پرستش کا حکم دیا اور اُس نے اس پر انہیں برانگیختہ کیا اس بنا پر درحقیقت وہ شیطان کے ہی پجاری تھے۔

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کے ہر بت میں شیطان ہوتا تھا جو ان کے خدام اور کاہنوں کو ملتا اور اُن سے باتیں کرتا تھا۔

فائدہ زجاج نے فرمایا کہ یہاں شیطان سے ابلیس مُراد ہے جیسا کہ لَاَتَّخِذَنَّ دلالت کرتا ہے اس لئے کہ یہ جملہ شیطان نے کہا تھا اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ بتوں کے خدام کو شیطان نظر آتے ہوں۔

حل لغات مرید (بالفتح) وہ ہے جس میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو بعض کہتے ہیں کہ مرید سے مرد مشتق ہے بمعنے تجرد للشر و تعری من الخیر (فلاں سراپا شر ہے اور خیر سے بالکل عاری ہے) اس لئے اس درخت کو مرداء کہتے ہیں۔ جس پر پتے نہ ہوں اور بے ریش کو بھی امرد اس لئے کہتے ہیں کہ اُس کے چہرہ پر داڑھی نہیں ہوتی۔

لَعَنَهُ اللّٰهُ یہ شیطان کی دوسری صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی رحمت سے دور فرما کر عذاب کی طرف دھکیل دیا اور حکم دیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے۔

ازالۂ وہم ہماری اس تقریر سے وہ خدشہ دور ہو گیا جو کہا جاتا ہے کہ اُدھر شیطان پر لعنت کی ہے اِدھر وہ دنیا میں مزے لوٹ رہا ہے اور لحظہ بلحظہ اسے نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ مثلاً زندگی بخشی گئی اور اس کے لوازمات بھی اور یہ بھی ایک نعمت ہے۔

وَقَالَ اس کا عطف ما قبل پر ہے یعنی وہ شیطان لعنت کے استحقاق کے علاوہ آنے والے بُرے قول کا بھی جامع ہے جب اس پر لعنت کی گئی تو بجائے ندامت کے یہ بکواس کی جو ابھی مذکور ہو گی جس سے واضح ہوتا ہے

کہ اُسے آدم زادوں سے کتنی دشمنی ہے۔

سوال تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ واؤ جمعیت کی ہے؟

جواب جو واؤ صفات کے درمیان واقع ہو وہ صرف جمعیت کا فائدہ دیتی ہے۔

لَاَتَّخِذَنَّ یہ لام قسمیہ ہے اسی طرح آنے والے جملوں کی لام **مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا**

یعنی شیطان نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ تیرے بندوں سے میں اپنے لئے حصّہ مقرر کروں گا یعنی میں انہیں گمراہ کروں گا

اس سے ظاہر ہے کہ ابلیس کو گمراہی کرنے پر آدم زادوں سے حصّہ مقرر کیا گیا ہے چنانچہ جن کو وہ اپنے مکر و فریب

میں پھنسالیتا ہے تو وہ اُس کے حصّہ میں آگیا۔

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فی ہزار نو سو ننانوے ابلیس کا حصّہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف مشارق الانوار میں ہے کہ میدان محشر میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنی

اولاد میں جہنم کے مقرر کردہ لوگوں کو علیحدہ کیجئے۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے یا اللہ

ما بعث النار جہنم کے لئے مقرر کردہ کتنے ہیں۔ یہ ما بمعنے کم عدد یہ ہے اس کے جواب میں بھی عدد واقع ہے آدم

علیہ السلام کہیں گے یا اللہ تعالیٰ وہ کتنے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہزار میں سے نو سو ننانوے۔

فائدہ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ گفتگو قیامت میں ہوگی کہ جہاں بچے ڈر کے مارے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر

حاملہ اپنے حمل گرادے گی۔ یعنی قیامت کا اتنا سخت ہولناک منظر ہوگا کہ لوگوں کو مست دیکھو گے حالانکہ

وہ نشہ کی مستی نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت نظر آئے گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام یہ حدیث سنتے

ہوئے سخت گھبرائے اور عرض کی حضور! اس ایک ہزار میں سے صرف ایک کون خوش قسمت انسان ہوگا۔ آپ نے فرمایا

گھبراؤ مت۔ وہ نو سو ننانوے یاجوج و ماجوج ہوں گے جو بہ نسبت تمہارے زیادہ ہیں کہ تم ان کے ہزار میں صرف

ایک ہو۔

فائدہ یاد رہے کہ یہ خطاب صحابہ کرام کے علاوہ باقی تمام اہل اسلام کو بھی ہے۔

بقیۃ الحدیث اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا اے میرے صحابہ اور امتیو! تمہیں مبارک ہو کہ بہشت

میں سالم چوتھا حصّہ میری اُمت کے لئے ہوگا صحابہ کرام نے الحمد پڑھی اور نعرۂ تکبیر گونجی پھر

آپ نے فرمایا تمہیں مبارک ہو کہ بہشت میں تہائی حصّہ تمہارا ہوگا۔ پھر حسب دستور صحابہ کرام نے الحمد پڑھی اور نعرۂ تکبیر

کہی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا بہشت میں دو تہائیاں میری اُمت ہوگی۔ اور فرمایا کہ بہشت ایک سو بیس

قسم پر منقسم ہوگی انہیں اسّی قسم میری امت کی ہوگی اور فرمایا تم باقی کفار امتوں میں ایسے ہو جیسے سیاہ بالوں والے

بیل میں ایک سفید بال۔

فائدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اہل ایمان بہشت میں جائیں گے۔

سوال ابلیس کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ آدم زادوں سے اپنا حصّہ حاصل کرے گا؟

اس کے کئی جوابات ہیں۔

جواب ① جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ لَاَملئنّ جَهَنّمَ مِنَ الجنّة والناس اجمعین میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے پُر کروں گا اس سے معلوم ہوا کہ وہ آدم زادوں کو گمراہ کرکے اپنی آہنذ پوری کرے گا۔

جواب ② جب وہ آدم علیہ السلام پر وسوسہ ڈالنے میں کامیاب ہوگیا تو اُس کے امید بندھ گئی کہ وہ اُن کی اولاد کو بھی گمراہ کر ڈالے گا۔

جواب ③ جب اُس نے جنت و دوزخ ہر دونوں کا معائنہ کیا تو اسے یقین ہوگیا کہ ان ہر دونوں میں انسان ہی ٹھہریں گے پھر جو دوزخی ہوں گے اُن کو وہ گمراہ کر سکے گا۔

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ اور میں انہیں حق سے پھیر لوں گا۔

فائدہ ابلیس کے اضلال کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ وسوسہ ڈال کر انسان کو گمراہی کی دعوت دیتا ہے اس لئے کہ اس کے سوا اس کے پاس گمراہ کرنے کی طاقت ہوتی تو وہ تمام مخلوق کو گمراہ کر دیتا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ابلیس بڑا دھوکہ باز ہے لیکن اس کے پاس گمراہی کے لئے وسوسہ ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ یعنی وہ لوگوں کو گمراہ کن باتیں عجیب رنگ میں پیش کرتا ہے اور شہوات کی طرف لے جانے کے لئے مکر و فریب دکھاتا ہے انسان میں ابلیس گمراہی پیدا نہیں کرتا۔

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ اور انہیں غلط خیالوں میں مبتلا کردوں گا اِلّا با فی الباطلۃ یہ ہیں کہ انسان کے دل میں ابلیس خیال ڈالتا ہے کہ جو کچھ تو چاہتا ہے (مال اور طولِ عمر وغیرہ) وہ تجھے حاصل ہوگی فلہٰذا تم یہ کرلو وہ کرلو۔

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُسے خیال دلاتا ہے کہ نہ بہشت ہے نہ دوزخ اور مرنے کے بعد اُٹھنا نہیں اور نہ حساب ہے نہ کتاب۔

فائدہ اسے یہ بھی بتاتا ہے کہ گناہ کرلو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کے فضل و کرم کی انتہا ہی کیا ہے آخرت میں بخشش ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ اور میں انہیں غلط رسموں کے مطابق کان وغیرہ کاٹنے اور چیرنے کا حکم دوں گا فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ (وہ جانوروں کے کان چیریں گے) یعنی انہیں چیریں گے میرے حکم سے اور وہ اس میں تاخیر نہیں کریں گے اور نہ ہی اس پر کچھ سوچیں گے یہ بتکٌ ای تقطعہٗ سے ہے (اس نے اسے کاٹا) پھر اسے باب تفعیل پر محض مبالغہ اور تکثیر کے لئے لایا گیا ہے۔

فائدہ اہل تفاسیر کا اجماع ہے کہ یہاں وہ جانور مراد ہیں جو اہل جاہلیت اپنے بتوں کے لئے اُن کے کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے پھر نہ اُن کا دودھ پیتے اور نہ ان سے کوئی نفع اٹھاتے وہ اونٹ اور گائیں اور بکریاں ہوتیں جن کے کان وغیرہ چیر کر چھوڑ دیتے تھے یعنی شیطان نے کہا کہ میں انہیں حکم دوں گا کہ وہ ان جانوروں کے کان چیر کر اپنے اوپر اُن سے نفع اُٹھانا حرام کردیں اور انہیں صرف بتوں کے لئے چھوڑدیں وہ اُن کے نام مختلف نام رکھتے مثلاً:

① بحیرہ
② سائبہ
③ وصیلہ
④ حامی

اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ جس اونٹنی کو دیکھتے کہ وہ مسلسل پانچ بار بچے جنتی ہے آخر اس کا نر ہوتا تو اس اونٹنی کا کان چیر کر بت کے لئے چھوڑ دیتے پھر نہ اس پر سوار ہوتے نہ اُس کا دودھ دوہتے اور نہ ہی اس کا گوشت کھاتے۔ وہ جہاں پھرتی رہے اُسے کوئی رُکاوٹ نہ ہوتی۔ وہ کسی کا پانی پی جاتی یا کسی کی چراگاہ میں چلی جاتی کسی کا کھیت کھاجاتی تو اس کے لئے باعثِ خوشی ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی حد سے زیادہ تھکا ہوا بھی ہوتا تو تھکان کے باوجود اُس پر سوار ہونا جرم سمجھتا۔

فائدہ بعض تفاسیر میں پانچ بچوں کے بجائے سات بچے جننے کا ذکر ہے اسی طرح سائبہ بھی ہر جگہ چھوڑدی جاتی۔ اُس سے نفع اُٹھانا جرم سمجھا جاتا اس لئے اُن کا طریقہ تھا کہ اگر کوئی بیمار ہوجاتا تو منت مانتا کہ اگر مجھے اس بیماری سے شفا ہوگی تو میری اونٹنی سائبہ ہوگی یا کہتا کہ فلاں مسافر اگر صحیح سالم لوٹا یا میں سفر سے باعافیت آگیا یا میری عورت حاملہ ہے اگر اُس نے بچہ جنا وغیرہ وغیرہ تو میری اونٹنی بحیرہ ہوگی یعنی اُس کے کان وغیرہ کاٹ کر بتوں کے لئے چھوڑی جائے گی اسی طرح جو زیادہ مالدار ہوجاتا تو بتوں کے احترام میں ایک جانور اُن کے لئے چھوڑ دیتا جس سے کسی قسم کا نفع نہ اُٹھایا جاتا نہ کسی پانی سے اُسے روکا جاتا اور نہ ہی کسی کھیت اور چراگاہ سے یہاں تک کہ وہ خود مرجاتی۔ اس کے ذبح کے بعد گوشت کھاتے۔ مرد اور عورت تمام شریک ہوتے۔

الوصیلہ: وہ بکری جو سات بچے جنے اس کا ساتواں بچہ اگر نر ہوتا تو اسے ذبح کرکے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے لیکن اُس کا گوشت صرف مرد کھاتے۔ عورتوں کا اس میں حصہ نہیں ہوتا تھا اگر ساتواں بچہ مادہ ہوتی تو پھر اُسے عام بکریوں میں چھوڑ دیتے۔ ان میں بتوں کا تعلق نہ ہوتا۔ اگر ساتوں دفعہ نر مادہ اکٹھے پیدا ہوتے تو کہتے بہن اپنے بھائی سے مل گئی تو اس کے بھائی (نر) کو ذبح نہ کرتے لیکن اسے سائبہ کی طرح کان چیر کر بتوں کے لئے چھوڑ دیتے یہاں فعیلہ (وصیلۃ) بمعنے فاعلہ (واصلہ) کے ہوگا۔

الحامی، وہ اونٹ جس کے پوتے پوتیاں ہوں بعض کہتے ہیں کہ حامی وہ ہے جس کے پوتے سواری کے لائق ہو جائیں پھر وہ کہتے قد حمی ظہرہ کہ بے شک اس کی پیٹھ گرم ہوگی) ایسے اونٹ کو بتوں کے لئے چھوڑ دیتے نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ ہی اسے پانی اور کھیت اور چراگاہ سے روکتے جب وہ مرجاتا تو اسے مرد اور عورتیں سب کھاتے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ اور میں انہیں تبدیل کرنے کا حکم دوں گا فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ پس وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ صورت اور صفت کو اصلی نہج سے بدل ڈالیں گے۔

زمانہ جاہلیت کی چند رسوم

انہیں اور بھی چند رسمیں تھیں۔

① حامی کی آنکھ نکال لینا۔ وہ اس طرح ہوتا کہ جس کے ایک ہزار اونٹ ہو جاتے تو اُن میں سے حامی کی ایک آنکھ نکال دیتے۔ حامی اُن کے نزدیک وہ اونٹ ہے جو سن میں سب سے بڑا ہوتا۔

② غلاموں کو خصی کر دینا

مسئلہ اس کے عموم سے تو پتہ چلتا ہے کہ کسی کو بھی خصی نہ کیا جائے انسان ہو یا حیوان۔ لیکن فقہا کرام نے بوجہ ضرورت حیوانات کا خصی کرنا جائز رکھا ہے لیکن بنو آدم میں مردوں کا خصی کرنا بہرحال ناجائز ہے۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خصی غلاموں کو خریدنا اور اُن سے خدمت لینا مکروہ ہے اس لئے کہ اُن کی خرید و فروخت کی ترویج میں انسان کے خصی کرنے کا رواج بڑھ جائے گا۔

حکایت نصاب الاحتساب میں ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عورتوں کے ہاں تشریف لے گئے۔ ایک ذکر کٹا ہوا خصی جوان بھی آپ کے ساتھ تھا تو ایک عورت اس سے نفرت اور کراہت کرنے لگی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بھی اب بمنزلہ عورتوں کے ہے پھر اس سے نفرت و کراہت کا کیا معنے۔ اب عورت نے جواباً کہا کہ اُس کا مثلہ یعنی مجبوب وغیرہ ہونا اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ فعل کو حلال نہیں کرتا اگرچہ عورت کے بمنزلہ سہی لیکن اُسے دیکھنا بھی تو حرام ہے۔ حضرت امیر معاویہ اس عورت کے فہم و ذکا اور اس کی فقاہت سے متعجب و متاثر ہوئے۔

③ لوشم، جسم کو پہلے سوئی سے چھیدا جائے۔ پھر اُس میں سُرمہ وغیرہ ڈالا جائے۔ پھر ان زخموں کو چربی کے دھوئیں سے درست کیا جائے یہاں تک کہ وہ زخم اچھا ہو جائے۔

فائدہ چربی کے دھوئیں سے زخم درست ہونے کے بعد وہ جگہ سبز ہو جاتی ہے۔

مسئلہ بعض شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان داغوں کو علاج سے درست کرایا جائے ورنہ اُن کو زخم کیا جائے

بشرطیکہ اس عضو کو کاٹنے سے شدید خطرہ نہ ہو۔

④ التنمص: چہرے کے بال اکھیڑنا۔ کہا جاتا ہے "تنمصت المرأۃ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب عورت اپنے چہرے اور ابرو کے بال اکھیڑ کر اپنی زینت کا اظہار کرے اور نامصہ اس عورت کو کہتے ہیں جو دوسری عورتوں کے نقوش بنا کر سنگارے المنمص اور المنماص اور المنقاش ایک شے ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نامصہ) نقش لگا کر سنگارنے والی اور (المتنمصہ) نقش لگوا کر آراستہ ہونے والی اور الواصلہ اور المستوصلہ اور الواشمہ اور المستوشمہ اور الواشرہ اور المستوشرہ پر لعنت فرمائی ہے۔

⑤ الوشر: عورتیں اپنے دانتوں کو کسی لوہے کی شے سے گھس کر باریک بنا دیتیں تاکہ انہیں نوجوان عورتوں سے مشابہت ہو۔

فائدہ الواصلہ: وہ عورت جو اپنے بالوں سے دوسری عورت کے بال ملا دے تاکہ لمبے بال نظر آئیں۔

فائدہ ابن الملک نے فرمایا کہ ایسی عورتیں دوسرے بالوں کو بطور دھوکہ مصنوعی بال اپنے بالوں کے ساتھ باندھتی ہیں اور مستوصلہ وہی ہے جو اس عمل کی طلب کرے۔

مسئلہ اس حکم میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

مسئلہ یہ حرمت انسان کے بالوں کے لئے ہے صرف اس کی کراہت کی وجہ سے۔ اس لئے کہ انسان کے ہر جزء سے فائدہ اٹھانا ممنوع ہے اگر انسان کے علاوہ کسی دوسری شے سے بال بڑھائے جائیں تو جائز ہے۔

مسئلہ عورتوں کو بکری وغیرہ کے بالوں کا موباف سر کے بالوں میں لٹکانا جائز ہے۔

مسئلہ یہ اس وقت ہے جب عورت شوہردار ہو ورنہ حرام ہے۔

مسئلہ شوہردار عورت یا لونڈی کو بھی اس وقت جائز ہے جب زوج اور مالک کی اجازت ہو ورنہ ناجائز ہے۔

مسئلہ چھوٹی بچیوں کو مصنوعی بال لگانے کا گناہ بڑی عورتوں کو ہوگا جو انہیں موباف باندھتی ہیں اس لئے کہ بڑی عورتیں احکام شرعیہ کی مکلف ہیں نہ کہ بچیاں۔

مسئلہ زیر ناف کے بال بھی اکھیڑنا حرام ہیں اس لئے کہ بغلوں کے بالوں کو اکھیڑنے اور زیر ناف کے بالوں کو مونڈنے کا حکم ہے۔

⑥ السحق یعنے عورتوں کا مردوں کے مشابہ ہونا کیونکہ یہ بھی چہرے کی تبدیلی ہے اور یہ تغیر خلق اللہ کے حکم میں ہے مرفوع حدیث میں ہے کہ عورتوں کا مردوں کے مشابہ ہونا ایک قسم کا زنا ہے۔

⑦ التخنث: مردوں کا عورتوں کے مشابہ ہونا مثلاً اعضا کو عورتوں کی طرح بنانا یا گفتگو کو عورتوں کے مطابق کرنا۔

لواطت حرام ہے اس لئے کہ جس مقام کو اللہ تعالیٰ نے فضلات کو دفع کرنے کے لئے مقرر کیا ہے اسے کھیتی (یعنی نسل) کے لئے نہیں بنایا ہے ۔

مسئلہ لڑکے حسین بے ریش کو (غلط نظر سے) دیکھنا حرام ہے اسی طرح اس کے ساتھ تنہا بیٹھنا بھی حرام ہے اس لئے کہ وہ چہرے سے لے کر قدموں تک عورتوں کے حکم میں ہے ۔

حدیث شریف عورت کے ساتھ صرف ایک شیطان ہوتا ہے لیکن بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ ۔

سورج چاند ستارہ ۔ پتھروں کی پرستش حرام ہے اس لئے کہ ان کی پرستش میں تغیر خلق کی صورت نہیں لیکن صفت ضرور ہے اس لئے کہ کسی ان اشیا کو بھی عبادت کے لئے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ یہ اشیاء تو اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ بندے اسے طریقہ سے فائدہ اٹھائیں جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہیں ۔

کفر اور نافرمانی ؛ انمیں اگرچہ تغیر خلق نہیں لیکن تغیر صفت ضرور ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ وہ ایمان و طاعات کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہوں ۔ جب بندوں نے کفر یا بے فرمانی کی تو تو گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ استعداد کو باطل کر دیا اور فطرہ الٰہی کی صفت کو بدلا ۔ اس تقریر کی تائید حدیث ذیل سے ہوتی ہے ۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا "ہر بچہ اپنی فطرت پہ پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ یہودی بنا دیں یا نصرانی یا مجوسی ۔

جن اعضا کو جس کام کے لئے بنایا گیا ہے انہیں دوسرے کام پہ لگانا بھی صفت کی تغیر ہے ۔

فائدہ یہ چاروں جملے لَاتَّخِذَنَّ اور لَاُضِلَّنَّهُمْ اور لَاُمَنِّيَنَّهُمْ اور لَاٰمُرَنَّهُمْ سب کے سب شیطان کے مقولے ہیں یہ اس نے زبان سے کہے ہوں گے یا زبان فعل سے یا حال سے ۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اور جو اللہ کے سوا شیطان کو دوست بناتا ہے) کہ شیطان اللہ تعالیٰ کے خلاف جس بات کی طرف اسے بلاتا ہے تو وہ اس کی بات مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طاعات سے روگردانی کرکے شیطان کی طاعات قبول کرتا ہے فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ بیشک وہ سخت گھاٹے میں پڑا کہ اس نے اپنے راس المال کو بالکل ضائع کر دیا اور بہشت میں جگہ لینے کی بجائے جہنم میں جگہ بنائی يَعِدُهُمْ (شیطان انہیں ایسی باتوں کے وعدے دیتا ہے جو اس کے پورے ہونے کے نہیں) ۔ مثلاً درازی عمر اور عافیت اور لذائذ دنیا ۔ جاہ و مال اور شہوات نفسانیہ کے غلط وعدے دیتا ہے ۔ وَيُمَنِّيْهِمْ (اور انہیں ایسی آرزوئیں سناتا ہے کہ جنہیں وہ حاصل نہیں کر سکتے) مثلاً کہتا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں اور نہ ہی کوئی حساب ہے اور نہ کوئی جزا و سزا ۔ یا یہ سمجھاتا ہے کہ آخرت کا ثواب عمل کے بغیر حاصل ہوگا ۔ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

اور انہیں شیطان دھوکہ دیتا ہے ۔

حل لغات غرور بمعنے ضرر والی شے کو فائدہ مند بنانا ۔

فائدہ شیطان کے وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے یا اپنے دوستوں کے ذریعے انہیں بہکاتا ہے غرورًا کا منصوب ہونا اس لئے ہے کہ یَعِدُهُم کا مفعول ثانی یا مفعول لہٗ ہے یعنے اس کا وعدہ صرف دھوکہ ہے ۔

شیطان کے دھوکہ دہی کے اسباب شیطان کے گمراہ کرنے کا سب سے بڑا دھوکہ دینا اور اس کے نقش و نگار کے اظہار سے ہوتا ہے اور انسان کے دل میں طرح طرح کی آرزوئیں ڈالتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ تمہیں بہت بڑی عمر نصیب ہوگی ۔ اور جتنے تیرے مقاصد ہیں وہ سب پورے ہوں گے اور تمہیں دشمنوں پر غلبہ ملے گا اور تمہیں فلاں فلاں مراتب حاصل ہوں گے جیسے فلاں فلاں کو نصیب ہوئے یہ سب اس کا دھوکہ اور فریب ہے اس لئے کہ بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انہیں اتنی عمر نہیں ملتی اگر ملے بھی تو اپنے مقاصد سے محروم رہتے ہیں ۔ اگر لمبی عمر پاکر اپنے مقاصد پر کامیاب بھی ہو تب بھی ایک دن ان سب کو چھوڑیگا پھر سوائے غم اور حسرت کے اور کیا حاصل ہوگا ۔ اس لئے کہ جتنا کسی سے محبت و رغبت زیادہ اتنا ہی اس کا چھوڑنا زیادہ غم و حسرت کا باعث ہوتا ہے سے

الفت مگیر ہمچوں الف ہیچ با کسے
تا بشنوی الم نشوی وقت انقطاع

ترجمہ ؛ الف کی طرح کسی سے الفت نہ کرتا کہ اس کی جدائی کے وقت غم میں مبتلا نہ ہو ۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو متنبہ فرمایا کہ شیطان کے وعدے صرف دھوکہ اور فریب و مکاری پر مبنی ہیں تاکہ انسان اعلیٰ مطالب اور اعلیٰ مراتب سے محروم ہو جائے ۔

سبق الہٰی سالک پر لازم ہے کہ وہ شیطان کے وسوسوں کی طرف دھیان نہ دے کتاب و سنت پر عمل کر کے رضائے الہٰی میں مصروف رہے تاکہ کتاب و سنت کی اتباع سے بہت بڑی کامیابی حاصل ہو ۔

(دانا را اشارہ کافی) ۔

اُولٰٓئِكَ یہ اشارہ شیطان کے یاروں کی طرف ہے مَاْوٰىهُمْ اُولٰٓئِكَ مبتدا اور ماواھم مبتدا ثانی ہے **جَهَنَّمُ** یہ دوسرے مبتدا کی خبر ہے اور یہ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر پہلے مبتدا کی خبر ہے یعنی اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے **وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا** اور جہنم سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے ۔

محیصا بمعنے مَعْدِلًا مہربا ہے ۔ حاص یحیص سے مشتق ہے ۔ بمعنے عدل اور عنہا فعل محذوف کے متعلق

ہے جو محیصًا سے حال ہے (ای کائنا عنہا) یجدُوْنَ کے متعلق نہیں اس لئے کہ یجدُوْن عن سے متعدی نہیں ہوتا اور نہ ہی محیصا کے متعلق ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ یا اسم مکان ہے اور اسم مکان عمل نہیں کرتا۔ یا مصدر ہے اور مصدر کا معمول مقدم نہیں ہوا کرتا۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت پیدا فرمائی اس کے لئے اہل پیدا فرمائے وہ سعادتمند لوگ ہیں اسی طرح دوزخ پیدا فرمائی اس کے لئے بھی اہل پیدا فرمائے وہ اہل شقاوت ہیں اور شیطان کو بہکانے اور گمراہی کی طرف بلانے والا بنایا لیکن جو شخص اضلال یعنی گمراہی پیدا کرنے والا شیطان کو مانتا ہے وہ بھی شیطان ہے (جیسے معتزلہ کا عقیدہ تھا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ یعنی گمراہی اور ہدایت کی تخلیق صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے نیز شیطان کا حصہ بھی آدم زادوں میں مقرر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ہم نے بہت انسان اور جن جہنم کے لئے پیدا فرمائے اور جہنم کا ایندھن یہی لوگ ہونگے جو شیطان کی تابعداری کرتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنی درگاہ سے دُور رکھا اس لئے کہ وہ انسان کی گمراہی کا سبب بنا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا" دنیا اور اُس کے اندر رہنے والے سب لعنتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور وہ اعمال جو اُس کے موافق ہیں اور دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں ملعون و مبغوض ہے اس لئے کہ وہ بھی انسان کی گمراہی کا سبب ہے۔ اسی طرح شیطان بھی۔ اور شیطان کے دام تزویر میں وہی پھنستا ہے جو گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کن اور ازل سے بدبخت اور منحوس ہوتا ہے اسی دنیا کی محبت سے ہی شرک پیدا ہوتا ہے اور وہ بھی مشیت الٰہی پر موقوف ہے لیکن یہ بھی لازمًا نصیب ہوا جسے نصیب ہوا اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہشت کے لئے پیدا فرمایا تو انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے پیدا کرنے سے بھی پہلے بخش دیا اور جسے بخشش الٰہی نصیب ہوئی ہے وہ شرک کے قریب نہیں بھٹکتا۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ نازل ہوئی تو ابلیس نے انگڑائی لی اور عرض کیا اے اللہ العٰلمین میں بھی اشیا میں سے ایک شے ہوں لہذا مجھے بھی رحمت نصیب ہو پھر جب فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ نازل ہوئی تو شیطان نا امید ہوگیا۔ لیکن یہود و نصاریٰ پُر امید تھے۔ اس لئے کہ وہ بھی اتقا اور ایتائے زکوٰۃ کے مدعی تھے پھر جب اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ نازل ہوئی تو یہود و نصاریٰ بھی نا امید ہو گئے پھر اس کے لئے صرف اہل ایمان مستحق رہے اور یہ بھی صرف رحمت الٰہی کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہشت میں داخل ہوں گے اور وہی ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں رہیں گے اور شیطان اور اس کے ساتھی انسان

ہوں یا جن سب کے سب اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں سزا پائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا یَجِدُوْنَ مِنْهَا مَحِیْصًا ۰ اس لئے کہ وہ اسی لئے پیدا ہوئے اور اسی میں داخل رہیں گے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

پیر ماگفت خطا بر قلم صنع نرفت

آفریں بر نظر پاک پوشش باد

ترجمہ: ہمارے مرشد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کام میں خطا نہیں نظر پاک کو آفرین خدا کرے اسے ستاری نصیب ہو۔

سبق اس مسئلہ کو پورے طور سمجھو کامیاب ہوگے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ جو مؤمن اور نیک عمل کرتے ہیں۔ عمل صالح سے خلوص فی العمل مراد ہے اور خلوص کا معنیٰ یہی ہے کہ اس سے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ اور اس سے جمیع انواع مراد ہیں نماز ہو یا زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ہم انہیں عنقریب باغات میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور وہ چار ہیں۔

① پانی
② دودھ
③ خمر
④ شہد

خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا وہ بہشت میں ہمیشہ مقیم ہوں گے ابدًا کا منصوب ہونا بہ بنائے ظرفیت ہے اور مستقبل کے استغراق کے لئے آتا ہے۔

نکتہ ایمان کے ساتھ عمل کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ہونا بھی ضروری ہے اس سے ان لوگوں کا رد ہوا جو کہتے ہیں ایمان کے بعد عمل صالح کچھ ضروری نہیں اور نہ ہی معصیت سے ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے جیسے کفر میں طاعت کا کوئی فائدہ نہیں یہ غلط خیال ہے بلکہ جزا و ثواب ان دونوں پر مرتب ہوتے ہیں۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اللہ تعالیٰ نے حق کا وعدہ فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو ان سے وعدہ کیا ہے وہ حق ہے وعد اللہ میں مفعول مطلق اور حقًّا سے قبل فعل حق (ماضی) محذوف ہے پہلا محذوف یعنی وعدًا موکد لنفسہٖ ہے۔ اس لئے کہ وہ ماقبل کے نفس کی تاکید کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ اس فعل کو کہتے ہیں جس کے وقوع سے پہلے منفعت کی خبر دی جائے اور حقًّا موکد لغیرہٖ ہے اس لئے کہ اس کا ماقبل جملہ خبریہ ہے اور وہ صدق

وکذب دونوں کا احتمال رکھتا ہے پھر شفا نے اُس کی صدق کی تصدیق کی تاکید کردی اس بنا پر یہ مؤکد لغیرہ ہوا۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ اور اللہ تعالیٰ سے اور کون زیادہ سچا ہوسکتا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی وعدہ اور قول کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے زائد اور کوئی زیادہ سچا نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں سچائی اور ہر وعدہ میں صدق و یقین ہے اور شیطان کے ہر وعدہ میں جھوٹ اور ہر بات میں دھوکہ دفریب اور صرف خیالی باتیں ہیں کہ جن کا حصول ممتنع ہے اور قیلاً کا منصوب ہونا بوجہ تمیز کے ہے۔ "القیل والقال" قول کی طرح مصدر ہیں۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ یہ امنیہ کی جمع ہے فارسی میں بمعنے آرزو کردن (آرزو کرنا) ہے۔ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ یعنی ان باتوں کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ نہ تمہاری آرزو کرنے سے حاصل ہوں گی اور نہ ہی اہل کتاب کی آرزو سے بلکہ وہ تو صرف ایمان و عمل صالح سے نصیب ہوتی ہے اہل اسلام کی آرزو یہ ہے کہ ان کے جملہ صغائر وکبائر بخش دیئے جائیں گے اور اہل کتاب کی آرزو یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں جہنم میں داخل کرے گا، ہاں چند گنتی کے دن چنانچہ ان کا قول قرآن مجید میں کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محب ہیں تو پھر ہمارے لئے عذاب کیسا۔

فائدہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایمان صرف خیالی باتوں کا نام نہیں بلکہ ایمان اس کا نام ہے کہ اس کے اثرات دل پر ہوں۔ اس کی علامت ہے عمل صالح۔ ورنہ بہت سے لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں کہ ہم مرنے کے بعد بخشے جائیں گے عمل صالح کی ضرورت نہیں۔ اس لئے وہ جب مرتے ہیں تو عمل صالح سے خالی ہوتے ہیں صرف اسی بھروسہ پر کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں یہ ان کا جھوٹا خیال ہے اس لئے کہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید تھی تو عمل صالح کے لئے جدوجہد کرتے۔

فائدہ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ رحمت حق پر امید کی سچی علامت یہ ہے کہ اس اُمید کے ساتھ عمل صالح بھی ہوں ورنہ خیالی باتیں ہیں اور خیالی باتوں کا علاج موت ہے۔ اس لئے کہ موت زندگی کے تمام فوائد کا منقطع کردیتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) قیامت کہ بازار مینو نہند
منازل باعمال نیکو نہند

(۲) بضاعت بچندانکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری

(۳) کسے را حسن عمل بیشتر
بدرگاہ حق منزلت پیشتر

ترجمہ (۱) قیامت میں بہترین بازار ہوگا مراتب کا حصول نیکیوں سے ہوگا
(۲) جتنا سامان لائے گا اتنا مرتبہ پائے گا اگر تو نیکیوں سے مفلس ہے تو تو شرمسار ہوگا
(۳) جسکی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہی اللہ کے ہاں بلند مرتبہ حاصل کرے گا۔

چنانچہ اس مضمون کو ذیل کے مضمون سے مؤکد فرمایا کہ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا جو بُرا عمل کرتا ہے یُّجْزَ بِهٖ اُس کی اسے سزا ملے گی زود تر یا بدیر۔

حدیث شریف جب آیت نازل ہوئی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ اس حکم پر کسے نجات نصیب ہو سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کیا تم غم میں مبتلا نہیں ہو جاتے کیا تمہیں بیماری لاحق نہیں ہوتی کیا تم مصائب کا شکار نہیں ہوتے۔ عرض کی کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہی ہے یعنی یہ تکالیف انہی برائیوں کی سزا ہوتی ہے (یا بلندی مراتب کے لئے)۔

حدیث شریف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی یعنی مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ تو ہم سب غمگین ہو گئے بلکہ ہم آہ و فغاں کرتے ہوئے حضور علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اس آیت نے تو ہمیں کہیں کام کا نہ رکھا۔ آپ نے فرمایا حکم تو ایسے ہی ہے لیکن تم بھی صحیح رہو اور نیکی میں لگے رہو اور سیدھے راہ چلتے رہو اور حد سے نہ بڑھو۔ جتنا ہو سکے اپنے نفسوں سے نیکی کراؤ۔ یہ تمہیں کہیں ملال ہی نہ ہے جائے کہ جس سے تم نیکی چھوڑ دو۔ (المقاصد الحسنہ)۔

وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا۝ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو نہ مددگار پائے گا نہ حمایتی۔ یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی اور مدد سے نکل گیا پھر کون ہے جو اس کی مدد اور حمایت کرے کہ کسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکے۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ اور وہ جو عمل صالح کرتا ہے۔ اس میں تبعیضیہ ہے یعنی نیکیوں میں سے کوئی نیکی۔ اس لئے کہ تمام نیکیوں کو کون پورا کر سکتا ہے اور نہ ہی ہم تمام نیکیوں پر عمل کرنے کے مکلف ہیں علاوہ ازیں وہ مکلف ہونے کے باوجود بعض نیکیوں کو عمل میں لا سکتا ہے مثلاً بہت سے عاقل بالغ مکلف ہیں لیکن ان پر حج فرض نہیں۔ بہتوں پر جہاد فرض نہیں اسی طرح اکثر پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بہت سے ایسے مواقع ہوتے ہیں کہ نماز فرض نہیں ہوتی مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وہ مرد ہو یا عورت۔ یہ یعمل کی ضمیر سے محلاً حال ہے اور من بیانیہ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور وہ مؤمن ہو یعنی ثواب مذکور کے حصول کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل کرنے والا مؤمن بھی ہو اس لئے کہ ایمان کے بغیر عمل صالح بے کار ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ پس وہی مؤمن نیک عمل کرنے والے یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا۝ بہشت میں داخل ہوں گے اُن پر گٹھلی کے چھلکے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا یعنی جس ثواب کے وہ مستحق ہیں ان کی جزا سے چھلکے برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

حل لغات النقیر بمعنے النقرہ وہ چھلکا جو کھجور کی گٹھلی کے اُوپر ہوتا ہے کہ اس سے ہی کھجور کا تمام گنا شروع ہوتا ہے یہاں پر مطلق حقیر اور لا شئے مراد ہے ۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ وہ مالک کریم ہے کہ جب وہ عمل کرنے والے کی جزائیں کمی نہیں کرے گا تو وہ بے فرمان کی سزائیں کیسے اضافہ کرے گا۔ اس لئے کہ جزا دینے والا ارحم الرحمین ہے ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نیکی پر دس گنا زائد ثواب دینے کا وعدہ ہے اور بُرائی میں صرف ایک پر ایک سزا اگر کسی کو کسی بُرائی کی سزا ملے گی بھی تو اُس کی دس نیکیوں میں سے صرف ایک نیکی کم ہوگی ۔ باقی نو حصے تو اُسے نصیب ہوں گے لیکن افسوس ہے اس پر کہ اس کی ایک بُرائی دس نیکیوں پر غلبہ پا گئی یعنی وہ زندگی بھر سراسر برائیوں میں مبتلا رہا ۔

نکتہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ بندے کی نیکیوں میں اضافہ اس لئے ہوگا کہ قیامت میں اُس کے حقدار اس سے تمام نیکیاں نہ لے گئے اگر اس سے کوئی کچھ حق چاہے گا تو انہی زائد نیکیوں میں سے ادا کیا جائے گا۔ اگر اس کے مستحقین زائد نیکیاں لے بھی گئے" اصل نیکی تو اُس کے پاس رہے گی اس لئے اضافہ صالحہ میں اضافہ کرنا فضل محض اور بُرائی کی ایک سزا اس کا عدل ہے ۔

نکتہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب البعث میں فرمایا کہ یہ اضافہ اُس کا اپنا فضل ہے اس سے بندے کے حقداروں کو حصہ نہ ملے گا کیونکہ اس سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ۔ پھر جب بندہ بہشت میں داخل ہوگا تو اسے یہی اضافہ عطا فرمائے گا ۔ شیخ سعدی نے فرمایا ؎

(۱) نکو کاری از مردم نیک رائے
یکے را بدہ می نویسد خدائے

(۲) جوانا رہ طاعت امروز گیر
کہ فردا جوانی نیاید ز پیر

(۳) رہ خیر باز ست وطاعت ولیک
نہ ہر کس توانا بر فعل نیک

(۴) ہمہ برگ بودن ہمی ساختی
بتدبیر رفتن نپرداختی

ترجمہ: (۱) نیک رائے لوگوں سے نیکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بجائے دس لکھتا ہے ۔
(۲) اے جوان طاعت کے راستہ پر چل چند روز بڑھاپے میں جوانی واپس نہیں آئے گی ۔

(۳) نیکی کا راستہ کھلا ہے لیکن ہر کس اس کی طاقت نہیں رکھتا۔
(۴) دنیا کے جملہ سامان اکٹھے کئے ہیں لیکن قبر و آخرت کو جانے کی تو نے کوئی تدبیر نہیں کی۔

سبق چونکہ جمیع اعمال صالحہ نور ایمان کے اضافہ کا سبب ہیں اسی لئے سالک پر لازم ہے کہ طاعات و حسنات پر مداومت کرے۔ اس سے معارف الٰہیہ کا دروازہ کھلتا ہے اور معرفت الٰہی تمام اعمال سے افضل ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا العلم باللہ یعنی معرفت الٰہی۔ عرض کی گئی کہ ہم آپ سے اعمال کے متعلق پوچھتے ہیں آپ علم کا جواب دیتے ہیں آپ نے فرمایا عمل اگرچہ تھوڑا ہوا ور علم کے ذریعے ہو تو فائدہ پہنچاتا ہے اور عمل کتنا ہی زیادہ ہو لیکن لاعلمی میں سے ہو تو وہ اتنا چنداں مفید نہیں۔

نکتہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تصفیہ باطن دانواع الاذکار سے مع صیقل توحید سے حاصل ہوتا ہے اور اسے صرف علماء یعنی عارف باللہ ہی جانتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ یہ خطاب ان عوام کو ہے جو گناہ کرکے توبہ نہیں کرتے پھر انہیں طمع ہوتا ہے کہ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے چنانچہ اس کا وعدہ ہے وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحًا ردلا امانی اھل الکتاب (بے شک تائب دمومن اور عمل صالح والوں کے لئے میں غفار ہوں)۔ یہاں پر اہل کتاب سے وہ ملا سو مراد ہیں جو عوام کو غلط امیدیں دلا کر دھوکہ دیتے ہیں اور ان کی سچی طلب اور جدوجہد میں ڈاکہ ڈالتے ہیں وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ اور جو برائی کرتا ہے تو وہ اس کی سزا پائے گا۔ یعنی اس کے گناہ کرنے کے بعد اس کے دل کے شیشہ کو زنگ آلود کیا جائے گا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ رکھ دیا جاتا ہے اگر توبہ کرے اور اس غلطی کا پورے طور ازالہ کرے تو دل کی سیاہی اترتی ہے وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا پھر وہ اپنے لئے ایسا حامی و مددگار نہیں پائے گا جو انہیں گناہوں کی ظلمات سے نکال کر توبہ کی ترغیب اور نور طاعات سے آراستہ و پیراستہ کرے۔ وَلَا نَصِيرًا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی کوئی مدد کرے گا۔ کہ نفس امارہ پر اسے فتحیاب کرکے اس کے صفات مذمومہ دور پھینک دے۔ اسی طرح شیطان پر غلبہ دے کہ اس کے شرار و مکر و فریب سے بچائے وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ اور خالص نیکیوں کا عمل کرتا ہے مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ذکر سے قلب اور انثیٰ سے نفس مراد ہے اور وہ اعمال میں مخلص ہو فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ پس وہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ انسان کے قلب پر جو واجب ہے جب وہ عمل کرتا ہے یعنی توجہ الی العالم العلوی اور اعراض عن العالم السفلی اور سوائے حق کے باقی سب سے آنکھ بند رکھتا ہے تو اسے اس عمل میں بہشت میں داخل ہونے کا حق ہوگا

یہاں جنت سے قربت و وصال حق مُراد ہے اسی طرح نفس جب وہ عمل کرتا ہے تو اُس پر واجب ہے یعنی خواہشات سے رُک جانا اور حظوظ نفس کو چھوڑ دینا۔ عبودیت کے حقوقِ الٰہی بجالانا اگر ان اعمال پر نفس کو اطمینان نصیب ہو تو وہ رجوع الی اللہ کا حقدار ہو جائے گا اور عالم ارواح کی جنت میں داخلے کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارجعی اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فتیلا اور جس قدر اعمال صالحہ کی ان کے لئے مقدر ہے اُن سے اُن کے لئے کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اُن کے درجات وقربات میں نقص ہوگا۔

فائدہ ایک وہ ہوتا ہے جو خدمت کا نام نہیں لیتا لیکن مالک کی تمام نعمتوں کا حقدار جتلاتا ہے ایک وہ ہے جو مالک کی خدمت کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے لیکن حصول نعمت کا نام تک نہیں لیتا۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس لئے کہ پہلا حد سے نچلے درجہ کا گھٹیا آدمی ہے اور دوسرا بہت بڑے اعلیٰ مراتب کا مالک ہے۔ (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ یہ استفہام انکاری ہے اَحْسَنَ دِیْنًا۔ دین وملّت بالذات متحد اور بالاعتبار مختلف ہیں اس لئے کہ شریعت اس حیثیت سے کہ اُس کے لئے اطاعت کی جاتی ہے تو وہ دین ہے اور اس حیثیت سے کہ اسے لکھا جاتا ہے تو وہ ملّت ہے" املال بمعنے املاً یعنی لکھنا۔ یعنی ملت کے لحاظ سے اس سے (اور کون زیادہ اچھا ہے) مِمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے سرِ تسلیم خم کیا یعنی اپنی ذات اور نفس کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جھکایا اور خالص اسی کی طرف سپرد کر دیا یعنی اس میں کسی غیر کا حق نہ سمجھا نہ خالقیت ومالکیت میں اور نہ ہی عبودیت و تعظیم میں دِیْنًا مبتدا سے منقول ہو کر احسن سے تمیز ہے اصل عبارت یوں تھی ومن دینہ احسن من دین من اسلم الخ اس سے ثابت ہوا کہ اظہار فضیلت دینوں کے لئے ہے نہ کہ صاحب دین کے لئے وَهُوَ مُحْسِنٌ یہ جملہ اسلم کے فاعل سے حال ہے یعنی اس کا حال یہ ہے کہ وہ نیکی کرتا اور برائیوں سے بچتا ہے۔

فائدہ احسان کی تفسیر حضور علیہ السلام نے یوں فرمائی ہے کہ نعبد اللہ کانّ تراہ (اس کی یوں عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو)۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

فائدہ احسان ایمان کی حقیقت کا نام ہے

عقیدہ اسلام دو چیزوں کا نام ہے۔

① اعتقاد

② عمل صالح

پہلے کو اَسْلَمَ وجہہ للّٰہ میں بیان کیا گیا دوسرے کو وَهُوَ مُحْسِنٌ میں یعنے وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام (جو

اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوئے نہایت عزت و احترام اور خشوع و خضوع سے بجالائے۔

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی تابعداری کرتا ہے جو اُن کے دین کی موافقت کرتا ہے چونکہ ان کی ملت اور دین پر تمام دین کی موافقت کرتا ہے چونکہ ان کی ملت اور دین پر تمام دینوں کے لوگ متفق ہیں بخلاف ملت موسیٰ و ملت عیسیٰ وغیرہ کہ ان کے دینوں میں اختلاف کیا گیا ہے اس لئے ابراہیم علیہ السلام کے دین کو خصوصیت سے بیان کیا گیا۔ حَنِيۡفًا ؕ اتبع کے فاعل سے حال ہے یعنی تابعداری کرے درانحالیکہ وہ کھوٹے دینوں سے منہ پھیرلے۔ اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کی اتباع کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا ۝ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنایا یعنی انہیں چن لیا اور انہیں اپنے لئے مخصوص فرمالیا۔ یہاں پر ان دو دوستوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ انہیں صرف آپس میں ہی پیار ہو۔ کسی غیر کو دخل نہ ہو۔

حل لغات الخلة الخلال سے ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسی دوستی ہوتی ہے کہ نفس اُس کے ساتھ گھل مل جاتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ گویا یہاں ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ابراہیم علیہ السلام کو اپنی دوستی کے لئے کیوں مخصوص فرمایا حالانکہ اس کے عالم ملک و ملکوت میں بہت معزز و مکرم بندے اور بھی ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں تمام موجودات تخلیقاً و تملیکاً اسی کے ہیں اُن میں سے جسے چاہے چن لے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطًا ۝ علم و قدرت آسمان و زمین کی تمام اشیاء کو محیط ہے۔ خواہ وہ اشیاء ان میں داخل ہیں یا اُن سے خارج یا اُن کے مغایر اس لئے کہ بعض ایسے امور بھی ہیں جو چودہ طبقات سے خارج ہیں۔ جن کا انتہا خدا جانتا ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت محیط ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک دوست مصر میں رہتا تھا۔ آپ نے اس کے ہاں پیغام بھیجا کہ ہمیں آٹے کی بوریاں بھیجئے۔ جب آپ کے دوست کو پیغام پہنچا تو کہا ابراہیم علیہ السلام اپنے لئے مانگتے تو میں ضرور بھیجتا لیکن چونکہ انہوں نے مہمانوں کے لئے مانگا ہے اس لئے مجبوری ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے پیغام رساں نے خفت سمجھی کہ خالی ہاتھ واپس لوٹے اس لئے اُس نے بوریاں ریت سے بھریں واپس ہو کر تمام ماجرا سنایا۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سخت مغموم ہو کر سو گئے ادھر بی بی سارہ نے بوریوں کو دیکھا کہ آٹا سے بھری پڑی ہیں۔ اُٹھا کر روٹی پکانا شروع کر دی۔ ابراہیم علیہ السلام اُٹھے تو روٹی کی خوشبو سونگی۔ حیران ہو کر گھر گئے۔ پوچھا تو بی بی سارہ نے عرض کی یہ آپ کے مصری دوست کا بھیجا ہوا آٹا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میرے دوست اللہ مالک کا بھیجا ہوا ہے۔ اس دن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام خلیل اللہ رکھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کثرت مال اور کثرت خدام کو دیکھ کر ملائکہ نے تعجب کیا اس لئے کہ صرف آپکے بکریوں کے پانچ ہزار ریوڑ تھے اور اُن کی نگرانی کے لئے جو کتے مقرر تھے اُن کے گلے میں سونے کے طوق ڈال رکھے تھے۔ ایک دن ایک فرشتہ نے بشری لباس پہن کر جنگل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بکریاں دیکھ کر سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ میرے آقا کا نام دوبارہ پڑھو تو آدھا مال تمہارا۔ اس فرشتے نے دوبارہ وہی تسبیح پڑھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرے آقا کا نام ایک بار پھر پڑھو تو یہ تمام مال میں تمہیں دے دوں گا۔ اس پر ملائکہ اور متعجب ہوئے اور کہا یہی بندۂ خدا خلیل الہٰی ہو تو بہت موزوں ہے اسی لئے اس پر اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کی زبان پر آپ کا نام خلیل اللہ جاری کرایا اور اس روز کے بعد آپ کا نام خلیل اللہ ہوا۔

فائدہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ نبی کی خلۃ کا درجہ نبوت سے اونچا ہوتا ہے اس لئے کہ نبوت میں پھر بھی عداوت کا تصور مذکور ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ۔ بے شک تمہاری بعض ازواج واولاد دشمن ہے ۔ لیکن خلۃ میں عداوت کا تصور پیدا نہیں ہو سکتا۔

فائدہ نیز خلۃ کے شرائط میں سے ہے کہ بندہ اپنے تمام احوال اللہ تعالیٰ کو سپرد کر دے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شئے اللہ کے نام پر قربان کر دے یہاں تک کہ مال جسم وجان بلکہ آل واولاد (سب اسی کے لئے) یہ تمام امور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں بطریق اتم واکمل موجود تھے ۔ ؎

① جانکہ نہ قربانی جاناں بود
جیفۂ تن بہتر ازاں جاں بود

② ہر کہ نہ شد کشتۂ بشمشیر دوست
لاشۂ مُردار بہ زجان اوست

ترجمہ: ① جس جان میں محبوب پر قربانی کا مادہ نہ ہو اس سے مردار بہتر ہے ۔
② جو بھی محبوب کی شمشیر کا کشتہ نہیں اس جان سے مردار بہتر ہے ۔

حکایت عشق مجنون عشق میں شرط ہے کہ عاشق عشق میں فانی ہو کر معشوق میں محو ہو جائے یہاں تک کہ محبوب کے ساتھ باقی کچھ نہ رہے۔ یہ مقام صرف ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب ہوا۔

حکایت حضرت مجنوں مرحوم سے پوچھا گیا آپ کا نام کیا ہے فرمایا میرا نام لیلیٰ ہے ۔

حبیب وخلیل میں صوفیانہ فرق صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے شیخ (جو میرے لئے بمنزلہ جان کے ہیں) قدس سرہٗ نے کتاب اللائحات البرقیات" میں فرمایا خلت ومحبت

الٰہیہ احدیہ نے تجلی ڈالی۔ اس کی حقیقت تو تجلّی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پڑی اور اس کی صورت حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور دوسروں پر ان کی استعداد کے مطابق خصوصی جزئیات کی تجلی پڑتی۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ مقام خلت و محبت میں بمرتبہ احدیہ ذاتیہ کے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام بمنزلہ الواحدیہ الصفاتیہ کے ہیں اُن کے ماسوا باقی حضرات بمنزلہ الواحدیہ الافعالیہ کے ہیں۔ انہی مقامات ومراتب کی طرف بسم اللہ شریف میں اس ترتیب کے ساتھ اشارہ ہے۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بالفعل خلیل اللہ و حبیب اللہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بالفعل خلیل الرحمٰن و حبیب الرحمٰن ہیں اور دوسرے حضرات انبیا کرام علیہ السلام بالفعل خلیل الرحیم اور حبیب الرحیم ہیں۔ شیخ کا کلام یہاں ختم ہوا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا میرے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح مجھے اپنا خلیل بنایا۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا بھیدی بناتا۔ لیکن میرے ان اسرار کو میرے رب تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

نکتہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصیت اس لئے تھی کہ وہی حضور علیہ السلام کے خصوصی رازدان تھے۔

فضیلت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمہارے اوپر فضیلت روزے اور نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ اس راز الٰہی کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے قلب اطہر پر وارد فرمائے۔

نکتہ آپ کے اس ارشاد سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف اللہ تعالیٰ سے واصل ہیں۔ باقی کسی سے آپ کا تعلق نہیں لیکن کل کائنات آپ سے وابستہ ہے اور آپ کل کائنات سے علیحدہ اور صرف اپنے خالق سے وابستہ ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کی شفاعت سے سرفرازی بخش۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ آپ کی نعت شریف میں لکھتے ہیں ؎

① شبے برنشست از افلاک درگذشت
بتمکین جاہ از ملک درگذشت

② چناں گرم در تیہہ قربت براند
کہ در سدرہ جبریل از وباز ماند

ترجمہ: ① ایک رات میں آسمان سے گذر گئے جاہ تمکیں سے ملک سے گذر رے۔
② قربت کے جنگل ایسے سرگرم تھے کہ جبریل علیہ السلام سدرہ پر رہ گئے۔

اسمیں اشارہ ہے کہ آپ علویات و سفلیات کی قیود سے گذر کر واصل بحضرت الذات تھے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ
فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ○ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا
اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ
وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ○ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا
كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
وَاسِعًا حَكِيْمًا ○ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا
فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ○
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ اِنْ يَّشَاْ يُذْ
هِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ○
مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ع

ترجمہ: اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر
قرآن پڑھا جاتا ہے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں کہ تم انہیں نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور انہیں نکاح میں بھی لانے
سے منہ پھیرتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی کرو
تو اللہ کو اس کی خبر ہے اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس میں
صلح کرلیں اور صلح خوب ہے اور دل لالچ کے پھندے میں ہیں اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے

کاموں کی خبر ہے اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو اور چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو آدھر میں لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ عورتوں جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی کشایش سے تم میں ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ کشایش والا حکمت والا ہے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک تاکید فرما دی ہے ہم نے ان سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم کو اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ زمین میں اور اللہ بے نیاز سب خوبیوں سراہا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز ہے اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے اور اللہ کو اس کی قدرت ہے جو دنیا کا انعام چاہے تو اللہ ہی کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا انعام ہے اللہ سنتا دیکھتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَيَسْتَفْتُونَكَ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں ۔

حل لغات فتویٰ ۔ فتیٰ سے مشتق ہے فتی بمعنیٰ طاقتور نوجوان ۔ چونکہ وہ ایک حادثہ یعنی جدید حکم کے جواب میں یا کسی جواب کے لئے جدید حکم پیدا کرنے کی وجہ سے یا اس مشکل سوال کے بیان کی تقویت کے لئے واقع ہوتا ہے اسی لئے اسے فتویٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

فِي النِّسَآءِ عورتوں کی وراثت کے بارے میں ۔

شان نزول عینیہ بن حصین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ ہر میت کی لڑکی اور اُس کی بہن کو وراثت کا حصّہ دلواتے ہیں ۔ حالانکہ ہم وراثت کا حقدار صرف اسے سمجھتے ہیں جو جنگ میں شریک ہو اور مالِ غنیمت حاصل کرے آپ نے فرمایا ہم نے بھی یہی حکم دیا اور وراثت کا حقدار عورتوں کو بھی سمجھتے ہیں ۔

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ اللہ تعالیٰ تمہیں عورتوں کے متعلق حکم دیتا ہے ۔

اَلْاِفْتَاء بمعنے مبہم اور مشکل لفظ کی وضاحت کرنا ۔ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ اور وہ جو تمہارے لئے تلاوت کیا جاتا ہے اس کا اسم اللہ پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کا کلام تمہیں حکم دیتا ہے اس معنے پر افتاء کا اسناد اللہ تعالیٰ اور اُس کے کلام کی طرف ہوگا اور قرآن کے حکم دینے کا اشارہ اس آیت يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ کی طرف ہے جو اسی سُورۃ کے اوّل میں ہے

سوال یہاں فعل کے دو فاعل دکھائے گئے ہیں یہ تو عقلاً بھی غلط ہے کہ ایک فعل کے دو فاعل ہوں ؟

جواب جب دو فاعلوں کے دو اعتبار ہوں تو ایک فعل کا اسناد ان دونوں کی طرف جائز ہے ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے

اَغْنَا فِی زَیدٍ وعطاءٍ یہاں اغنا کا اسناد زید اور اُس کی عطا کی طرف دو اعتباروں سے ہوا ہے اگرچہ ان کے بظاہر لیکن حقیقۃً دونوں ایک ہیں ۔ یعنی حقیقی طور آمر تو اللہ تعالیٰ ہے پھر اس کی کسی صفت کا عطف ڈالا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ فعل اس فاعل سے اس بنا پر قائم ہے کہ وہ فاعل اس حال سے بھی موصوف ہے ۔

فِی یَتٰمَی النِّسَآءِ یہ فی کتاب اللہ کی طرح یُتْلٰی عَلَیْکُمْ کے متعلق ہے اور اس کی اضافت بیانیہ ہے اس لئے کہ مضاف و مضاف الیہ ہمجنس ہیں اَلّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ یعنی وہ یتیم عورتیں کہ جنہیں تم حقوق فرض کردہ مثلاً میراث وغیرہ نہیں ادا کرنے کے بارے میں وَتَرْغَبُوْنَ ۔ اس کا عطف لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ پر ہے جملہ مثبتہ کا عطف جملہ مثبتہ پر ہے اور یہ جائز ہے اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ اور تم اُن کے نکاح کی رغبت رکھتے ہو ۔ اُن کے حسن و جمال اور کثرتِ مال کی وجہ سے اور اُن کے نکاح سے بے رغبتی بھی کرتے ہو ۔ اُن کے قبح اور قلتِ مال کی وجہ سے اس لئے کہ اگر وہ یتیم لڑکی حسینہ اور ذی جائیداد ہوتی تو وہ اُس کے نکاح کے لئے لڑمرتے اگر وہ قبیحہ اور مفلس ہوتی تو بے رغبتی کرتے اور قرآن میں اُن کے لئے حکم یوں بیان کیا گیا ہے کہ وَ آتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَهُمْ اور فرمایا وَلَا تَاْکُلُوْهَا اور دیگر وہ نصوص جن میں یتامیٰ کے اموال سے بچنے کا حکم ہے ۔

وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ اور کمزور بچوں کے بارے میں حکم دیتا ہے اس کا عطف یتامی النسآء پر ہے ۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ چھوٹے بچوں کو وراثت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ وراثت کے حقدار صرف وہ مرد ہیں جو کاروبار کرتے اور عورتوں اور بچوں کی ضروریات کے کفیل ہوتے ہیں ۔

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی اور حکم دیتا ہے یتامیٰ کے اموال اور اُن کے بارے میں بِالْقِسْطِ عدل و انصاف اس کا عطف بھی یتامی النسآء پر ہے اور اُن کا حکم قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ اور لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰی اَمْوَالِکُمْ وغیرہ وغیرہ وَمَا یہ ما شرطیہ ہے تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ اور جو بھی تم نیک کام کرتے ہو خواہ مذکورہ امور ہوں یا اُن کے علاوہ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِهٖ عَلِیْمًا ہ بے شک اللہ تعالیٰ ان سب کو خوب جانتا ہے اسی لئے تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا عنایت فرمائے گا ۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے غیر کا مال نہ کھائے بلکہ حتی المقدور دوسروں پر اپنا مال خرچ کرے یتیموں مسکینوں کی خبر گیری کرے ۔

روحانی نسخے حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو تین چیزوں کا تین چیزوں کے بغیر دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے ۔

① بہشت کی محبت کا دعویٰ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ نہ کرے ۔

② جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مدعی ہو کر اللہ تعالیٰ کے منع کردہ امور سے نہیں بچتا ۔

(۳) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کا دم بھرتا ہے لیکن فقرا اور مساکین سے اسے کوئی پیار نہیں۔

فائدہ وَمَا تَفْعَلُوْا میں نیکی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

حکایت ایک عورت سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دوکان پر کپڑا خریدنے کے لئے آئی آپ اسے ایک بہترین کپڑا دکھایا جس کی قیمت چار سو درہم تھی۔ اس عورت نے کہا کہ میں ایک کمزور عورت ہوں اور میں اپنی لڑکی کا بیاہ کرنا چاہتی ہوں میرے پاس اتنا فرصت نہیں کہ اتنی قیمت ادا کر سکوں۔ براہِ کرم آپ مجھے یہ کپڑا اصلی قیمت پہ عنایت فرما دیجئے آپ نے فرمایا اس کے لئے چار درہم دیدیں۔ عورت نے کہا میرے ساتھ آپ ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہنسی مذاق سے بچائے میں نے تجھے سچ کہا ہے وہ اس لئے کہ میں نے دو کپڑے خریدے تھے ایک کو میں نے ایسی قیمت میں بیچا ہے کہ جس کی دونوں کپڑوں کی اصل قیمت مجھے مل گئی ہے صرف چار درہم کم ہوئے ہیں وہ اسی پر لگا کر تجھے بتایا ہے فلہٰذا وہی چار درہم دیدے وہ عورت کپڑا لے کر آپ کو دعائیں دیتی چلی گئی حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے کہا۔

(۱) بگیر اے جوان دست درویش پیر
نہ خود را بیفگن کہ دستم بگیر

(۲) کسے نیک بودے بہر دو سرا
کہ نیکی رساند بخلقِ خدا

ترجمہ: (۱) اے جوان بوڑھے درویش کی مدد کر نہ یہ کہ خود کو گرا کر دوسروں کو کہو کہ میری مدد کرو۔
(۲) دونوں جہانوں میں وہ شخص نیک بخت ہے جو خلقِ خدا کو نفع پہنچاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ نفس بمنزلہ زوجہ کے ہے اور رُوح بمنزلہ شوہر کے پھر جیسے مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں ایسے ہی روح پر نفس کے حقوق ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ رات کے قیام اور دن کے روزوں سے مجاہدہ کرو لیکن یاد رکھو کہ نفس کا بھی حق ہے فلہٰذا کچھ دن روزے رکھو اور کئی دن افطار کرو۔ رات کے کچھ حصے میں جاگو اور کچھ حصے میں نیند کرو۔ یاد رہے کہ ریاضت شدیدہ بھی انسان کو منزل مقصود تک نہیں پہنچنے دیتی اس لئے کہ تھک جانے سے راستہ طے نہیں ہو سکے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا دین واضح اور [illegible] ہے فلہٰذا اسے نرمی سے حاصل کرو۔ اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ نفس پر اتنا سخت بوجھ نہ ڈالو اور ایسی ریاضت میں مبتلا نہ کرو کہ وہ روگردانی کر کے ایمان و عمل کو چھوڑ دے۔

اسپ تازی دوتگ ہمی ماند
شتر آہستہ میرود شب و روزے

ترجمہ:

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفس اور دین کے حقوق میں ادائیگی میں میانہ روی اختیار فرمائی روزے رکھتے اور کبھی نہ رکھتے اور رات کو جاگتے تو پھر سو بھی جاتے۔ عورتوں سے نکاح بھی کیا۔ اعلیٰ کھانا مل جاتا تو کھا لیتے مثلاً حلوہ۔ شہد۔ مرغی۔ پھر کبھی بھوکے رہتے یہاں تک کہ پیٹ مبارک پر پتھر باندھے۔

سبق اے غافل ذرا سنبھل۔ تیرے کوچ کا وقت قریب ہے تو نے لمبا سفر طے کرنا ہے اگر تجھے کسی وقت تیرا نفس برائی کا خیال ڈالے تو اصلاح کی باتیں اس کے سامنے رکھ۔ اس سے قبل کہ تیرے کوچ کا وقت آجائے۔ اس پروگرام پہ چلنے کی جدوجہد کر اپنے ہر فعل و قول پر کڑی نگرانی رکھ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کچھ جانتا ہے اور اس کا علم و قدرت ہر شے کو محیط ہے۔ افراط و تفریط سے بچتے رہو۔

تفسیر عالمانہ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا اور اگر عورت اپنے شوہر سے خوف کرے۔ امراۃ فعل محذوف کا فاعل ہے جس کی تفسیر مذکورہ فعل ظاہر کرتا ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی اِنْ خافت امرأۃ وخافت الخ یعنی اگر وہ اپنے شوہر سے توقع کرے نُشُوْزًا (اپنی جدائی کی) اور خوف ہو کہ مجھے اپنے سے جدا کردے گا اور وہ اسے مکروہ سمجھتی ہے اور چاہتی ہے کہ میرے حقوق ضائع نہ ہوں۔ یہ نشز سے ماخوذ ہے وہ چیز جو زمین سے اونچی ہو اسے نشوز کہتے ہیں۔ زوجین میں نشوز کا یہی مطلب ہے کہ وہ ایک دوسرے سے کراہت کریں اور اس پر اپنی بلندی سمجھیں حالانکہ اس سے قبل اس وقت ایک دوسرے سے راضی تھے۔ اَوْ اِعْرَاضًا یا روگردانی یعنی اس سے گفتگو کم کردے اور اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دے۔ اور یہ چند وجوہ سے ہوتا ہے۔

① سن کی کمی بیشی۔
② قبیح صورت کا ہونا۔
③ شکل وصورت میں عیب پایا جانا۔
④ بدخلق ہونا۔
⑤ بلاوجہ ملال میں رہنا۔
⑥ خواہ مخواہ کی طعن وتشنیع وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ حضرت امام (رازی) رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کہ نشوز سے قول یا فعل یا ہر دونوں میں سختی اور اعراض سے خیر و شر ہر دونوں پر اسی طرح مراعات و ایذائیں خاموشی مراد ہے۔

شان نزول یہ آیت خویلہ بنت محمد بن مسلمہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اُن کا شوہر سعد بن ربیع تھا اُن کا خویلہ سے جوانی میں نکاح ہوا پھر جب ان پر بڑھاپے کے آثار نمودار ہوئے تو اس نے دوسری نوجوان عورت

سے نکاح کر لیا تو اُس نے پہلا طور طریق بدل دیا اور اُس نئی دلہن سے زیادہ محبت و پیار کا اظہار کرتا اور پہلی عورت سے بے رُخی اور ظلم وستم کرتا۔ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کا شکوہ کیا تو یہی آیت اُتری۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا پس اُس وقت ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا یہ کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔ مثلاً عورت اپنا کل مہر معاف کر دے یا بعض یا اپنی باری اپنی سوکن کو بخش دے جیسے بی بی سودہ رضی اللہ عنہا نے کیا جب کبیرۃ السن اور بوڑھی ہوگئیں۔

اُمّ المومنین بی بی سودہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حضرت اُم المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سے جدا کرنے کا ارادہ فرمایا (جب وہ کبیرۃ السن اور بوڑھی ہوگئیں) تو عرض کی یا رسول اللہ مجھے اپنے دامن سے دور نہ فرمایئے میں اپنی باری بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیش کرتی ہوں اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سرورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب ہیں اس حیلہ سے حضور علیہ السلام انہیں منظور فرمالیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ آپ نے بی بی سودہ کو اپنے نکاح میں بدستور رکھا۔ اس لئے اس صلح کے بعد حضور علیہ السلام بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں دو دن ہائش پذیر رہتے ایک دن اُن کا اپنا دوسرا بی بی سودہ کا۔

مسئلہ حضرت صاوی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ صلح واجب نہیں اگر عورت ایسی صلح کے بعد اپنی باری کا مطالبہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد شوہر پر پھر برابری کی تقسیم ضروری ہوگی۔

وَالصُّلْحُ اور وہ صلح جو زن وشوہر کے مابین واقع ہو خَيْرٌ طلاق دینے اور بُرے معاشرے یا جھگڑے سے بہتر ہے اس معنے پر لام عہد کی ہوگی اور یہ بھی جائز ہے کہ خَيْرٌ جیسے جھگڑے دوسرے شروں میں سے ایک شر ہے اس معنے پر لام جنس کی ہوگی۔

ابدال بننے کے نسخے حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ حسن المحاظرہ فی احوال مصر والقاہرہ میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی چاہے کہ وہ ابدال میں سے ہوجائے تو اسے چاہیئے کہ اپنے میں چھوٹے بچوں کی عادات کی عادات پیدا کرے۔ چھوٹے بچوں میں پانچ ایسی عادتیں ہوتی ہیں اگر وہ بڑوں میں ہوں تو ابدال بن جائیں۔

① اپنے رزق کا اہتمام نہیں کرتے۔
② جب بیمار ہوتے ہیں تو اپنے خالق کا شکوہ نہیں کرتے۔
③ اکٹھے ہو کر کھانا کھاتے ہیں
④ جب لڑتے ہیں تو حد سے نہیں بڑھتے۔

⑤ جلد تر صلح کر لیتے ہیں۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

① ابلہست آنکہ فعل اوست لجاج
ابلہے را کجا علاج بود

② تاتوانی لجاج پیشہ مگیر
کآفت دوستی لجاج بود

ترجمہ: ① وہ بے وقوف ہے جس کی عادت لالچ کی ہے اور بے وقوف کا علاج کہاں
② جبتک ہوسکے لالچ نہ کر اس لئے کہ لالچ دوستی کے لئے ایک آفت ہے ۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ اور نفسوں کو بخل ہر وقت حاضر اور ان کے اندر گھسا ہوا ہے نہ عورت اپنے حقوق مرد کو معاف کرتی ہے اور نہ مرد اپنی عورت کی شکل وصورت کی قباحت اور بڑھاپے پر حسن معاشرہ کی سوچتا ہے نہ اس کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے میں اچھا سلوک کرتا ہے اور نہ میٹھی گفتگو۔ یہ عبارت دراصل یوں ہونی چاہیئے تھی احضر اللّٰہ الانفس الشح ۔جب صیغہ احضر کو مبنی للمفعول کرکے لایا گیا تو اس کا مفعول اور فاعل کے قائمقام کھڑا کیا گیا ہے ۔

فائدہ اَلشُّحَّ وہ بخل جس میں حرص شامل ہو یہ بخل سے اخص ہے ۔

ابلیس کی کہانی اُس کی اپنی زبانی حضرت عبداللّٰہ بن وہب حضرت لیث سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس حضرت نوح علیہ السلام کو ملا عرض کی حضرت حسد اور بخل سے بچنا اس لئے کہ میں نے آدم علیہ السلام پر حسد کیا تو مجھے بہشت سے نکالا گیا اور آدم علیہ السلام کو درخت سے روکا گیا تو انہوں نے اس کے کھانے پر حرص کیا تو بھی بہشت سے خارج ہوگئے ۔

○ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو ابلیس اپنی اصلی صورت میں ملا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرا محبوب ترین آدمی کون ہے اور مبغوض ترین کون ۔ اُس نے کہا میرے ہاں مؤمن بخیل ترین ہے اور مبغوض ترین فاسق سخی ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ کیسے ۔اُس نے کہا بخیل کو تو بخل کی شامت کافی ہے اور فاسق سخی سے اس لئے مجھے خطرہ رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی سخاوت سے اسے معاف فرما کر مقبول بنا دے ۔یہ کہہ کر چلا گیا کہ آپ اگر پیغمبر نہ ہوتے تو آپ کو یہ راز نہ بتاتا (آکام المرجان)

وَاِنْ تُحْسِنُوْا اور اسے شوہروان کی عدم موافقت کے باوجود اور پھر تمہاری طبائع کی بھی پسند نہیں اگر انہیں اپنے پاس رکھو اور اُن سے نیک سلوک سے گذارو) وَتَتَّقُوْا اور روگردانی کرکے اُن پر ظلم کرنے سے بچو اور نہ ہی انہیں

حقوق معاف کرنے پر مجبور کرو۔

فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ پس بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل مثلاً تقویٰ واحسان کو خَبِیْرًا خوب جانتا ہے اور تمہاری نیتوں سے بھی باخبر ہے اس کا تمہیں اجر اور ثواب عطا فرمائے گا۔ اس لئے کہ وہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

حکایت مروی ہے کہ ایک قبیح شخص کی حسین بیوی تھی۔ ایک دن وہ اپنے شوہر کو دیکھ کر کہنے لگی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اس کے بعد شوہر نے کہا یہ کیوں۔ عورت نے کہا اس لئے کہ تو جنتی ہے کیونکہ تجھے میری جیسی عورت نصیب ہوئی۔ تو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے اور مجھے تیرے جیسا شوہر ملا ہے تو میں نے صبر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صابرین و شاکرین کو بہشت کا وعدہ فرمایا

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① چو مستورہ شد زن خوب رُو
بدار او در بہشت است شو

② اگر پارسا باشد وخوش سخن
نگہ در نکوئی وزشتی مکن

ترجمہ ① جب عورت باحیا اور حسین و جمیل ہو تو اس کا شوہر دنیا میں بہشت میں ہے۔
② اگر عورت نیک اور خوش خلق ہو تو اس کے حسن اور قبیح کو نہ دیکھ۔

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ تمہیں یہ طاقت کہاں کہ تم عورتوں کے مابین عدل و انصاف قائم رکھ سکو کہ کسی بات پر اُن کی کسی ایک سے جھکاؤ نہ ہو اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجودیکہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی تقسیم میں عدل و انصاف کی کسر نہ چھوڑتے لیکن پھر بھی فرماتے "اے اللہ تعالیٰ یہ میری وہ تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے اور اس میں مواخذہ نہ فرمانا۔ جو صرف تیرے اختیار میں ہے اور میرے بس میں نہیں۔ اس سے محبت کی برابری مراد ہے اس لئے کہ آپ کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی۔ وَلَوْ حَرَصْتُمْ اگر تم عدل و انصاف قائم رکھتے ہو تو کوشش کرو اور مبالغہ سے کام لو فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ پس تم پورے نہ جھک جاؤ یعنی جن عورتوں سے تمہیں محبت نہیں اُن پر ظلم نہ کرو اور جن سے تمہیں محبت ہے اُن کے معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرو جہاں تک ہو سکے عدل و انصاف کرو۔ تم حقیقی عدل سے عاجز ہو تو وہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ اس سے تمہارا احتساب نہیں ہوگا تمہاری طاقت جہاں تک کام کرتی ہے اسے ہاتھ سے نہ جانے دو اس لئے کہ جو کام پورے طور نہیں ہو سکتا تو پھر جتنا ہو سکے اسے کام میں لاؤ۔

حدیث شریف حق کو قائم رکھو لیکن اس کے احصاً کے درپے نہ ہو اس لئے کہ یہ تمہارے بس سے باہر ہے کہ ہر شے کو من کل الوجوہ ادا کر سکو پھر ایسا نہ ہو کہ اسے بالکل چھوڑ بیٹھو۔

فَتَذَرُوْهَا اس کا مجزوم ہونا ما قبل کی وجہ سے ہے یعنی جن عورتوں سے تمہیں محبت نہیں تو انہیں نہ چھوڑ دو۔ كَالْمُعَلَّقَةِ معلقہ کی طرح۔ معلقہ وہ عورت ہے کہ نہ تو بیوہ ہے کہ اس کا کسی سے نکاح کیا جا سکے نہ ہی شوہر دار کہ اپنے شوہر سے زندگی بسر کر سکے۔ اس لٹکی ہوئی شے کی طرح کہ نہ وہ زمین پر ہے نہ آسمان پر۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی دو منکوحہ تھیں۔ اُن کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ ایک کی باری میں دوسری کے گھر وضو بھی نہ کرتے اُن کی دونوں بیویاں طاعون کی وبا میں فوت ہوئیں تو انہوں نے دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا۔

وَإِنْ تُصْلِحُوْا اور جن باتوں میں اُن کے متعلق کمی کر چکے ہو اگر اپنی اصلاح کرو وَتَتَّقُوْا آئندہ غلطی کے ارتکاب سے بچو فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے تمہاری سابقہ غلطیاں معاف کر دے گا۔ رَّحِيْمًا اور اپنے فضل و کرم سے تمہارے اوپر رحم فرمائے گا۔ وَإِنْ يَّتَفَرَّقَا اور اگر آپس میں جدائی چاہتے ہوں تو اُن کی ایک دوسرے کے ساتھ اصلاح کی کوئی صورت نہیں بن سکتی۔ يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک دوسرے سے مستغنی بنا دے گا اور ہر ایک کو اپنے معاملات میں بے پرواہ فرمائے گا۔ مِّنْ سَعَتِهٖ اپنی قدرت کاملہ سے ایسی ہر دونوں کو جدائی چاہنے پر زجر و توبیخ فرمائی ہے وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا اور اپنے امور میں بہت بڑی حکمتوں والا ہے کہ اُس کے ہر حکم اور ہر فعل میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں مثلاً اس جدائی میں بھی اُس کی ایک حکمت یہ ہے کہ زن و شوہر آپس میں جدا ہو جائیں تو انہیں دوسرا ایسا موقع عطا فرمائے کہ دوسرے گھر میں سکون و تسلی نصیب ہو۔ اور پہلے رشتہ کی باتیں بالکل بھلا دے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر امر و نہی پر سر تسلیم خم کرے۔ نفس کی شرارت اور اُس کی شہوات کو اپنے میں نہ گھسنے دے۔ بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ پر عمل کرے عدل و انصاف میں رغبت رکھے اور اُن پر ظلم و ستم سے بچے جب نہ کسی کی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی اور معاملہ۔

قیامت کا ایک منظر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی بندے یا کسی عورت کو پکڑ کر اولین و آخرین کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا پھر اعلان ہو گا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اس پر کسی کا حق ہو تو آئے اور لے جائے تو عورت خوش ہو گی اور کہے گی اس پر میرا حق ہے یہ نہ سمجھے گی کہ یہ میرا بیٹا ہے یا بھائی یا باپ یا شوہر۔ اُسے تو حق چاہیئے خواہ جس طرح ہو اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائے گا کہ اس کا حق ادا کیجئے۔ بندہ عرض کرے گا۔ یا اللہ کیا ادا کروں میں دنیا میں نہیں ہوں۔ اس وقت نہ میرے پاس کچھ ہے نہ کچھ دے سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائے گا اس کی جتنی نیکیاں ہیں حق مانگنے والوں کو دے دو۔ چنانچہ اُس کی تمام نیکیاں حقداروں پر تقسیم ہو جائیں گی۔ پھر وہ اگر اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اور

اُس کی نیکیاں بہت ہوں گی اس میں سے اگر کچھ بچ گیا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس میں برکت دے گا جس کے ذریعے وہ بہشت میں جائے گا۔ اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ اگر وہ بندہ بدبخت بے عمل ہوگا تو ملائکہ کرام عرض کریں گے یا الٰہ العٰلمین اُس کی تمام نیکیاں حق داروں کو دی گئی ہیں اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں لیکن حقدار ابھی باقی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا حقداروں کی بُرائیاں لے کر اُس کے ذمہ لگا کر اسے جہنم میں کھینچ کر لے جاؤ۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ توبہ و استغفار پر مداومت کرے اور ہر وقت اپنے مالک غفار کی طرف توجہ رکھے اور معاملات میں نیک و بد سے نیک سلوک کرے کسی کو ایذا نہ دے کوئی اچھا ہے یا بُرا۔

حکایت حضرت ابوبکر بن ذکر اللہ ایک زاہد اور نیک آدمی تھے) نزع الموت کے وقت بہت روئے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کیوں روتے ہو فرمایا میں ایسے راہ پر چلتا رہا جس پر مجھے چلنا نہیں چاہیئے تھا۔ بعد وفات چوتھی شب اُن کے صاحبزادے نے خواب میں دیکھ کر عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا آپ نے فرمایا بیٹے معاملہ تو بڑا سخت تھا تم جانتے ہو کہ وہ اعدل العادلین رب ہے اور میرے حقدار بھی سخت جھگڑالو تھے میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تجھے ستر سال عمر عطا فرمائی اب تا تیرے پاس بخشش کا سامان کیا ہے میں نے عرض کیا یا اللہ میں نے چالیس ہزار دینار اپنے ہاتھ سے خیرات کئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ بھی قبول نہیں کیا۔ پھر میں نے عرض کیا یا اللہ میں نے ساٹھ سال روزہ رکھا اور اتنے سال رات کو عبادت کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے میں نے بالکل قبول ہی نہیں کی پھر میں نے کہا یا اللہ میں نے چالیس سال جہاد کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے ایک بھی قبول نہیں کیا پھر میں نے عرض عرض کیا یا اللہ میں برباد ہوگیا اب تو جس طرح چاہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے لائق نہیں کہ تیرے جیسے کو عذاب میں مبتلا کروں لیکن سُن اے ابُو منصور تجھے یاد ہے کہ فلاں دن تو نے راستہ سے ایک کانٹا اس نیت پر ہٹایا کہ کسی کو ایذا نہ دے بس میں نے تجھے اُسی نیکی سے بخش دیا اور میں کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ ایذا دینے والی چیز کو راستہ سے ہٹانا اللہ تعالیٰ رحمت و مغفرت کا سرمایہ ہے پھر اس شخص کی کیا شان ہوگی جو لوگوں کے ہزاروں دکھ اور درد دور کرتا ہے۔ اسے میدان حشر میں یہ عمل دے گا بالخصوص اہل ایمان اور پھر اپنے اہل و عیال کی ایذا پر کتنا اجر و ثواب نصیب ہوگا۔ حقیقی مسلمان بھی وہی ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے اہل اسلام کو سلامتی حاصل ہو۔

اے اللہ! ہمیں نفع رساں لوگوں سے بنا۔ ضرر رسانوں سے بچا (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ تمام اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی موجودات میں جتنی مخلوق ہے اسی کی ملک ہے اور سب کا رزق اس کے ہاتھ میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت الشیخ نجم الدین قدس سرہٗ نے فرمایا لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے بلند درجات اور جنت الماویٰ اور جنت الفردوس الاعلیٰ اور وما فی الارض ٗ سے دنیا کی نعمتیں اور اس کی زینت اور نقش نگار مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت نہیں انہیں صرف اپنے نیک بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ چنانچہ فرمایا وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ اور بندوں کو صرف اپنے لئے چنانچہ و اصطنعتک لِنَفْسِی (مجھے) بن نے اپنے لئے چنا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اور بے شک ہم نے تمہارے سے پہلے اہل کتاب کو وصیت فرمائی۔ یعنی ہم نے ان کی کتاب میں حکم صادر فرمایا اس سے یہود و نصاریٰ اور اُن سے پہلے لوگ مراد ہیں اور الکتب میں الف لام جنس کا ہے جو جمیع کتب سماویہ کو شامل ہے۔ اور من وَصَّیْنَا کے متعلق ہے یا اوتو اکے وَاِیَّاکُمْ اس کا عطف الذین پر ہے یعنی ہم نے بالخصوص تمہیں اے اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہاری کتاب میں بیان فرمایا اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ دراصل بان اتقوا اللہ تعالیٰ یعنی یہاں حرف جر محذوف ہے اور یہ ان مصدریہ ہے یعنی ہمارا حکم ان کے اور تمہارے لئے تقویٰ کا تھا (و) اور ہم نے تمہیں اور انہیں فرمایا کہ اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اگر تم کفر کروگے تو اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے نہ تو اُسے تمہارا کفر نقصان دے سکتا ہے نہ گناہ۔ اسے نہ تمہارے شکر سے فائدہ ہے نہ تقویٰ سے اور ان باتوں کا حکم صرف تمہارے لئے دیا ہے یہ بھی اس کی رحمت سمجھو۔ یہ نہیں کہ ان باتوں کی اسے ضرورت ہے اس کے متعلق مزید یوں فرمایا وَکَانَ اللّٰہُ غَنِیًّا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور اور اُن کی عبادات سے مستغنی ہے اُسے اپنے غیر سے کیا غرض۔ ذاتًا و صفاتًا ہر لحاظ سے کسی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ اغیار کے تعلقات سے منزّہ ہے۔ حَمِیْدًا وہ ذاتی طور محمود ہے اس کی کوئی حمد کرے یا نہ۔

فائدہ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ شرح الاسماء الحسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حمید ہے اس لئے کہ اس نے اپنی ذات کی اوّلاً تعریف فرمائی ہے اور مخلوق ابدًا اس کی حمد کرتی ہے اور یہ صفات جلال و علو و کمال کی طرف راجع ہے اور اس کی نسبت ذاکرین کے ذکر کی طرف لوٹے گی۔ اس لئے حمد اوصاف کمال من حیث ھو الکمال کے ذکر کو کہا جاتا ہے اور بندہ کو بھی حمید کہا جا سکتا ہے جب اس کے عقائد و اخلاق اور اعمال اچھے ہوں اور ان میں غیرت کی ملاوٹ ہرگز نہ ہو صرف للہیت ہی للہیت ہو اس لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جو آپ کے قریب تر ہیں جیسے انبیاء و اولیاء یہ سب کے سب حمید ہیں اُن کے درجات و فضیلت کا معیار اُن کے اپنے عقائد و اقوال و اعمال پر ہونگے کہ جس قدر عقائد و اقوال میں ترقی اتنا ہی فضیلت اور درجات میں بلندی۔

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اُسی اللہ کا ہے۔

سوال یہی جملہ اب تیسری بار لایا جا رہا ہے اس میں کیا حکمت ہے ؟

جواب تاکہ مخلوق کو پورے طور پر یقین ہو کہ اسے کسی کی ضرورت نہیں لیکن مخلوق کو اس کی ضرورت ہے اور اس نے ان سب کو دولت وجود سے نوازا پھر انہیں قسم قسم کے انعامات و کمالات عطا فرمائے۔ یہ تمام باتیں دلالت کرتی ہیں کہ جن کے اتنے بڑے کمالات و انعامات ہیں وہ حمید ہے اس سے واضح ہوا کہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ کو مکرر لانے سے کلام میں کوئی نقص لازم نہیں آتا بلکہ جتنی بار لایا گیا ہے اتنے ہی اس کے اندر فوائد مضمر ہیں اور ہر بار نئے نئے اور نرالے فائدے مستتر ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا۝ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے اور تمہارے تمام امور کی تدبیروں میں تمہارا وکیل ہے تمہیں بھی چاہیئے کہ تم اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کر دو اور صرف اسی پر سہارا کرو۔ غیروں کے سہارے بالکل ترک کر دو۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے یعنی فنا کر کے بالکل مٹا دے وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ اور تمہاری بجائے دوسروں کو لائے یعنی یکبارگی تمہارے بجائے دوسروں کو پیدا فرما دے یا تمہارے بجائے انسانوں کے بغیر اور دوسری مخلوق پیدا کر دے۔ یہاں پر یشآء کا مفعول محذوف ہے اس لئے کہ وہ جزا کا مضمون ہے۔ یعنی اگر تمہارا فنا کرنا اور دوسروں کو پیدا کرنا چاہے تو تمہیں یکسر فنا کر دے۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ تمہاری بے شمار غلطیوں کے باوجود تمہیں فنا نہیں کرتا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ وہ تمہاری عبادات و طاعت کا محتاج نہیں اور نہ ہی وہ تمہارے مٹانے اور فنا کرنے سے عاجز ہے۔

فائدہ اس آیت میں نافرمانوں کو زجر و توبیخ اور غلط کاریوں پر تنبیہ کیا گیا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ (اور اللہ اس پر ہے) یکبارگی فنا کرنے اور یکبارگی دوسروں کو پیدا کرنے پر قَدِيْرًا۝ (قادر) یعنی بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اسے اپنی مراد سے کوئی روک نہیں سکتا اس لئے صرف اسی کی اطاعت کرو۔ اور اس کی نافرمانی سے بچو اور اس کے عذاب سے ڈرو۔

مسئلہ آیت اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے صابر ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ مجرموں کے جرائم و معاصی پر جلدی سے گرفت نہیں فرماتا۔

حدیث شریف قدسی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے سے کوئی اور زائد صبر کرنے والا نہیں کہ وہ ایذا کی باتیں سن کر بھی صبر کرتا ہے مثلاً اس کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے اور اس کی اولاد ثابت کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود انہیں معاف فرماتا اور رزق دیتا ہے یعنی بعض بندے اس کے لئے شریک ٹھہراتے اور اسے اولاد کی نسبت کرتے ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قسم و قسم کی نعمتوں سے نوازتا اور ان کے رزق میں کمی نہیں کرتا۔ یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ ایذا دینے والے کو بھی نظر عنایت سے نوازتا ہے پھر اس

بندے کے متعلق خود سوچئے کہ جو اس کی وجہ سے دکھ اور درد کا نشانہ بن کر اس کی حمد و ثنا میں لگا رہتا ہے اسے کتنے بڑے انعامات عنایت فرمائے گا۔

ازالہ وہم مجرم و عاصی کو سزا اس جلدی اس لئے نہیں کرتا کہ کہیں اسے توبہ کا موقعہ مل جائے اور پھر قیامت میں حجت بازی نہ کرے کہ مجھے غلطی سے سوچنے کا موقعہ نہ مل سکا۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ رات کو اپنا دست کرم پھیلا کر فرماتا ہے کہ جس نے دن کو غلطیاں کی ہیں آکے اور مجھ سے بخشوا لے اسی طرح پھر دن کو ہاتھ پھیلا کر فرماتا ہے کہ جس سے رات کو غلطیاں ہوئی ہیں وہ میرے پاس آئے اور معاف کرالے یہاں تک کہ رات کو صبح تک مسلسل اعلان ہوتا رہتا ہے۔

فائدہ حضرت الشیخ الکلاباذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاتھ پھیلانے سے اس کا جود و عطا مراد ہے یعنی رات اور دن کے جرائم پیشہ لوگوں کو مہلت دے کر توبہ کا پیغام دیتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کراماً کاتبین میں سے دائیں جانب والا بائیں جانب والے کا امیر اور حاکم ہے جو کوئی بندہ نیکی کرتا ہے تو اس کی ایک نیکی پر دس حسنات لکھی جاتی ہیں اور جب برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے سے فرماتا ہے مت لکھنا وہ گھڑی بھر انتظار کرتا ہے اگر بندہ اپنی اس غلطی سے توبہ و استغفار کرتا ہے تو اس کی برائی اس کے عملنامہ میں نہیں لکھی جاتی اگر وہ توبہ و استغفار نہیں کرتا تو اس کی صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

بہ غفلت سیاہ دلاں خندہ می زند

غافل مشو ز خندۂ دنداں نمائے صبح

ترجمہ: سیاہ دلوں کی غفلت سے ہنسی آتی ہے تو غافل نہ ہو بلکہ اپنے دانتوں کی ہنسی سے صبح ظاہر۔

نکتہ جسے قرآن پاک کی وعیدیں اثر نہیں کرتیں اور وہ قرآنی احکام سن کر عبادات و طاعات کی طرف رغبت نہیں کرتا تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر سنگدل اور کوئی نہیں یہ جمادات سے بھی گیا گذرا ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اور کتب بھیج کر اس لئے بار بار تنبیہ فرماتا ہے تاکہ بندہ کمینی دنیا کی رنگینیوں میں پھنس نہ جائے اور حظوظ نفسانیہ سے بچ کر درجات بلند کی طرف ترقی کرے۔

سبق سالک پر ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان مہربانیوں کو دیکھے کہ اس نے بار بار وصیت فرمائی ہے اس کی کرم نوازی ہے پھر ہمیں چاہیئے کہ اس کے فرمان پر تقویٰ و طہارت کو عمل میں لائیں اس لئے کہ تقویٰ ایک بہترین خزانہ ہے جسے نصیب ہوا اسے بیش بہا قیمتی جواہر نصیب ہوئے بلکہ یوں کہئے کہ اسے ہر بھلائی کی کنجی مل گئی۔ اس لئے کہ یہی تقویٰ جمیع بھلائیوں کا جامع ہے۔

فائدہ حضرت ابنِ عطا فرماتے ہیں کہ تقویٰ دو قسم ہے۔

① ظاہر

② باطن

ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود شرعیہ کی پاسداری کی جائے باطن یہ ہے کہ نیت میں اخلاص ہو لیکن حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ سے اعراض اور حضرت عُلیا کی طرف توجہ ہو جسے یہ دولت نصیب ہوئی وہ دونوں جہانوں کے گورکھ دھندوں سے آزاد ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہو گیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زیر بارند درختاں کہ تعلق دارند

اے خوشا مرد کہ از بارِ غم آزاد آمد

ترجمہ، وہ درخت زیر بار ہیں جو تعلق دار ہیں وہ مرد بہت خوش ہے جو غم کے بوجھ سے آزاد ہے۔

تفسیر عالمانہ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہے جیسے وہ مجاہد جو صرف مالِ غنیمت کا طالب ہوتا ہے اُسے آخرت سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا و آخرت ہر دونوں کا ثواب موجود ہے جو ان دونوں سے خسیس ترین کی طلب کرتا ہے تو اسے وہ خسیس ترین بھی ملے گی۔ مثلاً کوئی دعا میں دونوں کے لئے کہتا ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة یا وہ اُن میں برگزیدہ تر کی طلب کرے مثلاً جو شخص جہاد صرف رضائے الٰہی کے لئے کرتا ہے تو اُسے ثواب بھی ملے گا اور مالِ غنیمت بھی لیکن مالِ غنیمت آخرت کے ثواب کے بالمقابل لاشئے ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے ہاں دارین کا ثواب ہے جس کو جو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ۔ جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اسے اس میں اضافہ کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اسے بھی دیں گے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اور اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے وہ تمام مسموعات و مبصرات کو جانتا ہے اور ان کی اغراض بھی اسے معلوم ہیں یعنے اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے واضح کر دیتا ہے کہ ان کی غرض صرف مالِ غنیمت ہے اور ان کے کردار سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ جہاد کے لئے اس وقت تیار ہو کر جاتے ہیں جب انہیں یقین ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ہمیں مالِ غنیمت حاصل ہوگا۔

مسئلہ حضرت حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت میں منافقین ریاکار کو زجر و توبیخ ہے۔

حدیث شریف جہنم میں ایک وادی ہے کہ جس سے دوسری جہنم ہر روز چارسو بار پناہ مانگتی ہے وہ صرف ریاکار احفاظ علماء قاریوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نکو سیرتے بے تکلف بروں
بہ از نیک نام خراب اندروں
ہر آنکہ افگند تخم بر روئے سنگ
بوئے وقت دخلش نیاید بچنگ

ترجمہ: اچھی سیرت اور بے تکلف اس نیک نام اندر (دل سے) خراب آدمی بہتر ہے۔
جو پتھر پر دانے ڈالتا ہے دانے اٹھاتے وقت اسے پاؤں میں کانٹے ہوں گے اور

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا فرمائی تو اس میں ایسی بہترین چیزیں پیدا فرمائیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی کے تصور میں آسکتی ہیں پھر اسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کچھ کہیئے اس نے کہا "قد افلح المؤمنون" ایسے ہی تین بار کہا پھر کہا میں بخیل اور ریاکار پر حرام ہوں۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ وہ ریاسے بچے اور اخلاص فی العمل میں جد و جہد کرے اور اپنے اعمال میں سوائے اللہ تعالیٰ کی رضا کے اور کوئی مراد نہ رکھے۔

حضرت سہل نے آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی کئی میل طے کرا دیئے

کسی بزرگ سے منقول ہے کہ میں سہل بن عبداللہ کے ہاں جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ اُن کے حجرے میں ایک بہت بڑا سانپ بیٹھا ہے۔ میں ڈر کے ایک قدم آگے کو ایک پیچھے کو کرتا ہوا متفکر ہوا کہ کیا کروں۔ مجھے سہل نے دیکھ کر فرمایا کہ آجایئے۔ ڈرتے کیوں ہو جو بھی خلوص سے نیکی کرتا ہے وہ دنیا کی کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی اسے ڈرانا چاہیئے۔ مجھے فرمایا کہ کچھ جمعہ کے متعلق چاہیئے۔ میں نے کہا۔ ہاں جمعہ پڑھنے کا ارادہ تو ہے لیکن یہاں پورے ایک دن رات کا سفر ہے۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا آنکھ کھولی۔ میں جامع مسجد میں تھا وہاں نماز جمعہ پڑھ کر باہر نکلا تو حضرت سہل کے ہاں حاضر تھا۔ اور فرما رہے تھے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ "پڑھنے تو بہت ہیں۔ لیکن ان میں مخلصین کی کمی ہے۔

فائدہ مخلص وہ ہے جو اپنی عبادت کا بدلہ نہ چاہے۔ اگرچہ اسے اس کا عوض دنیا و مافیہا پیش کی جائے۔

حکایت کسی نے اپنے غلام سے فرمایا کہ سخاوت اس کا نام نہیں کہ خیرات دے کر ارادہ کیا جائے کہ اس سے مشہوری ہو بلکہ اس کا ایک طریقہ میرا ہے وہ اس طرح ہوا کہ غلام کو سو دینار دے کر کہا کہ اسے بازار میں لے جاؤ اور جسے درویش دیکھو اسے دیدو۔ غلام صد دینار لے کر بازار گیا۔ ایک درویش کو دیکھا کہ وہ سر منڈوا رہا ہے اس درویش کو

(باقی صفحہ ۳۰۷)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ

عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ

اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ

قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ

كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ؕ

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ؕ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ

حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ

الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝ۙ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ

لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ

قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ

بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝ع

ترجمہ: اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے تمہارا اس میں اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر ہو بہرحال تو اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے اور اس کتاب پر جو اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھے اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ دکھائے خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں تو عزت تو ساری اللہ کے لئے ہے اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا وہ جو تمہاری حالت تکا کرتے ہیں تو اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے کہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کا حصہ ہو تو ان سے کہیں کیا ہمیں تم پر قابو نہ تھا اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا تو اللہ تم سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ اے ایمان والو ہو جاؤ انصاف پر قائم رہنے والے، یعنی جمیع امور میں عدل و انصاف قائم کرنے میں بہت بڑی کوشش کرو۔ شُهَدَاءَ لِلَّهِ اللہ تعالیٰ کے لئے گواہ ہو کر۔ یہ "کونوا" کی دوسری خبر ہے یعنے جس طرح تمہیں شہادت کا حکم ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدِ نظر رکھ کر گواہی دو۔ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ۔ اگرچہ تمہیں اپنی ذات پر گواہی دینی پڑے یعنی اپنے لئے اقرار کرنا پڑے تو بھی۔

(بقیہ ص۳۰۵)

وہی سو دینار دیدیا۔ درویش نے حجام کو دیا اور کہا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کا سر فی سبیل اللہ مونڈوں گا۔ یہ رقم لے کر میں اپنے ثواب کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ درویش نے غلام سے کہا واپس لے جاؤ میں نہیں لینا چاہتا۔ غلام وہی سو دینار واپس لے آیا اور آقا سے کہا اسے کوئی قبول نہیں کرتا (انیس الوحدۃ وجلیس الخلوۃ)۔

فائدہ اپنے اوپر شہادت دینے کو اقرار کہا جاتا ہے اس لئے کہ غیر کے حق کی خبر دینے کا نام شہادت (گواہی) ہے مطلب یہ کہ اپنے اوپر گواہی ہو یا کسی غیر پر اپنے اوپر شہادت کی تاکید اس لئے ہے کہ ایسی خبر دینے سے اسے خود کو ضرر اور نقصان پہنچتا ہے کہ اس خبر کے بعد ظالم بادشاہ یا حاکم کی طرف سے تکلیف پہنچے گی۔ باوجود اس کے اپنے اوپر گواہی دینی چاہیئے۔

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ یا والدین اور قریبی رشتہ داروں پر گواہی دینی پڑے۔ مثلاً کہنا پڑے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص کو میرے والدین نے یا میرے رشتہ دار نے اتنا رقم یا قرض وغیرہ دینا ہے اگرچہ شہادت دینے سے اس کے والدین یا اس کے قریبی رشتہ داروں کو نقصان پہنچتا ہے تب بھی گواہی دینے سے گریز نہ کرے۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ بیٹے کا والدین پر حق کی گواہی دینے سے نا فرمانی میں شامل نہیں اور نہ ہی شرعاً بیٹے کو والدین پر گریز کرنا چاہیئے اس لئے کہ ان پر گواہی دے کر انہیں آئندہ ظلم سے بچانا ہے۔

مسئلہ والدین کے لئے اور والدین کی اپنی اولاد کے لئے گواہی غیر قابل قبول ہے اس لئے کہ آباء و اولاد کے فوائد و منافع میں یکجہتی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا آپس میں زکوٰۃ دینا لینا جائز نہیں بنا بریں یہ گواہی اپنی ذات کے لئے ہوگی یا اس لئے کہ ایسی گواہی سے تہمت کا امکان بھی ہے کہ مخالف کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے آپس میں اتفاق کر کے من گھڑت دعویٰ بنایا ہے۔

اِنْ يَّكُنْ جس پر گواہی دی جائے وہ غَنِيًّا غنی ہو اَوْ فَقِيْرًا یا فقیر اس لئے کہ غنی کی گواہی پر عموماً اس کی خوشامد مطلوب ہوتی ہے یا اس کی دنیاداری سے خطرہ ہوتا ہے اسی طرح فقیر پر بھی رحمدلی مدِ نظر رکھی جاتی ہے یہاں پر شرط کی جزا محذوف ہے جس پر آنے والا جملہ دلالت کرتا ہے فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا تو غنی و فقیر سے اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اسی کا خوف ہو اور اسی کی رضا مطلوب فلہٰذا غنی کی خوشامد کے تحت اور فقیر کی رحمدلی کو مدِ نظر رکھ کر گواہی نہ دینے کی کوشش نہ کرو۔ رضا جوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کی۔ اگر کسی کی رحمدلی کرنی ہے تو بھی ذاتِ حق کی رضا مدِ نظر ہو۔ اگر ان کے اوپر گواہی دینے میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرے سے اللہ تعالیٰ ایسی شہادت مشروع بھی نہ فرماتا۔

حدیث شریف اپنے بھائی کی مدد کرو۔ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظالم کی مدد کا کیا معنے۔ فرمایا اس کی مدد کا یہ مطلب ہے کہ اسے آئندہ ظلم کرنے سے بچایا جائے اس لئے کہ اس طرح معنوی اس کی مدد کرنا ہے۔ ویسے ظالم کو ظلم سے روکنا بھی اس کی دینی مصلحت کے لحاظ سے اس کی مدد ہے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے اس کے ساتھ اس معاملہ کا نام "نصر" رکھا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) بگمراہ گفتن نکو میروی
گناہ بزرگست و جور قوی

② بگوی آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچکس را نیاید پسند

ترجمہ: ① گمراہ کو کہنا کہ ٹھیک کر رہا ہے یہ بڑا گناہ بلکہ سخت ظلم ہے۔

② فائدہ بخش بات کہہ دے اگرچہ کسی کو ناپسند ہو۔

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ج ان تعدلوا عدل سے ہے یا عُدُول سے یہاں ہر دونوں مراد ہو سکتے ہیں اگر عدل سے ہو تو معنے ہوگا کہ خواہشات کی تابعداری نہ کرو کہ کہیں حق سے روگردانی کر بیٹھو۔ وَاِنْ تَلْوٗٓا اور اگر تم اپنی زبانوں کو حق کی گواہی سے پھیرو گے یا حق کے فیصلہ سے روگردانی کرو گے بایں طور کہ حق کے طریق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جاؤ۔

حل لغات تَلْوٗٓا اَلَیٌ سے ہے بمعنی تاگر لپیٹنا اور بدل دینا اور گواہی میں کجی کا یہی مطلب ہے کہ اُسے تبدیل کرکے بیان کیا جائے۔ یا جس طرح واقعہ ہے اس کے خلاف بیان کیا جائے کہ خصمین سے کسی کی طرفداری کرکے واقعہ کے خلاف گواہی دے۔

اَوْ تُعْرِضُوْا یا روگردانی کرو گے شہادت کی گواہی نہ دینے سے۔ یہاں اعراض بمعنے گواہی چھپانے کے معنیٰ میں ہے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری گواہی کی غلطی یا اسے بالکل چھپا دینے کو خَبِيْرًا خوب جانتا ہے پھر اُس پر تمہیں سزا دے گا۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ قاضی (حاکم وقت) کے ہاں مدعی اور مدعا علیہ حاضر ہوں تو انہیں کسی کی طرفداری کرے یا صحیح فیصلہ نہ کرے یا اُن کے حقوق میں عدل و انصاف کو مدِنظر نہ رکھے۔ مثلاً ایک کے ساتھ نرمی دوسرے سے سختی یا کسی کو اشارہ کنایہ سے فیصلہ کی طرفداری کرے۔

مسئلہ اسی طرح گواہ اور عامۃ الناس کا حکم ہے اس لئے کہ آیت کا عموم سب پر دلالت کرتا ہے۔

حدیث شریف اس آیت کے نزول کے وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہے اسے چاہیئے کہ جس پر گواہی دینی ہے اُس پر ضروری گواہی دے اسی طرح جسے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہے اسے چاہیئے کہ جس کا حق دینا ہے اُس سے انکار نہ کرے اور اُس کی ادائیگی میں جلدی کرے حقدار کو دعویٰ کرنے کا موقعہ بھی نہ دے اس نیت پر کہ غلط سلط باتیں کرکے اس کے حقوق کی ادائیگی سے بچ جاؤں گا۔ تم میں جو بھی میرے ہاں فیصلہ لائے تو ... اس کے دلائل سُن کر اُس کے حق میں فیصلہ کر دوں حالانکہ اس کا وہ نہ ہو تو نہ لے اس لئے کہ فیصلہ تو ظاہر پر ہوتا ہے جس طرح میں نے فیصلہ کیا ہے اس نے اپنے فیصلہ کے مطابق غیر کا مال لیا تو میں اسے جہنم کا ٹکڑا دے ... (تفسیر المحرر الوجیز)۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ بعض ایسی صورتیں ہیں جہاں گواہی نہ دینا جائز ہے مثلاً سمجھے کہ اس کی گواہی سے کسی کا حق مارا جائے گا۔ یا اسے یقین ہو کہ قاضی (حاکم وقت) فاسق ہے اُس کی گواہی چنداں مفید نہیں یا اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

مسئلہ حدود میں گواہی نہ دینا افضل ہے اگرچہ گواہی دینا جائز بھی ہے۔

حدیث شریف ① حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب کسی نے آپ کے ہاں کسی کے حد میں گواہی دی) اگر تو اسے چھپا لیتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا۔

حدیث شریف ② حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے تو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اُس کے عیب چھپائے گا۔

حدیث شریف ③ ہر وہ شخص جو اپنے مسلمان بھائی کی اس حالت میں مدد کرتا ہے کہ اس میں اس کی عزت برباد ہوتی ہے اور اُس کے اعزاز و احترام میں فرق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی اُس وقت مدد فرمائے گا جہاں مدد کی اسے ضرورت ہو گی (یعنی قیامت میں) اور وہ شخص جو اپنے مسلم بھائی کو ایسے وقت میں رسوا کرتا ہے جہاں اُس کی بے عزتی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس وقت رُسوا کرے گا جہاں اسے مدد کی سخت ضرورت ہوگی (یعنی قیامت میں)۔

حدیث شریف ④ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جہاں تک ہو سکے اپنے مسلم بھائی کو حدود سے بچاؤ۔

حکایت امام ابو یوسف و زبیدہ خاتون منقول ہے کہ کسی مسلمان نے ایک ذمی کافر کو عمداً قتل کر دیا حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ مسلمان کو اُس کے بدلہ میں قتل کر دو۔ بی بی زبیدہ (ہارون رشید کی اہلیہ) کو معلوم ہوا تو بی بی نے امام ابو یوسف کو کہلوا بھیجا کہ مسلم کو قتل کرانے کے فیصلہ پر نظرِ ثانی فرمائیں اور بی بی زبیدہ کو اہلِ اسلام سے بہت محبت تھی۔ پھر یہ معاملہ طول پکڑ گیا یہاں تک کہ اس کی نوبت ہارون الرشید تک پہنچی۔ اُس نے دنیا کے تمام فقہائے کرام کو جمع فرمایا انہیں میں امام ابو یوسف بھی شامل تھے۔ دعویٰ کے دلائل سن کر ہارون رشید نے کہا کہ مسلمان کو ذمی کافر کے بدلہ میں قتل کرنا واجب ہے امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مسلمان کو اس وقت تک قتل کرنا واجب نہیں جبتک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مسلمان نے اس کافر کو قتل کیا تھا تو اس سے قبل یہی کافر اپنا جزیہ ادا کر چکا تھا۔ بہت بڑی تحقیق و تفتیش کے باوجود بھی ادائیگی جزیہ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا اس طرح وہ مسلمان قتل ہونے سے بچ گیا۔

نوروا دار یکہ من بے جگتی
بر نہم اندر شہر باطل ستتی

ترجمہ: کیا تو اسے جائز رکھتا ہے کہ میں بلا دلیل شہر میں باطل طریقہ جاری کروں۔

تفسیر صوفیانہ شہداء اللہ میں عوام مومنین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ توحید اور وحدانیت کی عدل و انصاف کی گواہی دیں یہاں تک کہ دم واپسین کے وقت بھی اُن کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق گواہی دے دیں اور خواص کے لئے حکم ہے کہ وہ فردانیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری دیں اور خواص الخواص کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے وجود سے غائب اور اللہ تعالیٰ کے لئے فنا فی اللہ ہو کر وحدۃ کے ساتھ اس کے شہود کی گواہی دیں۔

فائدہ خواص میں ملائکہ کو بھی شرکت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ اس آیت سے اُولُوا العلم سے انبیاء کرام اور مخصوص اولیاء کبار (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) مراد ہیں۔ اس لئے کہ اخص الخواص سے یہی مراد ہوتے ہیں۔ اور تمام عالم میں صرف یہی اولوا العلم ہیں اور اُن کی شہادت کو (شَهِدَ اللّٰهُ) اللہ کی گواہی یعنے شہود کے ساتھ شرکت ہے۔ اس شہود میں ملائکہ کرام کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ وہ بھی قائم بالقسط ہیں۔ (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا یہ خطاب تمام اہل اسلام کو ہے۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور اس کی اس کتاب پر جو اپنے رسول علیہ السلام پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو آپ سے پہلے نازل کی ہے ایمان لاؤ۔

فائدہ یہاں پر ایمان لانے سے مداومت اور اطمینانِ ایقان میں اضافہ یا ایمان کی تفصیل مراد ہے اس لئے کہ ان پر بعض کو اجمالی ایمان لانا بھی کافی ہے۔

سوال علیٰ رسولہ کے ساتھ نزل (باب تفعیل) و انزل من قبل کو باب افعال کیوں؟

جواب قرآن پاک چونکہ تدریجاً اُترا ہے اس کے لئے باب تفعیل مناسب ہے اور تمام کتابیں یکبارگی اتریں اس لئے اُن کے لئے باب افعال مناسب ہوا اور یہاں پر پہلی "الکتاب" سے قرآن مجید اور دوسری الکتاب سے تمام آسمانی کتابیں مراد ہیں چنانچہ انہیں دوسرے مقام پر "وَكُتُبِهٖ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مسئلہ ایک کتاب پر ایمان لانا گویا تمام کتابوں پر ایمان لانا ہے اس لئے کہ یہ کتاب بھی منجملہ اُن کتب سے ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی مخصوص نبی علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ صرف اس لئے کہ وہ اپنی امت کو اوامر و نواہی بتائیں اور اپنے دین کی باتوں سے اُن کی رہبری کریں۔ یہ معنے نہیں کہ وہ تمام کتب اُسی رسول کی ہیں۔ بلکہ صرف وہی کتاب اس مخصوص رسول

علیہ السلام پر نازل ہونے کی حیثیت سے ایمان لانا ضروری ہے اور یوں نہ ماننا چاہیئے کہ ان تمام کتب کے احکام و شرائع تا حال باقی ہیں اور نہ ہی یوں ایمان لایا جائے کہ اُن کے جتنے احکام و شرائع باقی ہیں۔ وہ انہی کتب کی حیثیت سے ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ہماری اس کتاب میں مندرج ہیں اور اس کے تمام احکام و شرائع حق اور ثابت ہیں جب تک کہ وہ منسوخ نہیں ہوئے بلکہ منسوخ ہونے کے بعد تقایا جملہ احکام و شرائع کو اس کتاب سے منسوب ہونے کی حیثیت سے حق مانا جائے گا اور ایمان رکھنا ہوگا کہ اس کتاب کے احکام نسخ و تبدیل ہونے سے محفوظ و مامون ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین کے نزدیک یہ خطاب منافقین کو ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے منافقو ایمان میں خلوص پیدا کرو۔ منافقت یہی ہے کہ صرف زبان سے اقرار ہو لیکن دل اس کی تصدیق نہ کرے۔ اور ایمان با اخلاص یوں ہے کہ جیسے زبان سے اقرار ہو ویسے ہی دل بھی تصدیق کرے۔

شانِ نزول یہ خطاب اہل کتاب کے اہل ایمان کو ہے کہ حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی رضی اللہ عنہم حضور علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم آپ پر اور آپ کی کتاب اور موسیٰ علیہ السلام اور تورات اور عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے باقی سب سے ہم کفر کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایمان لاؤ۔ ایسا کہ عام ہو اور تمام کتب اور رسول علیہم السلام کو شامل ہو۔ اس لئے کہ بعض کو نہ ماننا تمام کو نہ ماننے کے برابر ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور کتابوں اور رسولوں اور یوم آخرت سے کفر کرتا ہے یعنی انہیں سے کسی ایک کو نہیں مانتا اس لئے کہ بعض کو نہ ماننا سب کو نہ ماننے کے مترادف ہے اس لئے ان پر ایمان لانے کا امر پہلے لایا گیا اس بناء پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ ملائکہ اور یوم آخرت سے کفر کرنے سے بھی ایمان ثابت نہیں ہوتا رُسل و کتب کو جمع لانے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اُن میں سے کسی ایک پر ایمان نہ لانا سب پر ایمان نہ لانے والی بات ہے اور رسول کی تقدیم اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ کتاب کو اس حیثیت سے ماننا ہے کہ اُس رسول علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے اور ملائکہ کی تقدیم بھی اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ سے رُسل علیہ السلام پر کتابیں لانے والے ہیں۔ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ پس تحقیق سیدھے سے بہت دُور جا پڑا اور منزل مقصود سے اتنا بعید ہو گیا کہ اُس کا واپس پہنچنا مشکل ہو گیا ہے۔

عقیدہ سب سے پہلے انسان پر واجب ہے کہ وہ یقین کرے کہ اس کا ایک معبود ہے کہ جس کی وہ عبادت کرے گا اور اُسے دلائل و براہین سے مانے۔ اس لئے کہ اگرچہ مقلد کا ایمان بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک معتبر ہے لیکن دلائل و براہین کے ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اس لئے کہ سب سے پہلے حجت و برہان ضروری ہے اس کے بعد مشاہدہ و میان پھر فنا فی اللہ کا مقام نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ عوام کا ایمان یہ ہے جسے حدیث شریف میں بیان کیا گیا کہ مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور اُس کی تمام کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے اور یقین کرے کہ جنت و نار اور اُس کی بھلی اور بُری تقدیر حق ہے اسے ایمان غیبی کہتے ہیں مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) بندگی در غیب آید خوب و کش
حفظ غیب آید استعباد خوش

(۲) طاعت و ایمان کنوں محمود شُد
بعد مرگ اندر عیاں مردود شُد

ترجمہ (۱) بندگی غیبی بہتر ہے بہتر ہے اس غیبی عبادت کی حفاظت بہت خوب ہے۔
(۲) وہی ایمان و طاعت محمود ہے جو بوقت عیان حقیقت کی طرف لوٹ کر آئے۔

اور خواص کے ایمان کا مرتبہ یہ ہے کہ اس کا ایمان عیانی ہو وہ اسی طرح کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ متجلی ہو تو بندہ اپنے وجود کے تمام اجزاء جھکا دے اور عیانی طور ایمان لائے۔ جبکہ اس سے قبل غائبانہ صرف قلب سے مانتا تھا اگرچہ اُس کے قلب کو ہر طرح سے ٹھکراتا رہا اس لئے کہ نفس روائح الغیب کی تسنیم سے محروم تھا جب اللہ تعالیٰ نے جبل پر اپنا جلوہ ڈالا تو موسیٰ علیہ السلام کا نفس بے ہوش ہو کر گر پڑا تو نفس اس مقام پر بمنزلہ موسیٰ علیہ السلام کے ہوتا ہے جب وہ ہوش میں آئے تو کہا۔ میں نے توبہ کی اور اب میں پہلا ایمان والا ہوں اور ایمان میں اخص کا مرتبہ یہ ہے کہ اُس کا ایمان عیانی ہوتا ہے لیکن انانیت کے حجابات اُٹھا دینے کے بعد اور یہ حجابات اس وقت اُٹھتے ہیں جب صفت جلال کے انوار چمکتے ہیں۔ اس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی صفت جلال سے فانی بنا کر صفت جمال میں بقاء بخشتا ہے۔ اب ذین سے نکل کر مقام عین میں پہنچتا ہے۔ اس لئے اس کا ایمان عیانی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو دیکھئے جب وہ شب معراج تشریف لے گئے تو جب مقام قاب قوسین تک پہنچے تو مرتبہ این میں تھے لیکن انہیں عنایات ربانیہ نے اپنی طرف اَوْ اَدْنٰی کے جلووں سے کھینچا تو اُن کی طرف خصوصی پیغامات پہنچنے لگے جسے اَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی میں بیان کیا گیا آپ نے اس پر ایمان لایا اور وہ ایمان عینی تھا یعنی آپ نے ذات حق کی صفات کو صفات حق سے اور ذاتِ حق کو ذات سے مانا اس طرح آپ کا تمام وجود مومن باللہ ہو گیا۔ اور آپ کا ایمان بھی عینی اور آپ کی ذات وصفات بھی۔ اس پر آپ نے دوسروں کے ایمان کو یوں بیان فرمایا کہ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ یعنی اپنے وجود کی ہویت کو مدِّ نظر رکھ کر انہوں نے ایمان قبول کیا (التاویلات النجمیہ) اور حقیقی ایمان بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہی حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔

حکایت مثنوی شریف میں ہے کہ حضرت بایزید رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک کافر تھا اسے لوگوں نے کہا کہ ایمان قبول کرے تجھے دائمی سرور اور نجات نصیب ہوگی۔ اُس نے کہا اگر بایزید والے ایمان کی دعوت دیتے ہو تو وہ مجھ جیسے سے مشکل ہے۔ اگرچہ مجھے اُن سے دلی طور سا ایمان اور پُورا یقین ہے۔ کیا ہوا کہ میں اس کا زبان سے اقرار نہیں کرتا لیکن دل تو مانتا ہے۔ ایمان بھی اس قلبی تصدیق کو کہا جاتا ہے۔ اگر تم کہو کہ میں تمہارے جیسے ایمان پر ایمان لاؤں تو پھر یقین مانو کہ نہ مجھے ایسے ایمان کی ضرورت ہے اور نہ ایمان لاتا ہوں۔ اس لئے کہ اُلٹا تمہارے ایمان کو دیکھ کر دل کھٹا ہوتا ہے کیونکہ تم گفتار کے غازی ہو کردار تمہارا اس کے خلاف ہے۔

سبق تفرید و تجرید کی طرف مؤمن ذکر و فکر اور توحید سے پہنچ سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی توحید کا دامن مضبوط پکڑ اور نیک اعمال بھی نہ چھوڑ اس لئے کہ واقم الصلوٰۃ میرا خصوصی مشغلہ ہے۔ اور اس میں ہی میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھ اس لئے کہ وہ میری دل کی ڈھارس ہے اور علم کو حاصل کیجیئے اس لئے کہ وہ میرا موروثی ترکہ ہے (اے اللہ تعالیٰ ہمیں اس میراث سے محروم نہ رکھ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے یعنی یہودی ثُمَّ کَفَرُوْا پھر وہ کافر ہوئے بچھڑے کی پرستش کر کے ثُمَّ اٰمَنُوْا پھر وہ ایمان لائے بچھڑے کی پرستش سے توبہ کر کے۔ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا پھر وہ کفر میں بڑھے) یعنی حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے ازداد لازم اور متعدی ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "ازداد مالا" وہ مال میں بڑھا۔ اور زدتہ لنفسی میں نے اسے اپنے لئے بڑھایا۔ اور اسی قانون پر ہے وزدادو تسعًا انہوں نے نو اور بڑھ لئے۔ لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہے لِیَغْفِرَ لَھُمْ تاکہ اُن کی مغفرت کرے جبتک وہ کفر میں ہیں وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا اور اُس کا ارادہ نہیں کہ انہیں سیدھا راہ دکھائے یا اس کا ارادہ نہیں کہ انہیں سیدھے راہ پر چلنے کی توفیق بخشے بلکہ انہیں کفر کی سزا دیتے ہوئے دائمی طور رسوا کرے گا۔

سوال جب اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ کافر کو نہیں بخشتا پھر ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا بار بار کیوں فرمایا؟

جواب یہ بھی اُس کا قاعدہ ہے کہ کافر جب ایمان لاتا ہے تو اُس کا کفر بھی بخش دیا جاتا ہے گو وہ از سر نو ہی مؤمن ہو جب مُرتد ہوتا ہے تو اس کا پہلا کفر بھی نہیں بخشا جاتا۔ یہی مفہوم ہے جملہ عبارت اِنَّ ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا کا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بوجہ اُن سے تہکم کے انذر وا خبر کے بجائے بشر فرمایا گیا ۔ یعنی منافقین کو بتا دیجئے بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ کہ اُن کے لئے ایسا دردناک عذاب ہے جو اُن کے دلوں پر اثر انداز ہوگا ۔

شانِ نزول اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ ایک دفعہ بظاہر ایمان لائے لیکن دل انکار کرتا رہا اور اسی پر اصرار کرتے ہوئے بار بار اہل اسلام کو نقصان پہنچایا ۔

ۨالَّذِيْنَ یہ وہ لوگ ہیں يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ جو کافروں (یہودیوں) کو بناتے ہیں ۔ اَوْلِيَآءَ اپنے معین و مددگار اور دوست مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ یہ یتخذون کے فاعل سے حال ہے یعنی مؤمنین مخلصین کی دوستی سے متجاوز ہو کر کافروں یہودیوں سے دوستی جوڑے گئے ہیں اس لئے کہ منافقین کی عادت تھی کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی کا دم مت بھرو تاکہ ان کا کام نہ بن جائے بلکہ یہودیوں سے دوستی جوڑو ۔ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ کیا کفار سے دوستی اور محبت کر کے قوت و غلبہ چاہتے ہیں کفار کی دوستی و محبت سے انہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ترین مخلوق ہیں ۔ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ اس لئے کہ تمام عزت و غلبہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔ استفہام انکاری سے جو ثابت ہوتا ہے کہ اُس کی علت بتائی جا رہی ہے کہ وہ منافقین سراسر غلط اور اُن کی تمام امیدیں خاک میں مل ہوئی ہیں اس لئے کہ عزت جملہ افراد کا کا انحصار اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اُسے سوائے اللہ تعالیٰ کے پیاروں اور دوستوں کے اور کوئی نہیں حاصل کر سکتا ۔ انہیں غلبہ ہے اور انہیں کے لئے فتح و نصرت ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا لِلّٰهِ العِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا غیروں سے عزت و غلبہ اور فتح و نصرت کی اُمید رکھنا بے کار ہے[1] ۔ جَمِيْعًا ۔ للہ کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے اس لئے کہ اس حال کو مبتدأ پر اعتماد ہے وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر نازل فرمایا ہے ۔ یہ خطاب بطریق التفات منافقین کو ہے اور جملہ تیخذون کے فاعل سے حال ہے ۔

شانِ نزول مفسرین فرماتے ہیں کہ اہل مکہ یعنے مشرکین کی عادت تھی کہ قرآن کریم کی آیات کا ذکر چھیڑ کر ہنسی و مذاق کرتے تھے اپنی اپنی مجالس کو اس مشغلہ سے گرم رکھتے ۔ سورہ انعام میں اُن کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی کہ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ جب دیکھو ان لوگوں کو جو ہماری آیات میں غور و خوض کرتے ہیں تو ان سے روگردانی فرمائیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں غور و خوض میں لگ جائیں ۔ اور یہ سورہ انعام بھی مکیہ ہے ۔ اسی طرح پھر مدینہ طیبہ یہودیوں نے مشغلہ بنا رکھا تھا جیسے مشرکین مکہ

---

[1] معلوم ہوا کہ غیروں سے مراد دشمنانِ خدا ہیں اور انبیاء و اولیاء غیر نہیں بلکہ وہ مظاہر حق ہیں ان کا معاملہ ذات حق کا معاملہ ہے ۱۲ ۔ اُویسی ۔

کرتے تھے اُن کے ساتھ منافقین بیٹھ کر قرآنی آیات کا مذاق اُڑاتے اللہ تعالیٰ نے ان منافقین سے فرمایا وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ یعنی تمہارے سے پہلے مکہ میں اسی طرح کا حکم نازل فرمایا۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم اگرچہ خصوصیت سے حضور علیہ السلام پر نازل ہوا ہے لیکن اُس کے احکام کے موارد عوام ہیں۔

فِي الْكِتٰبِ کتاب یعنی قرآنِ کریم میں۔ اَنْ مخفف ہے یعنی شان یہ ہے کہ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیات سنتے ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ قرآنی آیات سے یہودی ہنسی مذاق کرتے ہیں اور یہ اُن کے ساتھ ہو جاتے یا برضا و رغبت سُنا کرتے اس لئے اُن کے لئے کبھی رؤیت سے کبھی سماع سے تعبیر کیا گیا ہے۔
يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا ان آیات سے کفر اور استہزا کیا جاتا ہے یعنی وہ آیات مکفور و متہزیٔ بہا ہیں بہا فاعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے دراصل يكفر احد بِهَا ويستهزاُ الخ تھا۔ فَلَا تَقْعُدُوْا یہ شرط کی جزا ہے مَعَهُمْ پس ان کافروں کے ساتھ مت بیٹھا کرو۔ ہم نے اس کا مخاطب کافروں کو اس لئے بنایا ہے کہ يكفروا وَيستهزاُ سے وہی مدلول ہے۔

حَتّٰى يَخُوْضُوْا یہاں تک کہ وہ گفتگو میں لگ جائیں الخوض بمعنے "درحدیث شدن" ہے فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ غیر قرآن کی گفتگو میں۔ حتّٰی نہی کی غایت کے لئے ہے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جب وہ قرآن کی آیات سے کفر و استہزا نہ کریں تو ان کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے۔

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُن سے روگردانی ان کی مجالسِ مخالفت کی وجہ سے ہے نہ کہ اُن سے قلبی یا صرف ظاہری طور اعراض مراد ہے۔

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اس وقت تم بھی اُن کی مثل ہو گے یہ جملہ مستانفہ ہے تنزیل کے حکم میں داخل نہیں اسے صرف نہی کی علت بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے یہ اذن ملغٰی عن العمل ہے۔ اس کے بعد کے ماقبل پر اعتماد کی وجہ سے اسے عمل نہیں دیا گیا یعنی اذن کو مبتدا و خبر کے درمیان ہونے کی وجہ سے عمل دیا گیا۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ کفار کے آیات سے کفر و استہزا کے وقت مت بیٹھو اس لئے اگر تم اُن کے ساتھ بیٹھو گے تو تم بھی عذاب کے استحقاق اور کفر میں ان جیسے ہو جاؤ گے۔ اس لئے کہ کسی کے کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا بے شک اللہ تعالیٰ منافقین و کافرین کو جہنم میں جمع کرے گا۔ یعنی بیٹھنے والوں اور جن کے ساتھ بیٹھا گیا یعنی یہود اور کافروں کو یکجا جہنم میں بھیجے گا۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بیٹھنے والوں کو بھی کفر کی مجلس میں بیٹھنے سے کفر لازم ہو گیا فلہٰذا اس استلزام پر وہ بھی عذاب میں اُن کے شریک ٹھہرے۔

فائدہ یہاں دنیا میں جسے جس سے محبت و پیار ہے آخرت میں وہ اُسی کے ساتھ ہو گا یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ازل میں

انہی ارواح کو آپسمیں ایک دوسرے سے تعارف تھا چنانچہ حدیث شریف میں ہے ارواح ایک جمع شدہ لشکر ہیں پس کفار و منافقین کو یہاں آپس میں پیار و محبت ہے تو سمجھو کہ انہیں اس ازل سے ہی آپسمیں محبت و پیار تھا اسی طرح انہیں آپس میں اختلاف ہے یا اہل ایمان سے نفرت ہے تو یقیناً ازل میں ہی اسی طرح تھے۔

حکایت ایک عورت کی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ میں ایک عورت تھی کہ وہ قریش عورتوں کے ہاں حاضر ہو کر ہنساتی تھی۔ جب قریشی عورتیں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلی آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب سب پر ہجرت آسان کر دی تو وہ عورت بھی مدینہ طیبہ حاضر ہو گئی۔ ایک دن وہ میرے ہاں حاضر ہوئی میں نے کہا فلانی تو کیسے آ گئی۔ کہا تمہارے ہاں ملنے کے لئے آئی ہوں میں نے پوچھا کہ کس کے ہاں ٹھہری کہا فلاں ہنسانے والی عورت کے پاس یہ وہ عورت تھی کہ مدینہ والی عورتوں کو ہنساتی تھی۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اے عائشہ سنا ہے کہ مکہ میں ہنسانے والی عورت مدینہ طیبہ میں آئی ہے میں نے عرض کی ہاں آئی ہے آپ نے پوچھا وہ کہاں ٹھہری ہے میں نے عرض کی فلاں ہنسانے والی عورت کے پاس اس کا قیام ہے آپ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَنَّ الْاَرْوَاحَ جُنُوْدٌ الخ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہمہ مرغاں کنند با جنس پرواز

کبوتر با کبوتر باز با باز

ترجمہ: تمام پرندے اپنے ہمجنسوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں کبوتر کبوتر کے ساتھ باز باز کے ساتھ۔

ابد ازل کا آئینہ ہے اس میں وہی ظاہر ہوتا ہے جو ازل میں تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ فِیْ جَہَنَّمَ جَمِیْعًا اس لئے کہ یہ عالم ارواح میں بھی ایک ہی صف میں تھے اور دنیا میں چونکہ انکا ایک ہی فن تھا اس لئے یہاں بھی یکجا ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جیسے زندگی بسر کرو گے ویسے ہی مرو گے جس عمل پر موت آئے گی اُسی پر اُٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ارباب قلوب کو چاہیئے کہ ارباب نفوس کے ساتھ نہ بیٹھیں اور نہ ہی ان سے کسی معاملہ میں موافقت کریں اس لئے کہ ارباب نفوس کے کسی معاملہ میں موافقت کرو گے تو انہیں کی طرح ہو جاؤ گے۔ صاحبِ دل صاحب نفس کی طرح ہو جاتا ہے جب اُس کے ساتھ صحبت اور اُٹھنا بیٹھنا یا اُس کی تابعداری اختیار کرے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

نخست موعظۂ پیر مجلس ایں حرفست

کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

ترجمہ: پیر مجلس کی ایک ہی نصیحت کافی ہے کہ ناجنس کی صحبت سے کنارہ کرو۔

مسئلہ حضرت حدادی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ بری مجلس میں خواہ مخواہ بیٹھنا ناجائز ہے۔

مسئلہ اگر ضرورت ہو اور ان کے کردار سے دلی نفرت ہو اور ان سے روکنے کی جرأت بھی نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

حکایت حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میں آپ کی قوم سے چالیس ہزار نیک اور ساٹھ ہزار بدبخت تباہ کرنے والا ہوں۔ حضرت یوشع نے عرض کی یا اللہ بدبخت تو ہلاکت و تباہی کے لائق ہیں ان نیک بختوں کو کیوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان نیک بختوں سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے میری وجہ سے ان بدبختوں سے علیحدگی کیوں اختیار نہ کی اور ان سے ناراضگی کا اظہار کیوں نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ راضی خوشی کھاتے پیتے رہے۔

مسئلہ کسی کو حج یا جنگ میں کسی فاسق اور برے کے ساتھ سفر کرنے کا موقعہ ملے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس فاسق کی وجہ سے عبادات و اطاعت میں کمی نہ کرے بلکہ اس کی برائی کو دل سے برا مانے اور نہ ہی اس کی برائی سے راضی ہو ممکن ہے کہ اس فاسق کو اس کی صحبت سے توبہ نصیب ہو۔

مسئلہ جسے کسی دعوت پہ بلایا جائے لیکن وہاں لہو ولعب اور غنا وغیرہ ہو تو دعوت پہ جا کر واپس نہ لوٹے۔ اگر عام آدمی ہو اور اسے روکنے کی قدرت ہو تو روکے ورنہ خاموش رہے اور اگر وہ صاحب مرتبہ ہو جیسے قاضی و مفتی اور (حاکم وغیرہ) تو اسے چاہیئے کہ ان لوگوں کو برائی سے روکے۔ اگر وہ روکنے سے عاجز ہو تو دعوت چھوڑ کر چلا جائے اگرچہ دسترخوان پر بیٹھ چکا تھا اگر شراب پینے میں شروع ہو گئے تو بھی نکل جائے یہ عام آدمی کے لئے ہے خواص کے احکام اور ہیں۔

مسئلہ اگر اسے دعوت کے مکان میں پہنچنے سے پہلے ہی معلوم ہو جائے تو مذکورہ بالا تمام وجوہ میں اسے حکم ہے کہ نہ جائے (تحفۃ الملوک) اوپر جو لکھا گیا ہے کہ فسق کی وجہ سے عبادت و اطاعت میں کمی نہ کرے اس کی تائید میں مندرجہ ذیل حکایت ملاحظہ ہو۔

حکایت حضرت حسن اور حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہما کسی جنازہ پہ تشریف لے گئے تو وہاں عورتیں نوحہ کر رہی تھیں۔ حضرت ابن سیرین تو واپس چلے گئے لیکن حضرت حسن جنازہ کے لئے منتظر رہے اور نماز جنازہ پڑھ کر لوٹے آپ نے فرمایا یہ ان کا کام تھا ورنہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے اوپر جنازہ پڑھنا دین کا حق تھا۔ ہم دین کے حق کو برائی کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ اس لئے میں نے دین کا حق ادا کیا۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ ج منافقین تمہاری بھلائی برائی کے وقوع کے منتظر رہتے ہیں فَاِنْ کَانَ لَکُمْ اگر تمہارے لئے اے مومنو! فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت اور کامیابی اور غنیمت ہو۔ قَالُوْٓا تو تمہیں کہتے ہیں۔ اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ یعنی ہم بھی تمہارے دین میں ہیں فلہذا ہمارا بھی مال غنیمت سے حصہ نکالو وَاِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ

اور اگر کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے قَالُوْٓا تو کافروں کو کہتے ہیں اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ کیا ہم تمہارے ساتھ مسلمانوں پر غلبہ کرنے والے نہ تھے الاستحواذ بمعنے الاستیلاء یعنی ہم نے تمہارے ساتھ مل کر جنگ میں مسلمانوں کو قتل اور قید نہیں کیا اور تمہاری طرفداری نہیں کی وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور تمہیں مسلمانوں سے بچایا کہ ہم نے انہیں تمہارے اوپر حملہ کرنے سے روکا اور اُن کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالے کہ کسی طرح اُن کے دل پر رُعب چھا جائے اور وہ تمہارے اوپر حملہ نہ کرسکیں ورنہ وہ تمہیں قسم قسم کی تکالیف میں مبتلا کر دیتے ۔ فلہٰذا تمہیں جو کچھ جنگ سے مال و اسباب حاصل ہوا ہے اس سے ہمارا حصّہ بھی نکالو ۔

نکتہ مالِ غنیمت سے جو کچھ اہلِ اسلام کو نصیب ہوا اسے ظفر سے اور جو کفار کو جنگ سے حاصل ہوا اُسے نصیب سے تعبیر کرنے میں اہلِ اسلام کا شان مطلوب ہے کہ جو کچھ اہلِ اسلام کو نصیب ہوتا ہے وہ ایک امرِ عظیم ہے جو انہیں من جانب اللہ ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو عطا کرتا ہے اور جو کچھ کافروں کو ملتا ہے وہ اُن کے دنیوی اسباب کی وجہ سے ہے اور دنیوی اسباب ایک خسیس شے اور سریع الزوال ہے ۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ پس اللہ تعالیٰ مؤمنین و منافقین کے مابین فیصلہ فرمائے گا ۔

سوال سابق مضمون میں مخاطبین و غائبین ہر دونوں کا ذکر ہے پھر یہاں خطاب کیسا ؟

جواب یہ خطاب تغلیبی ہے ۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی قیامت میں ہر ایک کے لئے اُس کے شان کے لائق فیصلہ ہوگا مؤمن کو جزا اور کافر و منافق کو سزا ۔ دنیا میں اُسے مہلت دی جاتی ہے کہ جس نے زبان سے کلمۂ اسلام پڑھ لیا تو اس کے لئے فیصلہ فرمایا کہ اس پر نہ تلوار چلائی جائے اور نہ اُسے مارا جائے ۔ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا اور مؤمنین پر کافرین کا کوئی راہ نہیں بنائے گا ۔ کہ قیامت میں مؤمن پر کافر فوقیت حاصل کرے البتہ دنیا میں استدراجًا (مہلت کے طور) کبھی غالب کرتا ہے اور کبھی مغلوب ۔

آیت کی پہلی تقریر قیامت میں اللہ تعالیٰ مؤمن کے ایمان کا اثر یوں ظاہر فرمائے گا کہ مؤمن کے ساتھ کئے ہوئے وعدے پورے فرمائے گا کہ اس وقت کی لذتوں میں کفار شریک نہیں ہوں گے جیسے وہ آج کی نعمتوں میں اہلِ ایمان کے ساتھ شریک ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ حق پر اہلِ ایمان ہیں ۔ اگر آخرت میں کفار کو بھی اہلِ ایمان کا شریک ٹھہرایا جائے تو وہ اہلِ ایمان سے کہیں گے ہم اور تم سب برابر ہیں ۔ تمہیں ایمان و اعمالِ صالحہ نے کسی قسم کا فائدہ نہ دیا اس وقت بھی ہم تمہاری نعمتوں میں تمہارے شریک ہیں ۔

دوسری تقریر آیت میں سبیل فی الدنیا مراد ہو تو سبیل سے حجت مراد ہے اس لئے کہ اہلِ اسلام کی حجت تمام مذاہب پر غالب ہے اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا ۔

تیسری تقریر آیت میں سبیل سے دائمی دولت مراد ہے اس لئے کہ دولتِ دائمہ کفار کو کبھی نصیب نہیں ہوگی اگر چند روز انہیں ملی تو پھر اُن سے چھین لی گئی اور اہل اسلام کو ہر دور میں غلبہ رہا۔ اگر کفار کو کچھ نصیب ہوتا ہے تو استدراجًا یا اُن کے مکر و فریب میں ڈالنے کے لئے۔ اسی طرح یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

قرب قیامت کا ایک منظر حضرت کعب فرماتے ہیں جب حضرت عیسٰی علیہ السلام اور جملہ اہل ایمان یاجوج ماجوج سے فراغت پائیں گے تو ایک بہت بڑی گرد و غبار اُٹھے گا وہ ایک ہوا ہوگی جسے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجے گا۔ یہی اہل اسلام کا پچھلا گروہ ہوگا جو دنیا سے رخصت ہوگا۔ اس کے بعد ایک سو سال لوگ دنیا میں گذاریں گے انہیں نہ کسی دین کا علم ہوگا اور نہ کوئی طریقہ۔ آپس میں گدھوں کی طرح لڑ مریں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب سے مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے اس وقت سے جہاد جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کا آخری گروہ دجال سے لڑے گا۔

نکتہ فیصلہ اس لئے ہوگا کہ ظاہر ہو جائے کہ اہلِ عزت و کرامت کون ہیں اور اہل عزت و اہل ندامت کون اس کی مثال یوں ہے کہ حمام میں ہر قسم کے لوگ جمع ہو جائیں معلوم نہ ہو سکے کہ اُن میں تندرست کون ہے اور بیمار کون۔ پھر اس میں شمع روشن کی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ تندرست ہے اور یہ بیمار۔ اور یہ زخمی۔

آیت کی چوتھی تقریر کفار کا اہل اسلام پر کوئی چارہ کار نہیں اس لئے کہ اُن کے مکر و فریب کا وبال اور اس کی سزا انہیں کی طرف لوٹتی ہے اور حق چونکہ منجانب اللہ اہل اسلام کو نصیب ہوا ہے اس لئے حق کی مدد حق والوں کو نصیب ہوگی اور باطل والوں کو حق ذلیل و خوار کرتا ہے۔

باطل کی علامت باطل جتنا تیزی سے ابھرتا ہے اتنا جلد تر مٹتا ہے۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ وہ دینی امور میں ہمت بلند کرے اور علم یقین کے حصول میں جد و جہد کرے۔ فتوحاتِ اُخرویہ سے غفلت کر کے فتوحاتِ دنیویہ کا انتظار نہ کرے اس طرح وہ فتوحاتِ غیب و مشاہدہ حق سے محروم ہو جائے گا حالانکہ یہی اہم امر تھا کہ اس سے ہی وصول الی الحق نصیب ہوتا ہے۔

اعجوبہ سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا بہشت میں بعض ایسے اولیاء اللہ بھی ہوں گے کہ آنکھ جھپکنے کی دیر اگر اللہ تعالیٰ اُن سے محجوب ہو تو فریاد کریں گے جیسے دوزخی جہنم کی تکلیف کو دیکھ کر جہنم سے نکلنے کے لئے فریادی ہوں گے۔

نکتہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام عوام میں تھے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی خاص پرورش سے تربیت پا رہے تھے لیکن پھر بھی عوام جیسی غذا طلب کرتے مثلاً کہا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ لیکن جب

(باقی صـ۳۲۲)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ
قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ مُّذَبْذَبِيْنَ
بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ
سَبِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ ۙ
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا
يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

ترجمہ: بے شک منافق لوگ اپنے گماں میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہ ہی انہیں غافل کر کے مارے گا اور جب نماز سے کھڑے ہوں تو ہارے جی سے اور لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کی یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ ادھر نہ ادھر کے اور جسے اللہ گمراہ کرے تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا اے ایمان والو کافروں کو دوست نہ بناؤ مسلمانوں کے سوا کیا چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کے لئے صریح حجت کر لو۔ بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہیں اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور سنورے اور اللہ کی رسی مضبوط تھامی اور اپنا دین خالص اللہ کے لئے کر لیا تو یہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ مسلمانوں کو بڑا ثواب دے گا اور اگر تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ اور اللہ ہے صلہ دینے والا جاننے والا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ بے شک وہ منافقین اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں یعنی وہ طریقہ رکھتے ہیں جو دھوکہ بازوں کا ہے وہ ایمان ظاہر کرتے ہیں اور دل میں کفر چھپائے رکھتے ہیں۔ وَهُوَ خَادِعُهُمْ اور اللہ تعالیٰ اُن سے وہی معاملہ کرے گا جو دھوکہ کے طور کیا جاتا ہے مثلاً دنیا میں اُن کی جان و مال کی حفاظت کرنا اور آخرت میں ان کے لئے جہنم کے نچلے طبقات میں جگہ بنانا اور دنیا میں رسوائی اور

عذاب میں مبتلا کرنا سخت تکلیفیں دینا۔ رعب میں ڈالنا اور دوسری تکالیف میں رکھنا۔

حدیث شریف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت میں اہل ایمان کی طرح اُن کے لئے نور لایا جائے گا اس نور کی برکت سے مومنین پُل صراط پر آسانی سے چل پڑیں گے اور منافقین کے لئے وہ نور بجھ جائے گا پھر منافقین اہل ایمان سے عرض کریں گے کہ اپنا نور ہمارے لئے لاؤ تاکہ ہم بھی پل صراط سے آسانی سے گزر سکیں۔ ملائکہ کرام انہیں پلصراط پر جواب دیں گے کہ تم اپنا نور تلاش کرو اور پیچھے مُڑ کر جہاں سے لاسکو لاؤ لیکن وہ واپس نہ جاسکیں گے اور نہ ہی انہیں کچھ طاقت ہوگی اس کیفیت کو دیکھ کر مؤمن گھبرا جائیں گے کہ کہیں ان کا نور بھی بجھ نہ جائے اس لئے کہیں گے رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اے اللہ ہمارا نور مکمل فرما اور ہمیں بخش دے بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى اور جب وہ نماز کے لئے سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں یعنی نماز کے لئے بوجھل نظر آتے ہیں اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ مجبور ہو کر کھڑے ہیں اُن کا نماز کے لئے جی نہیں چاہتا۔ سوال ہوتا تھا کہ کسالی کا کیا مطلب ہے اس کے جواب میں فرمایا يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وہ اپنی نماز میں ریاء اور شہرت کو دخل دیتے ہیں تاکہ لوگ انہیں مؤمن سمجھیں وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اس کا یراؤن پر عطف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا

(بقیہ صنـ۳۲)

اللہ تعالیٰ کے خواص (انبیاء و اولیاء) کے مرتبہ کو پہنچے تو پھر دنیوی و آخروی تمام نعمتوں کو نظر انداز کر کے عرض کی رب اَرِنی انظر الیک غور کیجئے کہ زمانہ عامیان میں کھانے پینے کی آرزو کی لیکن جب اعلیٰ مقام کو پہنچے تو پھر رفع حجاب اور وصال رب الارباب کی تمنا کی۔

فائدہ حجاب عشاق کے لئے ہیں ہی نہیں اور نہ ہی ان کے لئے دربان۔ البتہ پردے اس کے لئے لٹکے ہوئے ہیں جو تعلقات و اسباب میں جکڑا ہوا ہے اسی طرح شراب وصال کے بدلے ہر جگہ بھرے پڑے ہیں لیکن محروم کو نہ نظر آتے ہیں اور نہ پی سکتا ہے۔ محبوب کو اُلٹا عشاق کا انتظار ہے لیکن محروم القسمۃ خود پردے میں ہے اور پردے یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دوری اور ماسوا اللہ سے دوستی اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے فارغ۔ لیکن دوسرے مشاغل میں منہمک۔ دراصل مشرک وہ ہے جو غیر پر بھروسہ کرتا ہے اس لئے ایسے بندے کو راہِ حق نصیب نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسے انسان کو اُس سایہ کے نیچے بیٹھنے کا وقت ملتا ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

تو محرم نیستی محروم ازانی

دہ نامحرماں اندر حرم است

ترجمہ: چونکہ تم محرم راز نہیں اس لئے محروم ہے

ذکر نہیں کرتے اِلَّا قَلِیْلًا ؁ مگر تھوڑا۔ اس لئے کہ انہیں ذکر کا صرف اتنا وقت ملتا ہے جتنا وہ لوگوں کے سامنے ہوتے ہیں اور عموماً لوگوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کا وقت تھوڑا میسر آتا ہے۔

مسئلہ آیت میں ذکر سے تسبیح وتہلیل مراد ہے۔

فائدہ کشاف میں لکھا ہے کہ عموماً مدعیان اسلام کے ساتھ ہمیں عرصہ دراز تک شب و روز اٹھنے بیٹھنے کا موقعہ ملتا ہے لیکن اُن سے تسبیح وتہلیل کبھی سنائی نہیں بلکہ دنیوی باتوں میں اتنے مشغول ہوتے ہیں کہ بولتے تھکتے نہیں لیکن ذکرِ الٰہی کے متعلق تصور تک نہیں ہوتا۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ؁ یہ یُرَاؤُن کے فعل سے حال ہے۔ ذٰلِكَ کا اشارہ ایمان وکفر کی طرف۔

سوال اس سے پہلے تو صراحتہً ایمان وکفر کا بیان نہیں پھر ذلك کا ان کی طرف اشارہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب صراحتہً نہیں لیکن دلالتہً ہر دو لوں ایمان وکفر مذکور ہو چکے ہیں اور ذلك کا اشارہ مدلول اُمور کی طرف بھی ہوا کرتا ہے یعنی منافقین ایمان وکفر کے درمیان متحیر پھرنے والے ہیں۔

حل لغات یہ ذبذبہم الشیطان ؐ ذا السَّوَا بَيْنَهُمَا کے محاورہ سے ہے یعنی انہیں شیطان اور خواہشاتِ نفسانیہ نے اپنے درمیان حیران وسرگردان کر رکھا ہے اس کا حقیقی معنیٰ مَا يُذَب وَيُدْفع عن كلا الجانبين مرة بعده اُخری " یکے بعد دیگرے ایک جانب کسی کو دفع کرنا ہے۔

لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ ؁ نہ وہ ادھر کے اور نہ وہ اُدھر کے۔ یہ مذبذبین کی ضمیر سے حال ہیں یعنی وہ نہ مؤمنین کی طرف منسوب ہیں کہ انہیں مؤمن کہا جائے اور نہ وہ مشرکین کی طرف منسوب ہیں کہ انہیں مشرکین کہا جائے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ ؁ اور جن کی ہدایت وتوفیق کی استعداد مفقود ہے تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا۔ پھر تم اُن کے لئے کوئی راہ نہ پاؤ گے یعنی انہیں وہ نصیب نہیں ہوگا جو انہیں حق وصواب حاصل ہو چہ جائیکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات تک راہ مل سکے اور یہ خطاب عام ہے جو بھی اس خطاب کا اہل ہے سب کو شامل ہے۔

کفر وایمان ونفاق کی ایک عجیب مثال

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافر و مؤمن و منافق کی ایک نہر کی مثال دی کہ یہ تینوں ایک نہر پر پہنچیں تو مؤمن نہر کے پار چلا جائے لیکن کافر ڈر کے مارے نہر کے کنارے کھڑا ہو جائے اور منافق نہر میں چھلانگ لگا دے لیکن نہر کے درمیان جا کر ڈبکیاں کھانے لگے تو مؤمن کہے آجا۔ کامیاب ہو جائے گا۔ ادھر کافر کہے کہ واپس آجا ورنہ تباہ و برباد ہو جائیگا وہ منافق ہر دونوں کی بات سن کر متردد و متحیر ہو کہ اب کیا کروں نہ آگے جاتا ہے نہ پیچھے۔ ادھر پانی کا زور پڑا تو وہ پانی میں غوطے کھانے لگے۔ بالآخر پانی کی موجوں میں مر جائے۔

(۱) اے کہ داری نفاق اندر دل
خار بادت خلیدہ اندر حلق

(۲) ہر کہ سازد نفاق پیشہ خویش
خوار گردد نزد خالق و خلق

ترجمہ: (۱) اے فلاں تو دل میں منافقت رکھتا ہے خدا کرے تیرے حلق میں کانٹا چبھے۔

(۲) جو منافقت کا طریقہ رکھتا ہے وہ خالق و مخلوق ہر دونوں کے نزدیک خوار و ذلیل ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ الخ میں اشارہ ہے کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دھوکہ دیتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں انہیں محروم رکھا۔ جب ازل میں اپنا نور ارواح پر ڈالا۔ مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اندھیرے میں مخلوق پیدا فرمائی پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ وہ نور مؤمنین کے ارواح پر پہنچ گیا لیکن منافقین و کافرین کے ارواح اس نور سے محروم رہ گئے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ منافقین نے وہ نور دیکھ لیا تو سمجھے کہ وہ نور ہمیں بھی ملا ہے اور کافر دل کو سرے سے وہ نور نظر ہی نہ آیا اس طرح سے ازل سے دھوکہ ہوا جسے خادعھم الخ سے تعبیر کیا گیا اور وہ نور کے دیکھنے کی برکت ہے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے جیسا کہ فرمایا کما قال وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ لیکن اس نور کو جیسے دیکھا ایسے ہی نماز بھی لوگوں کے لئے بطور ریا ادا کرتے جیسا کہ فرمایا کما قال قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ اور ذکر بھی کرتے ہیں تو صرف زبان سے اور ان کے قلوب غافل ہیں اور زبان دنیا کے قالب سے ہے اور دنیا خود بھی تھوڑی ہے اور اس کے اندر والی اشیاء بھی قلیل ہیں اور قلب آخرت سے متعلق ہے اور آخرت خود بھی کثیر ہے اس کے اندرونی اشیاء بھی لا محدود ہیں اور قلبی ذکر کو کثرت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ذکر کثیر مقبول ہے نہ قلیل جیسا کہ فرمایا وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا اور ذکر کثیر کے لئے حکم فرمایا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا یعنی اللہ تعالیٰ کا قلبی ذکر بکثرت کرو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ منافقین چونکہ صرف قالب (زبان) سے ذکر کرتے ہیں اس لئے وہ تھوڑا ہے اس لئے کہ انہوں نے نور کے چھینٹے دور سے دیکھے تھے اس لئے انہیں وہ نور نہ پہنچا۔ اگر ان کو وہ پہنچ جاتا تو ان کا سینہ نور سے منشرح ہوتا جیسا کہ فرمایا اَفَمَنْ شَرَحَ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (جس کا سینہ اس نور ازلی سے کھلا تو وہ قلب اس نور ازلی کی برکت سے ذکر کرتا ہے تو) ایسے ذاکر سے لسانی ذکر اگرچہ قلیل ہو تو بھی کثیر ہوگا۔ چونکہ وہ منافقین اس نور کے مشاہدہ اور ظلمت خلقیہ کے مابین متحیر و متردد ہو گئے اس لئے نہ ان کی طرف جاتے ہیں جن پر وہ نور ازلی پہنچا اور نہ ان کی طرف جا سکتے ہیں جنہیں اس نور ازلی کا مشاہدہ نہ ہوا بنا بریں فرمایا مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ یعنی وہ منافقین اہل ایمان و کفر کے درمیان متحیر و متردد ہوتے ہیں لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ "یہی وجہ ہے کہ جو اس

نور سے دور ہوا تو اسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے من اخطاہ فقد ضل (جو اس نور سے چوک گیا وہ گمراہ ہوا) فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا پھر اس کے لئے اس نورانی کی طرف سے کوئی راہ نہ پاؤ گے چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس نور ازلی سے حصّہ مقرر نہیں فرمایا تو اُسے آج بھی اس نورِ ازلی کی طرف کوئی راستہ نہیں ملے گا (التاویلات النجمیہ)

اے اللہ ہمیں ذکر کثیر کی دولت نصیب فرما اور ہمیں ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ سے محفوظ فرما۔

روحانی نسخہ مؤمن کے لئے گمراہی سے بچنے کے لئے تین مضبوط قلعے ہیں۔

① مسجد

② ذکر اللہ

③ تلاوۃ القرآن

جسے ان تین قلعوں سے کوئی ایک حاصل ہے اسے شیطان سے حفاظت نصیب ہوگی۔

حدیث شریف سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ اس وقت اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کریم کی صرف رسم وہ مسجدوں کو بہت آباد کریں گے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ویران ہوں گی۔ اس زمانہ میں علماء شریر ہوں گے انہیں سے فتنہ نکلے گا تو انہیں کی طرف لوٹے گا (یعنی فتنہ خود اُٹھائیں گے اور پھر اسے خود روکیں گے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کنوں بایدت عذر تقصیر گفت

نہ چوں نفس ناطق زگفتن بخفت

ترجمہ: آج ہی گناہوں کا عذر کرنا چاہیئے نہ اس وقت جب زبان بولنے سے رُک جائے۔

اے اللہ ہمیں شاکرین وذاکرین سے بنا (آمین یا معین)

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اے ایمان والو۔ مومنین کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ) یعنی منافقین کی طرح یہودیوں اور ایسے ہی دوسرے دشمنانِ اسلام کو دوست نہ بناؤ۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ لا تَتَّخِذُوْا کے فاعل سے حال ہے یعنی اہل ایمان کی دوستی سے تجاوز کرنے والے نہ ہو۔ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (کیا ارادہ رکھتے ہو کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی واضح حجت بناؤ کہ تم بھی منافق ہو) اس لئے کہ اُن کی دوستی ہی منافقت کی دلیل کافی ہے۔ اس معنے پر یہاں سلطان بمعنے حجت ہے بادشاہ کو بھی اسی لئے سلطان کہا جاتا ہے کہ وہ دوسروں پر حجت ہوتا ہے یا سلطان بمعنے والی (حاکم) ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کو وہ حاکم بناؤ کہ تمہارے لئے

عذاب کا حکم دے اور یہ حکم صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے تمام اُمور اسی کی مخلوق اور اسی کے تابع ہیں۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (بے شک منافقین جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے) یہ وہ طبقہ ہے کہ تمام جہنم کے طبقات میں سب سے نیچے ہے اسے ہاویہ کہا جاتا ہے۔

فائدہ جہنم کے سات طبقات ہیں اور انہیں درکات بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے درپے ہیں کہ ایک ختم ہو جاتا ہے تو دوسرا شروع ہوتا ہے ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہیں جیسے بہشت کے طبقات کا نام درجات ہے وہ بھی اسی طرح ہیں بہشت میں سب سے اونچے درجہ میں وہ ہوگا جس کے اعمال اعلیٰ و اعظم ہوں گے اور جہنم کے تمام طبقات میں سب سے نیچے اسے رکھا جائے گا جس کے گناہ زیادہ ہوں گے۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے الدرک الاسفل کے متعلق پوچھا گیا (کہ وہ کیا شے ہے) فرمایا وہ جہنمیوں کے سیاہ رنگ کے مکانات ہیں جن میں منافقین کو اس کے اندر کرکے باہر کے دروازے بند کردیئے جائیں گے۔

سوال منافقین کو کافروں سے سخت تر عذاب کیوں دیا جائے گا۔

جواب منافق کے کرتوت زیادہ ہوں گے۔

① کفر۔
② دین سے استہزاء۔
③ مسلمانوں سے استہزاء۔

اسی بنا پر وہ کافروں سے خبیث ترین ہوئے۔

سوال منافق کسے کہتے ہیں؟

جواب شریعت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو ایمان ظاہر کرے اور کفر چھپائے اور جو شخص فسق کا ارتکاب کرے اسے تغلیظاً وتہدیداً منافق جاتا ہے اور اسے منافق سے مشابہت دے کر زجر و توبیخ کی جاتی ہے جیسے تارک صلوٰۃ کو زجراً کافر کہا جاتا ہے کما قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عمداً نماز ترک کی اس نے کفر کیا۔ اسی طرح ثلاث من کن فیہ فھو منافق وان صام وصلی و زعم انہ مسلم مَنْ حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان "تین ایسے اعمال ہیں جن میں پائے جائیں وہ منافق ہے اگرچہ روزہ و نماز کا پابند بھی ہو۔ اگرچہ گمان کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

① جب بات کرے جھوٹ بولے۔

② جب وعدہ کرے خلاف کرے۔

③ جب اس کے ہاں امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ منافق کون ہے فرمایا کہ منافق وہ ہے کہ وہ اسلام کی تعریف میں زمین و آسمان کے خلا بے ملادے لیکن اس پر عمل نہ کرے۔

حجاج ظالم کی مذمت

① حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ منافقت پر ایک ایسا زمانہ آیا کہ اُسے طرد بخود بیدار کیا گیا۔ یک لخت اُبھرا تو وہ دنیا پر چھا گیا پھر اس کے ہاتھ میں تلوار دیدی گئی اس سے اُن کی مراد حجاج ظالم تھا۔

⑤ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ساری دُنیا کے منافقین حجاج کے سامنے لائے جائیں تو منافقت میں حجاج کا پلڑا بھاری ہوگا۔

⑥ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت میں زیادہ سخت عذاب تین گروہوں کو ہوگا۔

① منافقین۔

② اصحاب المائدہ کے کافر۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فانی اعذبہ عذابا لا اعذبہ احدا من العالمین۔ بے شک میں ایسے عذاب دوں گا کہ اس جیسا اور کسی کو عذاب نہ ہوگا۔

③ فرعون اور فرعونی۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ادخلوا آل فرعون اشد العذاب اے فرعونیو سخت ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ۔

فائدہ

یہ ضروری نہیں کہ عذاب کی تکلیف میں تمام برابر ہوں بلکہ بعض انمیں ایسے ہوں گے جنہیں سخت تر عذاب ہوگا بعض کو اُن کی نسبت کم۔ مثلاً کسی گھر میں گرم حمام ہو تو جو اس حمام کے نزدیک ہوگا اُسے گرمی زیادہ ہوگی اور جو اس سے کچھ فاصلہ پر ہوگا اُسے گرمی کم ہوگی۔ اسی طرح گرمی کی دھوپ صفراوی مزاج کو زیادہ تکلیف پہنچاتی ہے اور سوداوی مزاج کو کم باوجودیکہ ہر دونوں کو دھوپ برابر پڑ رہی ہے۔

حل لغات

منافق نفق سے مشتق ہے نفق بمعنے سرنگ چونکہ منافق اپنے اسلام کو چھپاتا ہے اس لئے اُسے سرنگ سے تشبیہ دے کر اس سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نافق الیربوع (جنگلی چوہے نے دھوکہ کیا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب چوہا ایک بل میں داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل جائے۔ اگر اسے دوسری طرف سے پکڑا جائے تو پہلی سے نکل جائے۔

وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ اور تم اُن کے لئے ہرگز مددگار نہیں پاؤ گے یعنی ایسے حامی کہ انہیں عذاب سے بچائیں اور جہنم کے نچلے طبقہ سے نکالیں۔ یہ خطاب اُس شخص کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہے اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا

مگر وہ لوگ جو منافقت سے توبہ کریں۔ یہ منافقین سے استثنا ہے بلکہ اُن کی اس ضمیر سے جو خبریں ہے وَاَصْلَحُوْا اور منافقت کی جتنی باتیں پائی جاتی ہے۔ تمام کو ترک کرکے ظاہراً و باطناً شریعت کی تمام نیک باتوں پر عمل کرنے لگ جائیں وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اس کے دین و توحید کو مضبوط پکڑیں وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ اور دین میں خلوص کریں لِلّٰهِ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھ کر عبادت و اطاعت کریں فَاُولٰٓئِكَ پس وہی کہ جن کے پچھلے اوصاف بیان کئے گئے۔ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اس میں الف و لام عہدی ہے یعنی وہ مؤمنین جن سے منافقت صادر نہ ہوئی۔ ورنہ منافقت سے تائب ہو کر پکا سچا مؤمن ہونے کے بعد بہشت کے درجات میں برابر ہوں گے انہیں سابق نفاق مضر نہیں ہو گا۔ چنانچہ خود فرمایا کہ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں بہت اجر عطا فرمائے گا کہ اُس کا نہ کسی کو اندازہ معلوم ہے اور نہ ہی کوئی ان کا شریک ہو سکتا ہے۔

فائدہ لفظ سوف امیدوار طمع دلانے کے لئے مستعمل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ایجاب کے معنے میں آتا ہے کیونکہ وہ کریم ذات ہے اور کریم کا ہر وعدہ پورا ہوتا ہے۔

سوال یُؤْتِ کا عامل جازم کوئی نہیں۔ پھر بھی یا کو محذوف کر دیا گیا ہے؟

جواب لفظ اللہ کی پہلی لام ساکن اور یُؤْتِ کی یا ساکن کا اجتماع ہوا اس لئے یا محذوف ہو گئی جیسے سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ وَیَدْعُ الدَّاعِ وَیَدْعُ کی واؤ محذوف ہو گئی۔

تفسیر صوفیانہ کافر نے اگرچہ اپنی روح کو کفر کی گندگی سے گندا کیا ہے لیکن اُس کے کفر کی طرف منافقت کی گندگی منسوب نہیں ہوتی۔ اس لئے کفر کی گندگی کے لئے دل سے زبان کی طرف راستہ کھلا ہوتا ہے اس لئے اُس کے کفر کا بخار دل سے زبان کی طرف خارج ہوتا ہے اور چونکہ منافق کے کفریہ بخارات کے علاوہ منافقت کی گندگی بھی ملی ہوتی ہے بنا بریں اُس کے بخارات دل سے زبان کی طرف خارج نہیں ہو سکے۔ کفر و نفاق کی گندگیوں کے بخارات منفذ قلب پر نافذ ہوتے ہیں اور قلب عالم غیب سے ہے اس لئے وہ بخارات دل پر جمے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ قلب کے منفذ کو بالکل مسدود کر دیتے ہیں اس سے اُس کی روحانیت کی صفائی کی استعداد بھی ختم ہو جاتی ہے پھر اس وجہ سے وہ اس نچلے درجہ سے نہ خود نکل سکتا ہے نہ اُس کے نکالنے کے لئے کوئی حمایت کرتا ہے اس لئے کہ وہ آخری صفوف میں دُور پڑا ہوا ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان ینصرکم اللہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ارواح کی پہلی اہل ایمان کی صف میں پیدا کرنے کی مدد کرے۔ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ پس تمہارے اوپر کوئی غالب نہیں ہو سکتا کہ تمہیں ارواح مؤمنین سے نکال کر ارواح کافرین میں داخل کرے۔ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ اور اگر تمہیں ذلیل و خوار کرے کہ تمہیں کافرین کی ارواح میں پیدا کرتا فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ پھر اس کے بعد تمہاری کون مدد کر سکتا ہے کہ کفر کی صف سے نکال کر اہل ایمان کی طرف لے جائے۔

ربط اصلی کافروں ومنافقین کی تشریح کے بعد اب لوگوں کو مستثنیٰ فرمایا کہ جن کی تخلیق تو ارواح مؤمنین میں ہوئی لیکن چند روز کافرین ومنافقین کے ساتھ صحبت رکھنے کی وجہ سے اُن پر کفر ونفاق عارضی طاری ہوگیا اس کی روح کی صفائی بالکل مٹ نہیں گئی ہوتی اور نہ ہی اُن کے قلب کا منفذ عالم غیب سے بند کر دیا گیا ہے اس کی قسمت اچھی تھی کہ عنایتِ ربانی کی ہوا سے نفحات الطاف حق کے جھونکے چلے تو وہ نوم غفلت سے بیدار ہو پڑا۔ اب اسے حق معلوم ہوتا ہے جس سے گمراہی سے بچ کر اسے حق کی طرف رجوع کرنے کا موقع نصیب ہو جاتا ہے گویا رازِ الٰہی سے یہ پیغام پہنچایا گیا کہ جس نے مرتبہ اسفل اختیار کر لیا تو وہ اس مرتبہ سے ہرگز نہیں نکلے گا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مگر وہ جو تائب ہوا یعنی اپنی غلط کاریوں پر نادم ہو کر معاملاتِ ردیہ سے رجوع کرتا ہے وَاَصْلَحُوْا اچھی استعداد کو ضائع اور روحانیت کی صفائی کو برباد کر دیا تھا۔ اب شہواتِ نفسانیہ اور حظوظِ حیوانیہ کو ترک کر کے اصلاح کر لی وَاعْتَصَمُوْا اور استعانت عبودیت کے لئے باللہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط کر لیا۔ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ اور وہ دین کی طلب کرتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی ذاتِ حق کو طلب کرتے ہیں تو اُسی کی رضا کو مدِ نظر رکھ کر اب شرائط مذکورہ کے مستحقین کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ مذکورہ لوگ کون ہیں۔ فرمایا فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ مذکورہ اوصاف کے موصوف لوگ اہل ایمان کے ساتھ ہوں گے یعنی ایسے لوگ تخلیق کے وقت ارواح مؤمنین کی صف کے ساتھ تھے نہ کہ کفار کی ارواح کی صف کے ساتھ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی جن لوگوں نے غلطیوں سے توبہ کی انہیں عنقریب اپنا قرب عطا فرمائے گا۔ جیسا قدسی حدیث میں ہے من تقرب الخ جو میرے قریب ایک بالشت ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو ایک ہاتھ میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں اُس کے ایک گز قریب ہو جاتا ہوں اور جو میرے ہاں چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر اُس کو آگے آکر ملتا ہوں۔ اس قرب کو اللہ تعالیٰ نے اَجْرًا عَظِيْمًا سے تعبیر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے (کذا التاویلات النجمیہ)

خلافِ طریقت بود کاولیا

تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: طریقہ اولیاء کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کا ماسوا طلب کیا جائے۔

تفسیر عالمانہ مَا یہ ما استفہامیہ بمعنے نفی محل نصب میں ہے کہ یفعل کا مفعول بہ ہے۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ باسببیہ ہے اور یفعل کے متعلق ہے یعنی تمہارے عذاب سے اللہ تعالیٰ کیا کرے گا۔ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ یعنی تمہارے ساتھ غیض وغضب یا تمہیں جہنم میں ڈال کر یا تمہارے ذریعہ نفع پانے یا نقصان دفع کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بادشاہوں کا طریقہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ مؤمن شاکر کو عذاب وغیرہ میں مبتلا نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ یہ معاملہ اللہ کی ذات سے محال ہے کیونکہ وہ غنی لذاتہ ہے اسے

کسی شے کی حاجت نہیں کسی سے نفع پانے اور کسی کے ذریعہ نقصان دفع کرنے سے منزہ ہے اگر کسی غیر مومن یا مومن غیر شاکر کو عذاب دیتا ہے تو اُس میں بھی اُسے اپنا ذاتی کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس میں بندے کے لئے مصلحت ہوتی ہے مثلاً بیمار کے مزاج میں تغیر ہوا تو بیمار ہو جاتا ہے پھر اُس کی طبیعت کو اعتدال پہ لانے کے لئے اسے علاج کی تکالیف میں مبتلا کرنے میں مصلحت ہوتی ہے بندوں کو ایمان و اطاعت کے لئے ترغیب اور قبائح سے احتراز اور منکرات کے ترک کی ترہیب میں بھی یہی مصلحت ہے کہ گویا کہا گیا اگر تم نیکی کرو اور بُرائیوں سے بچو تو اس کے کرم کے لائق نہیں کہ وہ تمہیں عذاب میں مبتلا کرے ۔ بندوں کو عذاب دینے سے اس کے ملک میں اضافہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی کو بُرائی کی سزا نہ دینے سے اس کی شاہی میں فرق آئے گا ۔ اِنْ شَكَرْتُمْ کا جواب محذوف ہے جیسا کہ اس کا ما قبل دلالت کرتا ہے دراصل اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ فَمَا يَفْعَلُ بِعَذَابِكُمْ تھا ۔

فائدہ شکر کفر کی ضد ہے اور کفر نعمت چھپانے کو کہتے ہیں اور شکر بمعنے نعمت ظاہر کرنا ۔

سوال شکر کو ایمان پر مقدم کیوں کیا گیا ہے حالانکہ ہر نیک عمل سے ایمان کو مقدم ہونا ضروری ہے اس لئے کہ ایمان کے بغیر نیکی بے کار ہے ۔

جواب اس طرف اشارہ ہے کہ یہی طریقہ موصل الی الحق ہے اس لئے کہ جو شخص سمجھتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں انفسیہ بھی اور آفاقیہ بھی تو پہلے وہ اپنے منعم (انعام دینے والے) کا شکر کرے گا اس کے بعد گہری نظر اور واضح دلائل سے غور کرے گا تو اُسے واضح طور منعم حقیقی کی معرفت حاصل ہو گی اس معرفت کا نام ایمان ہے ۔

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا اور اللہ تعالیٰ شکر قبول کرنے والا ہے ۔

قاعدہ بندے کی طرف شکر کی نسبت ہو تو اس کا معنے ہوتا ہے کہ اس کی طرف جو نعمت پہنچی ہے اُس کا اسے اعتراف ہے پھر وہ اس اعتدال کا اظہار کرے تو بصد عزت و احترام اگر اُس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اُس کا معنیٰ ہے رضا یعنی وہ کریم اپنے بندے کی تھوڑی سی عبادات و اطاعت پہ بھی راضی ہے کہ صرف ایک نیکی پر دس بلکہ ستر گنا زاید ثواب عنایت فرماتا ہے بلکہ اس سے بھی زائد چاہے تو بھی ۔

عَلِيْمًا ۔ تمہارے شکر اور ایمان کو خوب جانتا ہے اس لئے اس کے لئے محال ہے کہ وہ تمہارے ایمان و اعمال کی تمہیں پوری طرح جزا دے ۔

سبق طالب حق پر لازم ہے کہ ذاتِ حق کے لئے زیادہ سے زیادہ خشوع و خضوع کرے اور اُس کی نعمتوں کا زیادہ سے شکر کرے ۔

فائدہ حضرت جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ یعنی اگر تم قرب کی نعمت کا شکر کرو تو میں تمہیں اپنے اُنس کی نعمت سے نوازدوں گا ۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جب تمہیں کچھ نعمت کا حصہ نصیب

نصیب ہو تو انتہائی نعمت سے عدم ادائیگی شکر سے نفرت نہ کرو۔ یعنی جو شخص حاصل شدہ نعمت کا شکر نہیں کرتا تو وہ عدم ادائیگی شکر سے انتہائی نعموں سے محروم ہو جاتا ہے ؎

① چوں بیابی تو نعمتے چند
خــرد باشد چوں نقطہ موہوم

② شکر آں یافتہ فرو مگذار
کہ ز نایافتــہ شوی محــروم

ترجمہ ① جب تم کوئی نعمت حاصل کر لو اگرچہ وہ نقطہ کی طرح معمولی بھی کیوں نہ ہو۔
② اس کی ادائیگی شکر میں کوتاہی نہ کرو ورنہ جو نعمت نہیں ملی اس سے محروم ہو جاؤ گے۔

فائدہ شکر و ایمان سے بندہ جہنم کے عذاب سے بچ جاتا ہے ورنہ اس نے اپنے آپ کو جہنم کے عذاب و عقاب کے منہ میں ڈال دیا۔ بندے کو ادب سکھانے میں ایک حکمت یہی ہے کہ وہ نعمت الٰہی کا شکر کرے۔

نکتہ جہنم کے پیدا کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی کی کیا شان ہے اور اس کی کبریائی اور قہر و جلال سے ہر وقت خود بھی ہیبت میں رہیں اور دوسروں کو بھی بتائیں جو انبیاء و رسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی ہدایت پر عمل نہیں کرتا اسے بھی سمجھا سکیں اور اہل عقل بھی اس سے عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ دنیا کی لذتیں فانی ہیں۔ آخرت کی لذت و نعمت کی طرف رجوع کریں۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے ڈنڈا ساتھ رکھنے کا حکم دیا کہ گھر والوں کو ادب سکھانے میں زجر و توبیخ کی جائے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے جہنم کو بخل سے پیدا نہیں فرمایا کہ میری نعمتوں میں کمی تھی بلکہ اس لئے پیدا فرمایا تاکہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو ایک جگہ جمع کر کے ظاہر کر دوں کہ یہ دوست ہیں اور یہ دشمن علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ بعض گنہگار مؤمنوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا تاکہ انہیں بہشت کی نعمتوں کی قدر و منزلت معلوم ہو اور انہیں پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب دور فرماتا ہے تو اس کی کیا شان ہے اور نعمت کی عظمت کا تصور بھی واجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی گذشتہ نعمتیں اپنے بندوں کو یاد دلایا ہے مثلاً
① اپنی قدرت کاملہ سے انہیں عدم سے نکالا۔
② ان کی ارواح تمام اشیاء سے پہلے پیدا فرمائیں۔
③ ان کے ارواح نورانیہ پیدا فرمائے اگرچہ ان کے اجساد ظلمانیہ ہیں۔
④ ان کی ارواح بہ نسبت نور قدم کے ظلمانیہ تھیں لیکن جب ان پر وہی نور قدم کا پرتو ڈالا تو وہ بھی نورانی ہوئے۔

۵ اس نور سے بعض ارواح محروم ہوگئیں جیسے کفار و منافقین کی لیکن اُس سے بعض ارواح بہرہ ور ہوئیں یعنی مؤمنین کی ارواح۔

تو فرمایا مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ یعنی اگر تم اُلٰہی کی مذکورہ بالا نعمتوں کا شکر کرو جبکہ تم ان نعمتوں کے مستحق بھی نہیں تھے لیکن تم نے ان نعمتوں اور نعمت والے رب کی زیارت سے شکر کیا اور ایمان لائے منعم پر اور تم نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پائی (اس سے فراق و جدائی کا عذاب مراد ہے اسلئے کہ ذات باری تعالیٰ کی رویت کا شکر اس کی نعمتوں کی زیارت کے شکر سے زیادہ اہم ہے) اس لئے فرمایا کہ واشکروا لی یعنی میرے وجود کا شکر۔ وکان اللّٰہ اور اللہ تعالیٰ ازل میں شاکرًا اپنے وجود کے لئے شاکر ہے۔ اور اس کے شکر وجود سے ایک یہ ہے کہ اس نے اپنے جود و کرم سے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ عَلِیْمًا جو اس کا شکر یا کفر کرتا ہے تو وہ اُسے خوب جانتا ہے اس لئے کہ شکر سے شاکرین کو شکر کی جزا دیتا ہے کیونکہ وہ شکر گذار ہیں اور کفار کے کفر سے ان کو کفر کی سزا دیتا ہے اس لئے کہ وہ ناشکرے ہیں (التاویلات النجمیہ)۔

بتاریخ ۵ رمحرم ۱۳۹۵ھ کو بفضلہ ترجمہ پارہ ۵ ختم ہوا۔ حامد آباد ضلع رحیم یار خان

تَمَّ الجزء الخامس فی یوم الاحد مِن خامس المحرم الحرام فی سنۃ خمس وتسعین بعد ثلثمائۃ والف من ھجرۃ صاحب العزۃ والشرف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الف الف مرۃ بعد الف الف وکنت یومئذ فی المدرسۃ منبع الفیوض الواقعۃ فی القریۃ حامد آباد من مضافات رحیم یار خان وھی الموطن الاصلی و فیھا مولدی ومسکنی سنوات قبل ھجری الی البلدۃ البھا ولفور۔ وَھَا انا الفقیر القادری ابوالصالح **محمد فیض احمد** الاویسی الرضوی عفرلہ ربہٗ

نوٹ: اس کی نظرثانی سے ۲ر ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ شب جمعہ فراغت ہوئی۔

